UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188754
UNIVERSAL
LIBRARY

188754

1975
OUP—43—30-1-71—5,000

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۴۰.۵.۹۵۴ Accession No. ۱۱۹۵

Author جمال احمد نقوی

Title تاریخ نادرات امریہ جلد اوّل

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلام علی آل طٰہٰ ویٰسٓ ۔ سلام علی آل خیر النبیین

(جامی)

Blocked 1975

جز کتاب اللہ و عترۂ زاحمد مرسل نماند
یادگارے کو توان تا روزِ محشر داشتن

(حکیم سنائی)

کتاب جامع حسنات و برکات تذکرۂ اولاد سید کائنات کہ موسوم است بہ تاریخی

تاریخ سادات امروہہ

۱۹۳۴ء

جلد اوّل

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD

مؤلف و مرتبہ

جمال احمد نقوی (عرف خصال احمد) ایم اے (ایڈنبرا)

در اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر بدو فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن مطبوع گردید

مولف کتاب ھذا

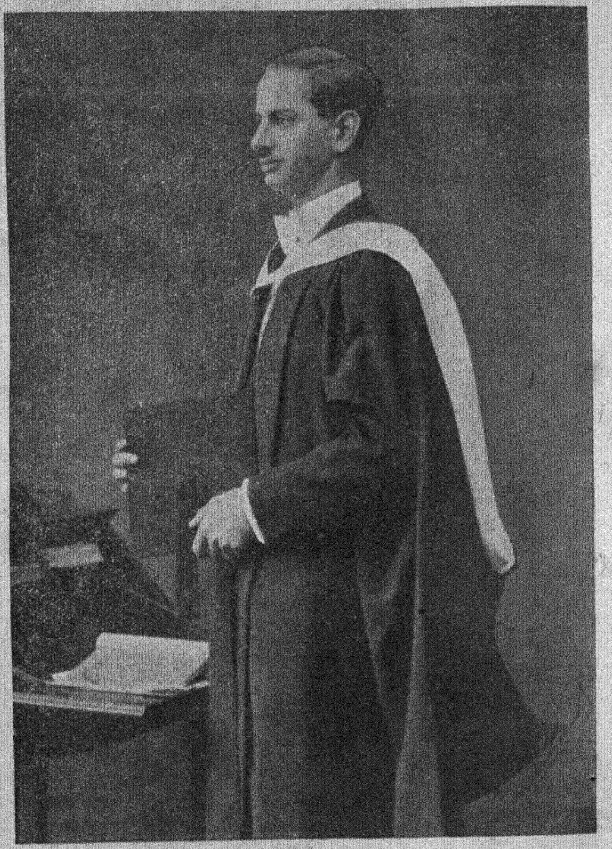

سید جمال احمد عرف خیال احمد ایم اے ایٹ لا
ابن سید نہال احمد از اولاد دیوان سید محمود نبیرۂ سید محمد مہر عدل
اکبر اکبری

فہرست مضامین کتاب ہذا

۱۔ تمہید و مختصر حالات امروہہ صفحہ ۱ تا ۵۰

۲۔ سید و سادات سے کون مخاطب ہیں ۵۱ تا ۸۱

آل رسول کی توضیح ۸۱ تا ۸۸

"اہل بیت" کی توضیح ۸۸ تا ۹۴

۳۔ سادات کی فضیلت دیگر بنی ہاشم پر ۹۴ تا ۱۲۶

۴۔ تذکرہ بزرگان سادات ۱۲۶-۲۶۳

ذکر شریف آنحضرت صلعم ۱۳۰-۱۵۲

" جناب ابوطالب ۱۵۲ تا ۱۵۸

" جناب علی کرم اللہ وجہہ ۱۵۸ تا ۱۹۳

" جناب سیدہ عالمؑ ۱۹۵ تا ۲۰۸

" جناب امام حسنؑ ۲۰۸ تا ۲۱۲

" جناب امام حسینؑ ۲۱۲ تا ۲۴۰

" جناب امام زین العابدینؑ ۲۴۱ تا ۲۴۶

" جناب امام محمد باقرؑ ۲۴۶ تا ۲۴۷

" جناب امام جعفر صادقؑ ۲۴۷ تا ۲۴۹

" جناب امام موسیٰ کاظمؑ ۲۴۹ تا ۲۵۱

" جناب امام علی رضاؑ ۲۵۲ تا ۲۶۲

" جناب امام محمد تقیؑ ۲۶۲

ذکر شریف جناب امام علی نقیؑ ۲۶۲ و ۲۶۳

۵۔ ذکر اولاد امام علی نقیؑ متوطنہ امروہہ ۲۶۴

حالات مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت مورث خاندان نقوی امروہہ ۲۶۵ تا ۲۸۸

اولاد سید شرف الدین شاہ ولایتؒ ۲۸۸ تا ۳۸۵

حالات سید محمد میر عدل و دیوان سید محمود و اولاد ایشاں ۲۹۲ تا ۳۴۴

ذکر سادات حسنی محلہ کوٹ ۳۴۴ تا ۳۵۳

تذکرہ خاندان سید مبارکؒ اور سید محمد میر عدل ۳۵۳ تا ۳۷۵

ذکر سادات محلہ بگلہ ۳۷۶ تا ۳۸۱

ذکر سادات محلہ لکڑہ ۳۸۱ تا ۳۸۵

شجرات نسب خاندان شاہ ولایتؒ ۳۸۵ تا ۴۲۴

سیادت بنی ہاشم و بنی ہاشم کے باہمی تعلقات اور بعض قبائل بنی ہاشم کا ذکر ۴۲۴ تا ۴۷۸

خاتمہ جلد اول و عرض حال ۴۷۸-۴۸۳

سیادت بنی ہاشم پر فتویان ۴۸۳ تا ۴۹۳

شرع متین کے فتوے۔

بعض امور وضاحت طلب ۴۹۴ تا ۴۹۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(+)

الحمد للہ الذی شرف الحسن والحسین علی سائر الخلائق
بمزید الخلق والنسب والجود والاحسان واعلی درجتہما علی
الاولین والاخرین باعطاء مدارج الشہادۃ بالسر والاعلان
وافترض علینا حبہما وحب من یحبہما بالاحادیث والقران و
وعد لمحبہما بدخول الجنۃ والغفران واوعد لمخالفیہما بالدرک
الاسفل من النیران والصلوٰۃ والسلام علی من ارسل الی الخلائق
بالحجۃ والبرہان وامرنا باتباعہ وامتثال احکامہ بالجوارح والجنان
وعلی الہ واصحابہ کانوا افضل الناس والبشر واحق من الرحمن
بالرضوان وسبقوا عن الکل حتی فاقوا الکل بالصدق والایمان

(سعادۃ الکونین)

امّا بعد یہ ایک تذکرہ ہے خاندان شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت

قدس اللہ سرہ العزیز کا تاریخی نام اس کتاب کا "تاریخ سادات امروہہ" ہے جس سے سال تحریر ۱۹۳۳ء برآمد ہوتا ہے۔ مؤلف کی غرض وغایت اس سے صرف اس قدر ہے کہ اپنے خاندانی حالات محفوظ و مرتب رہ سکیں۔ ان حالات کی تحریر کے ضمن میں بعض دیگر امور بھی تحریر ہوئے ہیں۔ اور اکابر سادات وخاندان نبوی کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کو کوئی صاحب تاریخ امروہہ یا تاریخ جمیع سادات امروہہ تصور نہ فرمائیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا مؤلف کا مقصد محض اپنے خاندانی حالات کا محفوظ و مرتب رکھنا ہے۔ اس موضوع پر متعدد کتب پہلے بھی مؤلف کے ہم خاندان اور دیگر حضرات نے تحریر کی ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض اب بالکل کمیاب ہوگئی ہیں۔ اور بلحاظ حالات زمانہ اس کی ضرورت بھی محسوس کی گئی کہ دور حاضرہ کے حالات کے ساتھ ہی ساتھ بزرگان سادات کے حالات اور بعض دیگر متعلقہ مسائل پر کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے۔ اس کتاب کو دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں سے پہلی جلد طبع ہو کر سادات عظام کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔ مؤلف کو اس پر بے حد مسرت ہے کہ تذکرہ خاندان شاہ ولایت رح کی تحریر کے سلسلہ میں بعض اولیاء کرام وائمہ عظام وخاندان نبوت اور خود جناب ختم المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ پاک پر لکھنے کی ایک تقریب ہاتھ آئی۔

غبارِ راہ گشتم سرمہ گشتم تو تیا گشتم
بچندیں رنگ گشتم تا بہ چشمش آشنا گشتم

وکفیٰ بہ فخرا

یہ تذکرہ اگرچہ خاندان سید شرف الدین شاہ ولایتؒ کی حد تک محدود ہے لیکن ضمناً بعض دیگر خاندانوں کے حالات بھی تحریر ہوئے ہیں چونکہ یہ سب حالات مقامی طور پر سرزمین امروہہ سے متعلق ہیں۔ اس لیے بغرض تفصیل اجمال و توضیح مقال امروہہ کی تاریخ اور اس کا جغرافیہ بھی برسبیل اجمال بیان ہو جانا نہایت ضروری ہے۔ اور اسی کے ساتھ بعض دیگر امور مثلاً کتب تذکرہ مقامی اور دیگر چند امور کا اظہار بھی تعارفاً ناگزیر ہے۔ پس ہم سب سے اول ان کتب کا ذکر اجمالاً لکھتے ہیں جن میں امروہہ اور سادات امروہہ اور متعلقات امروہہ کا ذکر ملتا ہے اور ان کتابوں کا ذکر بھی بار بار اس کتاب میں آیا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:۔

عمدۃ الطالب فی انساب آلِ ابوطالب مضمون کتاب خود نام سے ظاہر ہے۔ نویں صدی ہجری کی مشہور کتاب ہے۔ اور بمبئی و لکھنؤ میں کئی بار طبع ہو چکی ہے۔ عربی زبان میں ہے اس کے مصنف سید جلال الدین احمد الحسنی ہیں۔ جن کی تاریخ وفات ۸۲۸ھ ہجری ہے **منتخب التواریخ** یہ عہد اکبری کی سب سے بڑی اور مکمل و مبسوط و مستند تاریخ فارسی زبان میں ہے۔ مولوی احتشام الدین صاحب مراد آبادی نے اس کا اردو ترجمہ بھی چھاپ دیا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی جو عہد اکبری کے علماء نامدار و مقربان شاہی میں سے ہیں اس کے مصنف ہیں۔ **ثمرات القدس من شجرات الانس** اس کتاب میں جو قریباً ۱۰۰۰ھ ہجری میں لال بیگ بخشی شاہزادہ مراد نے لکھی ہے اکابر اولیاء اللہ کے حالات قلمبند ہوئے ہیں۔ **اسرار** یہ بھی تذکرہ کی کتاب ہے جسے سید کمال بن سید لال (از اولاد سید شرف الدین شاہ ولایتؒ) نے قریباً گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں مرتب کیا ہے۔ **مقاصد العارفین** یہ کتاب

تصوف میں حضرت شاہ عضدالدین محمد جعفری امروہوی نے بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں تصنیف فرمائی ہے۔ **آئینہ عباسی** یہ ایک مختصر کتاب تاریخ کی ہے۔ جو اپنے خاندانی حالات اور امروہہ کے مختصر حالات لکھ کر مولوی محب علی خاں صاحب امروہوی ساکن محلہ کوٹ نے طبع کرائی ہے۔ تاریخ طباعت ۱۲۹۳ھ ہجری ہے اب یہ کتاب بہت کم یاب ہوگئی ہے۔ راقم الحروف نے اپنے ایک دوست سے اس کی ایک نقل حاصل کی اور اسی نقل سے کتاب ہذا میں اس کتاب کے حوالے جا بجا دیئے گئے ہیں۔ **تاریخ اصغری** یہ کتاب سادات امروہہ کے حالات میں سید اصغر حسین صاحب نقوی امروہوی ساکن محلہ گذری نے ۱۸۸۹ء عیسوی میں تحریر فرمائی ہے۔ **نخبۃ التواریخ** یہ کتاب مولوی آل حسن صاحب نخبہ امروہوی نے امروہہ کے بعض خاندانوں کا حال فارسی زبان میں تیرہویں صدی ہجری کے ختم کے قریب لکھ کر طبع کرائی ہے۔ **تواریخ واسطیہ** قاضی سید رحیم بخش صاحب امروہوی نے سادات امروہہ کے تذکرہ میں لکھی اور ۱۳۲۲ھ ہجری میں طبع ہوئی۔ **تاریخ امروہہ** مضمون کتاب نام سے ظاہر ہے۔ مولوی محمود احمد صاحب ساکن محلہ ملانہ اس کے مؤلف ہیں حال ہی میں اس کی تین جلدیں جن کے نام تاریخ امروہہ۔ تذکرۃ الکرام۔ تحقیق الانساب میں شایع ہوچکی ہیں۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ چوتھی جلد زیر ترتیب ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کتب مختلف مصنفین اور مختلف زمانوں کی ہیں مثلاً آئین اکبری وطبقات اکبری۔ وتوزک جہانگیری۔ ومآثر الامرا واقبال نامۂ جہانگیری دربار اکبری ومآثر عالمگیری وغیرہ وغیرہ جن میں سادات امروہہ اور امروہہ کے حالات مل سکتے ہیں۔ ان سب کی تفصیل یہاں موجب طوالت ہے۔

شہر امروہہ ایسٹ انڈین ریلوے کا اسٹیشن مراد آباد سے ۱۹ میل بجانب غرب۔

اور دارالخلافہ دہلی سے ۱۸۰ میل بجانب شرق واقع ہے۔ حال میں اس کا تعلق ضلع مرادآباد و کمشنری بریلی سے ہے۔ جو ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں واقع ہیں۔ یہاں کی عدالت العالیہ کا مقام بالفعل الہ آباد ہے۔ یہ ایک خوبصورت اور اوسط درجہ کا شہر اور سادات کی بستی ہے۔ دیگر قدیم شرفاء اہلِ اسلام و ہنود کے خاندان بھی آباد ہیں۔ زمانہ حال میں اس کی آبادی قریباً پچاس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ جن میں سے پانچ چھ ہزار سادات ہیں۔ ان میں سب سے بڑی تعداد اولاد سیّد شرف الدین شاہ ولایتؒ نقوی الواسطی الامروہوی کی ہے۔ بعض دیگر سادات بھی آباد ہیں۔ ان میں بعض وہ خاندان ہیں جن سے تعلقات مصاہرت حضرت شاہ ولایتؒ موصوف کے خاندان سے قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ مثلاً اولاد حضرت نصیرالدین چشتیؒ محلہ نوگیان و سادات حسنی ساکن محلہ کوٹ و سادات دانشمندان وغیرہ وغیرہ۔

شرفا میں بھی بعض نامی اور قدیم خاندان امروہہ میں آباد ہیں۔ شیوخ میں عقیلی و عباسی و جعفری و علوی خاندان و صدیقی و فاروقی و انصاری و زبیری وغیرہ مشہور ہیں۔ اور دیگر شرفاء میں افاغنہ و ترکمان و مغل وغیرہ مختلف اقطاع شہر میں آباد ہیں۔

تاریخ امروہہ میں اس سے زیادہ اور کوئی افسوس کی بات شاید نہ ہوگی کہ اس بستی کی تاریخ بنا کا حال اب تک تحقیق نہ ہوسکا۔ اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ صاحبِ بنا کون شخص تھا۔ مختلف زبانی روایتیں چلی آتی ہیں اور بعض حالات و قرائن سے تذکرہ نویسوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق اظہار خیال کیا ہے۔ مختلف روایات میں سے بعض یہ ہیں کہ یہ بستی انبارانی کے نام سے آباد ہے جو پرتھی سنگھ راجہ کی بہن تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ کثرت اشجار انبہ کے باعث اس بستی کا نام امروہہ رکھا گیا ہے۔ ایک روایت

جناب سید شرف الدین شاہ ولایتؒ کی آمد کے وقت آم اور رو مچھلی کی بھی مشہور ہے کہ ان دو چیزوں کی رعایت سے جناب سید صاحب موصوف نے اس بستی کا نام امروہہ رکھا۔ غرض کسی ایک روایت پر خاص طریقہ سے اعتماد کرنے کی کوئی وجہ پائی نہیں جاتی ہے۔ ظن غالب یہ ضرور ہے کہ اس بستی کی وجہ تسمیہ میں آم کو کچھ نہ کچھ خاص دخل ضرور ہے۔ اور اگر بقول بعض مصنفین یہ صحیح ہے کہ امروہہ ایک سنسکرت لفظ امرووہم سے مشتق ہے تو اس میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا کہ یہ امروہہ کے حسب حال ہے۔ کیونکہ وَن (یعنی بَن) آموں کا فی الواقع یہاں موجود ہے۔ بہرحال یہ سب قیاسات ہیں۔ ان سے کوئی قطعی نتیجہ نکالنا ممکن نہیں ہے۔ صاحب نخبۃ التواریخ تحریر فرماتے ہیں

وجہ تسمیہ | در وجہ تسمیہ آن اقوال مختلف اند۔ لیکن ارباب تحقیق برآنند کہ امروہہ لفظی سنسکرتی مرکب از امرو روہ بسکون میم یعنی آنبہ کہ ثمر لیست و رُوہ بمعنی جائے وحماست گاہ و روئیدگی ست۔ وچون نون باباء موحدہ فائدہ میم می دہد۔ در بعض کتب و بعض فرمانہاء شاہان اسلام بہ انبروہہ مرقوم گشت۔ و نیز احتمال این ترکیب است پیشتر بہ میم نوشتہ باشند۔ بہر تقدیر مناسبت پیداست کہ کثرت باغات انبہ در سواد قصبہ بحد یست کہ دیگر جا کم چنانچہ می آید۔ و روئیدگی اش بمرتبہ ایست کہ در چہار سال از نشاندنش برمی آورد۔ و امر بہ بفتح میم بہ معنی دیوتا آمدہ واندرون حصارش بتخانہ عظیم بود۔ و آثار بہ کندیدن زمین برمی آیند۔ و گویند کہ بانی امروہہ زنے بود۔ آنبہ نام خواہر پرتھی سنگھ راجہ ہند۔ پس بجہت کثرت استعمال حذف مکرر و ابدال بہ وقوع آمدہ و باین ہمہ احتمال افراد و ارتجال میدارد۔

واللہ اعلم بحقیقت الحال ودقت آبادشدنش بتحقیق نہ پیوستہ و
تخمین اعتباری ندارد و بالجملہ از معاطن قدیمہ اہل ہند است (صفحہ ۱۳ و ۱۴)۔

قریب قریب یہی خیالات ہیں جن کا ذکر دیگر تذکرہ نویسوں نے بھی کیا ہے۔ مگر کوئی ایک قطعی رائے ایسی قایم نہ ہوسکی جسے بہہ جہت صحیح تسلیم کیا جاسکے۔ قرائن و آثار سے البتہ یہ ضرور بدرجہ یقین کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک نہایت قدیم بستی ہے۔ بانی شہر کا صحیح حال اور نام تحقیق نہیں ہوسکا۔ البتہ یہ امر بدرجہ یقین ثابت ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے فاتحانہ داخلہ سے قبل اس بستی کا وجود تھا۔ اور اب تک بعض مقامات پر امروہہ میں کہیں کہیں اہل ہنود کے زمانہ کی اینٹیں اور سکے وغیرہ مدفون حالت میں ایسے مل جاتے ہیں جن سے اس بستی کی قدامت پر مُہر تصدیق لگ جاتی ہے۔ سب سے اول مُسلمانوں کی جس ترکتاز کا پتہ اس نواح میں چلتا ہے۔ وہ سلطان محمود غزنوی کا ایک حملہ ہے جس میں ہندوؤں کو سلطان محمود غزنوی کے مقابل رہب ندی (راگم گنگا) کے کنارے شکست ہوئی۔ غزنوی دور میں اس طرف کوئی مستقل حکومت مسلمانوں کی قائم نہیں ہوئی۔ اس کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے ۱۱۹۳ء عیسوی میں تلاوڑی کے میدان میں رائے پتھورا کو شکست دے کر اسلامی حکومت کی مستقل طور پر بنا ڈال دی۔ خاص امروہہ میں اسلامی لشکر کے داخلے اور عملداری کی صحیح تاریخ معلوم نہیں مگر روایات ہیں کہ حضرت مسعود سالار غازی رح نے سنبھل کے قریب ہندوؤں کے مقابل ایک نمایاں فتح حاصل کی تھی جس کی یادگار میں اب تک سنبھل و امروہہ وغیرہ میں نیزے کا میلہ منعقد ہوتا ہے۔ اس کے بعد تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش نے ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں امروہہ کو ایک ولایت

قرار دے کر یہاں ایک حاکم مقرر کیا اور شاہی لشکر کی چھاؤنی بھی یہاں بنائی۔ حکومت اسلامی کی ابتدا میں بلکہ بعد میں بھی کوئی خاص تاریخی اہمیت امروہہ کو حاصل نہیں ہوئی۔ کہیں کہیں قدیم کتب تاریخ میں مثلاً تاریخ فیروز شاہی و فرشتہ وغیرہ میں مفسدین کی سرکوبی وغیرہ کے سلسلہ میں امروہہ کا ذکر آجاتا ہے۔ کتب تذکرہ سے پایا جاتا ہے کہ سلطان معزالدین کیقباد کے زمانہ سلطنت میں ملک عنبر حاکم امروہہ نے امروہہ کی جامع مسجد ۶۸۶ھ ہجری میں تعمیر کرائی جس کا کتبہ اس مسجد کے دروازہ میں موجود ہے۔ اور یہ مسجد اب شیخ سدو کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ بقول صاحب تاریخ فرشتہ و صاحب تاریخ فیروز شاہی ۱۳۰۵ء عیسوی میں مغلوں کے لشکر سے سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں امروہہ کے قریب سخت معرکہ ہوا جس میں لشکر سلطانی کو فتح حاصل ہوئی۔ صاحب تاریخ امروہہ اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر لکھتے ہیں :۔

حضرت شاہ ولایت رح کی تشریف آوری | سید العارفین

سید حسن المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت رح قدس سرہٗ العزیز سلطان غیاث الدین تغلق کے ابتدائی عہد سلطنت میں نواح ملتان سے مع اپنے خلفا اور اعزا کے امروہہ تشریف لائے اور یہاں کے شاہ ولایت کہلائے۔ آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ لکڑہ و حقانی وغیرہ بعہد سلطنت محمد تغلق امروہہ کے عہدہ قضا پر مامور ہوئے۔ عہد مغلیہ میں آپ کی اولاد امجاد بالخصوص سید محمد میر عدل ان کے اخلاف اور برادر زادگان نے سلطنت کی شاندار فوجی و ملکی خدمات انجام دیں۔ شہرت و

ناموری حاصل کی ۔ تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں ملیں۔

(تاریخ امروہہ)

۷۴۱ھ ہجری میں مشہور سیاح ابن بطوطہ امروہہ میں مقیم رہا۔ اس کے بعد بھی کوئی واقعہ تاریخی اہمیت کا امروہہ سے متعلق نہیں ہے ۔ کہیں کہیں کسی کسی تاریخ میں فوج کشی کے ضمن میں امروہہ کا ذکر ادھر اُدھر مل جاتا ہے ۱۵۲۶ عیسوی میں بابر نے ابراہیم لودھی کو پانی پت میں شکست دے کر سلطنت مغلیہ کی بنا ہندوستان میں قایم کی ۔ اور توزک بابری میں تحریر ہے کہ موسیٰ معروف فرملی کی جاگیر میں امروہہ کا علاقہ دیا گیا ۔ عہد ہمایون و اوائل عہد اکبری میں قطب الدین قناق خاں حاکم امروہہ رہا جس نے جامع مسجد کو جو شکستہ حالت میں تھی اور سلطان معز الدین کیقباد کے وقت میں تعمیر ہوئی تھی (جس کا ذکر اوپر ہوا) از سر نو تعمیر کرایا ۔ مکرر اس کی تعمیر سید محمد میر عدل نے ۹۸۰ھ ہجری میں کرائی ۔ صاحب تاریخ امروہہ تحریر فرماتے ہیں :۔

امروہہ کی ناموری اور شہرت اکبر بادشاہ کے وسط عہد حکومت سے لے کر نواب علی محمد خاں روہیلہ کے زمانہ تک تقریباً ۔ دو سو برس کی مدت میں امروہہ اور اس کے نواح میں بہت کچھ امن و امان رہا ۔ اور رعایا بھی شاد و آباد رہی ۔ لوگوں کو ترقی کرنے کے ذرایع اور مواقع بھی زیادہ حاصل رہے ۔ عہد مغلیہ میں امروہہ کے سادات و شرفا علی الخصوص اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ نے حکومت کی شاندار ملکی و فوجی خدمات انجام دیں ۔ جس کے صلہ میں اعلیٰ مناصب ملے ۔ تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں عطا ہوئیں (تاریخ امروہہ)

اوائل عہد شاہجہانی میں امروہہ کا تعلق صدر مقام ضلع یعنی مراد آباد سے قائم ہوا۔ ۱۶۳۳ء عیسوی میں محمد امین خاں اعتماد الدولہ مراد آباد کے حاکم مقرر ہوئے۔ اور اس کے بعد نظام الملک آصفجاہ بہادر ۱۷۱۶ء عیسوی میں مراد آباد کے حاکم مقرر ہوئے۔ اس کے بعد رکن الدولہ وغیرہ حاکم رہے ۱۷۴۴ء عیسوی میں نواب علی محمد خاں کا تسلط اس علاقہ پر ہوگیا۔ یہ زمانہ طوائف الملوکی کا تھا۔ بہت جلد جلد حکومت کے مہرے بدل رہے تھے حافظ رحمت خاں صاحب کی جو حافظ الملک مشہور ہیں۔ اور نواب دوندلے خاں وغیرہ کی حکومت یہاں رہی۔ بالآخر نواب شجاع الدولہ نے انگریزوں کی مدد سے حافظ الملک کے لشکر کو بمقام فتح گنج شرقی (لاہی کھیڑہ) شکست دی۔ اس کے بعد سے بموجب عہد نامۂ ۱۷۷۴ء عیسوی یہ حصہ ملک نواب وزیر الممالک اودھ کے زیر نگین ہوگیا۔ اور نواب فیض اللہ خاں کو رام پور کی جاگیر دی گئی۔ سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں جس قدر امن و عافیت تھی اس زمانہ میں اتنی ہی ابتری اور بدنظمی تھی۔ رعایا کے جان و مال محفوظ حالت میں نہ تھے۔ مرہٹے اور جاٹوں کے حملے اور کیا کیا بلائیں چاروں طرف سے آرہی تھیں۔ نتھے خانی کا حادثہ بھی اسی زمانہ میں ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حیات خاں جو نتھے خاں حاکم سنبھل کے خسر تھے امروہہ میں رہتے تھے۔ کسی بات پر سادات محلہ گذری سے ان کی ان بن ہوگئی تھی۔ اپنے خسر نتھے خاں کی فوج کی امداد سے سادات محلہ گذری اور خصوصاً میر اسد اللہ خاں صاحب کے مکانات کو خوب لوٹا۔ (تباہی سادات شدہ) اس واقعہ کا مادۂ تاریخی ہے جس سے ۱۲۱۶ھ ہجری برآمد ہوتے ہیں۔ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء میں اس حصہ ملک کا تعلق برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی سے قایم ہوا۔ یہ زمانہ مرہٹہ گردی کا تھا

اس زمانہ میں امیر خان پنڈارہ کا گزر امروہہ پر ہوا۔ صاحب تاریخ واسطیہ لکھتے ہیں :۔

خلاصہ ذکر میر خانی مثل فصل مذکورہ کی حادثہ میر خانی کے حکایات بھی مختلف الاقوال سماعی ہیں نیز اس کی بھی کوئی تحریر تاریخی پہلی نہیں ہے کہ جو مفصل حالات تحریر کیے جاویں البتہ اس قدر روایت اُن اشخاص کی جو اس وقت میں موجود تھے موافق ہے کہ میر خاں مع کسی قدر جماعت کے واسطے لوٹ مار کے اس شہر میں آیا۔ اور درگاہ شریف مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت میں گیا اسی وقت اُس نے خبر فوج سرکاری کے آنے کی سنی بھر دسنے خبر وحشت اثر کے پریشان حال ہو کر اس نے کوچ کر دیا بلکہ اس اضطراب میں اس شہر کے عوام الناس نے بہیر کو اس کی لوٹ لیا۔ بعض غریب لوگ یہاں کے اس لوٹ سے مالدار ہو گئے تھے۔ اور فوج سرکاری داخل امروہہ ہو کر تعاقب میں میر خان کے روانہ ہو گئی فقط مادہ تاریخ اس کا (میر خانی شدہ) ہے اس سے سنہ ۱۲۳۰ ہجری برآمد ہوتے ہیں :۔ (تواریخ واسطیہ)

اس کے بعد غدر ۱۸۵۷ عیسوی کا واقعہ درپیش ہوا جس کا مادہ تاریخی (غدر ہندی) ہے صاحب تاریخ امروہہ نے اس کے واقعات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں مگر ان کا کثیر حصہ تصدیق طلب ہے کوئی خاص اہم تاریخی واقعہ ۱۸۵۷ عیسوی کے غدر میں امروہہ سے متعلق نہیں ہے بجز اس کے کہ جن چند ناعاقبت اندیشوں نے سرکار سے مخالفت کی وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے اور بعض اشخاص کی نمک حلالی کے صلہ میں ان کی عزت افزائی منجانب سرکار ہوئی۔ کوئی خاص اہم واقعہ یا کوئی مشہور قابل ذکر

امر غدر ۱۸۵۷ عیسوی میں امروہہ میں نہیں ہوا اور چونکہ ہماری یہ کتاب تاریخ امروہہ نہیں ہے ہم نے نہایت اجمال سے امروہہ کے بعض حالات تاریخی تمہیداً و تعارفاً یہاں بیان کردیئے ہیں۔ تفصیلی تاریخ لکھنا ان مورخین کا کام ہے جو خاص طور پر تاریخ امروہہ کی تدوین کریں۔ پس ہمارے اس اجمال و ایجاز پر ناظرین ہمیں معذور سمجھیں ؛

غدر سے اب تک کوئی ایسا مشہور و اہم واقعہ امروہہ میں نہیں ہوا جس کا ذکر کیا جائے۔ سوائے اس کے کہ انقلابات زمانہ کے جیتے جاگتے نمونے ہر گلی اور کوچے میں عبرت انگیزی کے لیے موجود ہیں۔ کتنے بڑے لوگ تھے جو اس وقت بالکل چھوٹے اور حقیر ہیں۔ اور کتنے وہ حقیر اور چھوٹے لوگ تھے جو اس وقت بڑے اور عزت مند ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دولت و حشمت کسی کے باپ دادا کی جاگیر نہیں ہے اور عزت و ذلت سب منشاء خداوندی کے تابع اور حکمت الٰہی کی بموجب ان کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔ اس میں نہ کسی کو شکایت کا محل ہے اور نہ حکم خداوندی کے آگے چارہ ہے۔ صاحب تواریخ واسطیہ نے اس بلندی و پستی کا حال اس طرح بیان کیا ہے :-

فصل اول تعریف امروہہ میں

شعر

حسن تو ہمیشہ در فزوں باد ۔۔۔ رویت ہمہ سال لالہ گوں باد

مقام امروہہ عرصہ دراز سے آباد ہے جس کا شروع آبادی مفصلاً تحقیق نہیں ہوا۔ جملہ اقوام ہندو و مسلمان اس شہر میں آباد تھے۔ مگر ایسا دلپذیر بے نظیر فرحت خیز رونق آمیز نہ تھا۔ جب کہ جناب میراں سید علی بزرگ صاحب مع اپنے فرزند ارجمند جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ العزیز با جماعت کثیر مقام امروہہ میں تشریف فرما کر سکونت پذیر ہوئے اس روز سے یہ مقام مسکن

سادات والاصفات مثل گلستان سرسبز وشاداب دم بدم رشک دہ باغ ارم اعقاب انحضرت ممدوح سے ہوا کہ جس میں محلات چمن چمن گلدستہ روشن بروش وکوچہ وبازار باغ وبہار وچاہ شیریں وبے شمار وسرایات طرز بطرز آباد ہوئے ؎ شعر

بہر کوچہ اش گلرخاں رہ نورد　　تو کوئی گلستان شدہ کوچہ گرد

اور اولاد امجاد آنحضرت ایسی نامی منزلت وگرامی مقدرت ہوئی کہ ہر ایک شخص اعلیٰ مراتب والامناصب بارفعت واجلال صاحب اقبال ہر طرح سے لائق وفائق صاحب اخلاق شہرۂ آفاق شکیل وجمیل عقیل وجلیل عالم و فاضل عامل وکامل عابد وزاہد وسخی وجواد وحق بیں وحق پرست وشجاع ودلیر یعنے بہہ صفت موصوف ہوئے ۔ شعر

اے شان حیدری زجبیں تو آشکار　　نام تو ذوالفقار کند کار ذوالفقار

اگر کلک جواہر سلک توصیف ان کی ہزار تختہ کاغذ پر ثبت کرے بھی تو نہ لکھ سکے ۔ زبان قلم دم تسطیر اس محل پر لال ہے ۔ مصرع

درثنائش زبان ناطقہ لال

کہ جن کے آباوجداد طاہرین کے باب میں جناب سیدالمرسلین خاتم النبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی وانہما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض ۔ ونیز ارشاد فرمایا ہے :۔ مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبہا

بغی ومن تخلف عنہا ضل فغرق وھوائے ۔ قطعہ

سادات افضل اندوگر قدر شان جلی — اولاد مصطفیٰ وجگر گوشہ علیؓ
برفعل شان نظر مکن اے دل بجاہلی — الصالحون للہ والطالحون لی

رباعی

یہ رتبے جہاں میں کس ولی نے پائے — پائے تو فقط آل نبیؐ نے پائے
مختار جنان شافع روز محشر — یہ مرتبے اولاد علیؓ نے پائے

اور عہود سلاطین تخت نشین دہلی وغیرہ میں سادات نے اپنی بہادری و دلاوری وجان بازی سے ایسے ایسے کارنمایاں کیے کہ بڑے بڑے قلعات وصدہا لڑائیاں فتح کیں اور جو مہم سخت و دشوار اس وقت میں ہوتی تھی تو سادات باربہ سادات امروہہ بھیجے جاتے تھے ۔ اور وہ ان مہموں کو سر کرتے تھے اور اپنی جانفشانی کر لڑائیاں فتح کرتے تھے بلکہ اکثر فرامین شاہی ان کے کام آنے اور مارے جانے کے ان کی اولاد کے پاس کچھ کچھ اب تک بھی باقی ہیں چنانچہ کتاب اقبال نامہ جہانگیری میں ہے (اس کے بعد اقبال نامہ جہانگیری وغیرہ کی عبارات صاحب تواریخ واطیہ نقل کرتے ہیں) اور پھر لکھتے ہیں :۔

سلاطین ممدوحہ نے ان کی جانبازی کے صلہ میں ان کو مراتب عالیہ و مناصب جلیلہ سے ممتاز فرمایا ۔ اور جملہ پرگنات ضلع مراد آباد وضلع بجنور وغیرہ سرکار سنبھل میں قریب سات سو یا آٹھ سو مواضعات معافی وجاگیر مع زمینداری کے وقتاً فوقتاً عطا فرمائے ۔ بلکہ بہت کثرت سے مواضعات معافی وجاگیر دیگر صوبجات ہند میں مثل صوبہ کشمیر و بہکر و ملتان ولاہور وصوبجات راجستان کن

وصوبجات علاقہ پورب مثل الہ آباد و بنارس و اودھ ان کو عطا فرمائے تھے۔
مقامات مذکورہ کے بعض بعض فرمان عطیہ سلاطین اب تک باقی بھی ہیں اور اکثر
فرمان اس قسم کے تلف ہوگئے۔ اور نیز زمینداری شہر امروہہ مع رقبہ قصبہ معافی و
خالصہ شریفہ ان کو عطا فرمائے اور یہ سب رئیس و زمیندار و مالک شہر کہلائے۔
اور مقام امروہہ بنام سادات مشہور و معروف ہوا۔ اور دیگر اشخاص شرفاء
اہل اسلام ساکنان امروہہ ان کے رفیق و دوستدار با اخلاص بسا ہم نشین
و معتقد تھے و دیگر جملہ اقوام عوام الناس ہندو مسلمان اس شہر کے ان کے مطیع اور
فرماں بردار ہر طرح سے اطاعت شعار یعنے بطریق رعیت و از راہ ملازمت
علی قدر مراتب ساکن تھے غرض کہ روز بروز ترقی و افزایش اس مقام کی ہوتی
رہی خاص و عام بہ عیش و آرام صبح و شام آباد و دل شاد تھے۔ کوئی صومعہ
عبادت میں بسر کرتا تھا کوئی بستر استراحت پر سحر کرتا تھا کسی کے دیدہ بینا انجم
و ار سیر کتب میں شام سے واقعے کسی کی زبان و دل اخلاص منزل مصروف بدعا
تھے ہر شخص کو ہر شئے مہیا تھی کسی طرح کی کسی کو محتاجگی نہ تھی شکر خدا صبح و
مساہر زبان پر جاری تھا ؎

عجب عیش کے حال میں سب کے سب ہر اک کو خوشی تھی ہر اک کو طرب

ان سب نے اس مقام جنت آرام میں جدا جدا محلے چمن چمن و مکانات تختہ تختہ
و گھیرو احاطہ گلدستہ گلدستہ خاندان وار وقتاً فوقتاً آباد کیے۔ کہ جس کی آبادی
چہار جانب سے آراستہ و پیراستہ یکساں و ہموار دروازہ عالیشان بلند مکان
بنگلے و بارہ دریاں و کمرے ہر طرح سے مرتب و مصفیٰ و عمارت ہر قسم سے خوش قطع

ومزین وزیبا دیوانخانے ومحل سرائیں شاہی ہر طرح سے عمارت کی صفائی :۔

شعر

زہے صفائے عمارت کہ در تماشایش　　بدیدہ باز نگردد نگاہ از دیوار

اور اس شہر عزت وہ گلستان کے جملہ ساکنان بعیش ونشاط لیل ونہار دل شاد دن عید تھی تو رات شب برات ہر طرح سے یہ مقام جنت آرام دلپذیر بے نظیر تھا کہ جس میں باغات انبہ شہر کے چہار جانب قلعہ دار جن کی کثرت بہار انبہ مشہور ومعروف ہے ذائقہ میں بہمہ صفت موصوف اور باغات ترشاوہ بہار دل نشاط پرفضا ایسی سرسبز وشاداب تھی کہ جن میں ہر قسم کے پھولوں کی ہزار طرح کی بہار ودرخت یک لخت میوہ دار لطیف و خوش گوار ذائقہ دار بار کے بار سے خم دار ۔ شعر

در روشن حسن وناز بود خوشنما　　غمزہ بطرز ستم عشوہ برنگ جفا

جس کی تعریف میں زبان قلم سے پھول جھڑتے ہیں ہر نقطہ توصیف اُس کا غنچہ نمط شگفتہ ہے اور روشنائی کتابت اس کی شب انجم کی طرح جوہر نما ہے ۔ مصرع :۔

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

فصل دوم انقلاب کے بیان میں | انقلاب زمانہ ع

یہ بے سبب نہیں خالی گھروں کے سناٹے　　مکان یاد کیا کرتے ہیں مکینوں کو

حق سبحانہ تعالےٰ جل وعلیٰ نے اپنی صفت کاملہ سے اس چمنستان دیار

ناپائدار میں جملہ مخلوق کو نیستان عدم سے گلستان وجود میں خلق کر کے
گل حیات مستعار کو داغ بیم ممات سے ہم پہلوئے خار کیا :۔ اشعار

جہاں را ہر گلی بر نوک خار است　　خزانے در پئے ہر نو بہار است
وصال غنچہ بے خار جفا نیست　　چراغ لالہ بے باد فنا نیست
جہاں گر گنج دارد مار با اوست　　وگر خرما نماید خار با اوست
گر از وے لطف جوئی قہر یابی　　وگر تریاک خواہی زہر یابی
نہ سروے در چمن بینم نہ شمشاد　　کہ او از ارہ دہر است آزاد

اس دیار ناپائدار کا کیا اعتبار کوئی شجر اس چمن مستعار میں ایسا نہیں
جس کی بیخ منقطع نہ ہو اور کوئی نہال تازہ اس چمن ناپائدار میں ایسا
نہیں جس کی بہار حیات خزاں ممات سے مبدل نہ ہو اور کوئی سرو
اس تختہ عارضی پر ایسا نہیں ہے جس کی شاخ بار ہلاکت سے برسر خاک
خم نہ ہو۔ شعر :۔

کدامی سرو را دادا و بلندی　　کہ بادش خم نکرد از دردمندی

خالق ارض وسما وصانع بے چون وچرا نے بعطائے حیات خلعت
جملہ مخلوقات کو پردہ غیب سے میدان شہود میں لاکر باد فنا و زوال سے
مطمئن نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ کسی نبی و وصی و رسول و ولی و ہادیان دیں
و پیشوایان شرع متین کو بھی دولت قدم سے مستغنی نہ کیا اگر گوہر بقا
مرحمت ہوتا تو ہمارے پیغمبر دُر دریائے رسالت و گوہر درج نجابت
جناب سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ملتا ؎

⁂ ہم کیا رہینگے جب نہ رسولؐ خدا رہے ⁂

اس حیرت کدہ سرائے فانی میں کوئی شئے ایسی پیدا نہیں ہوی کہ ایک حالت پر رہے ۔ ہر شخص کو لازم ہے کہ ہمہ وقت رجوع قلب بطرف رب العالمین رکھے اور خواب غفلت اور غرور سے ایاغ دماغ کو خالی کرے۔ کیسے کیسے شخص اس چمن فانی سے باغ جاودانی کو راہی ہوگئے ۔ خاقان و وامیر وسلطان ووزیر ونشی و دبیر وغنی و فقیر وقوی وضعیف وضیع و شریف وناقص وکامل وعالم وجاہل وعاقل وغافل وزاہد وفاسق غرض کہ سوائے فنا کسی کو بقا نہیں ہمہ وقت ملحوظ رہے :۔ شعر

در بارگاہِ حشر چہ سلطان چہ بینوا ۔۔۔ بر آستانِ مرگ چہ دربان چہ بادشاہ

فلک کی کج ادائی زمانہ کی بیوفائی مشہور ہے ۔ اس دار ناپائدار کی نیرنگی فلک کج رفتار کی سرہنگی بدستور ہے ۔ شعر

دو رنگی زمانہ کی مشہور ہے + کبھی سایہ ہے اور کبھی نور ہے

اس زمانہ کو ایک دم آرام نہیں انقلاب ایام و اختلاف صبح وشام سے ظاہر ہے ۔ شعر

بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم + دگرگون می شود احوال عالم

جو اشخاص شہنشاہ ہفت اقلیم صاحب گنج و خزانہ و والئی تاج وتخت تھے اب وہ یک لخت بے چارے بدبخت گردش کے مارے ایک نان شبینہ کے محتاج ومبتلائے بلاء حرمان اور وادئی غربت میں سرگردان ہیں ۔

قطعہ

چشم عبرت بین کشا و حال شاہان رنگر ❊ تا چنان از گردش گردون گردان شد خراب
پردہ داری میکند بر طاق کسریٰ عنکبوت ❊ چغد نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

شعر

پاؤں تھراتے تھے جن کے سامنے جاتے ہوئے ❊ کاسۂ سر ان کے دیکھے ٹھوکریں کھاتے ہوئے

اور جو اشخاص اُمرا و وزرا صاحب تدبیر عدیم النظیر مشاہیر روزگار تھے اب وہ مثل فقیر ہر کس و ناکس کی نظر میں حقیر بے توقیر کوبکوہ بدہ شہر بشہر پیادہ پا بلا سواری بہزار ذلت و خواری تلاش معاش میں بعالم بیکاری بحال ناچاری حیران و پریشان ہیں ۔ اللہ العظیم جل شانہ وجل جلالہ یہ مقام دنیا عجب عبرت کدہ ہے ۔ شعر :۔

عجب طرح کی یہ دنیا سرائے فانی ہے ❊ مقام عبرت و حیرت کی یہ نشانی ہے

انقلاب روزگار مشہور ہے کمال کو زوال ضرور ہے ۔ شعر :۔

چو آفتاب بہ نصف النہار یافت کمال ❊ مقرر است کہ روے بہ بھوبے زوال

اختصار ملحوظ ہے پچھلوں کا افسانہ منظور ہے ۔ گلشن اقبال و چمن جاہ و جلال سادات عالی درجات ساکنان امروہہ پر باد زوال عرصہ زاید سو برس سے موثر ہے مگر ۱۲۷۳ ہجری تک اس روشن پر نیرنگی چمن سادات رہی کہ اکثر تختہ ہائے گلزار ہزار بہار شگفتہ گل بصد ناز و تجمل سرسبز و شاداب تھے ۔ و بعض تخت ہائے گلشن پژمردہ برنج و محن گرمی ہوائے مخالف سے مرجھائے کملائے اُداس بے حواس تھے ۔ لیکن اس کے بعد ایک ایسی باد تند عالمگیر پر تاثیر برہم زن جوان و پیر چلی کہ جس کے اثر سے عقل و ہوش

ہرکس و ناکس کے زائل ہوگئے اور کل زمانہ کی کیفیات وحالات برعکس ہوگئے - اب یہ حال ہے کہ جو شخص امیر وکبیر صاحب تدبیر تھے وہ بے چارے فقیر وحقیر ہر طرح سے بے توقیر ہیں اور اشخاص زمیندار و معافی دار اور تعلقدار رئیس صاحب اقتدار مشاہیر روزگار تھے وہ اب خراب و برباد بعالم ناداری لاچار ہیں - اور جو لوگ خدمتگار کارندہ و مختار و شحنہ و دوکاندار تھے اب وہ زمیندار معافیدار رئیس نامدار ہیں چنانچہ اسی طریقہ سے اکثر قضیہ منعکس ہوگئے - شعر - میر انیس لکھنوی -

مکان رہے نہ مکین طرفہ کارخانہ ہوا ✣ زمین الٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا

شعر مصحفی امروہی :-

اے مصحفی میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو ✣ بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

اور اگر کوئی باوقعت باقی بھی ہے تو اس کی یہ حالت ہے - شعر :-

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ✣ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

نیرنگی زمانہ نے اب ہمارے قلوب پر وہ اثر ڈالا ہے کہ شاید رسم ورواج وتہذیب واخلاق وعادات جو اس وقت تک جاری ہیں وہ تھوڑے دنوں بعد مثل رخصت برات رخصت ہو جائینگے - نظر غور سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ سلاطین ماضیہ کے عہود کی جتنی باتیں تھیں وہ اب بالکل موقوف ہوکر خواب وخیال ہوگئیں - بلکہ اس وقت کی عبارتوں کے سمجھنے کے لیے جو الفاظ مختص المحاورہ وقت تھے ان کے معنی بلا استفسار خاص معلوم نہیں ہوتے ہیں جب کہ ہم اس حالت کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے

ہیں تو کب اُمید اس قسم کی ہوتی ہے کہ بعد آنے والوں کو وہ حالات جن کا
بہت تھوڑا حصّہ ہم تک سینہ بسینہ پہنچا ان تک پورا پورا پہنچے نہیں نہیں
ہرگز نہیں اب ہم پر جو امر فرض ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی ان چھوٹی ٹوٹی
نیک نامی کی دیواروں کو جن کو ہمارے بزرگوں نے اپنی جانوں کے صلہ میں
بنا کیا تھا اپنی قوت اپنی طاقت کی بموجب جہاں تک ممکن ہو سکے قائم رکھیں
تاکہ آئندہ کے واسطے ان کے نام نامی صفحہ روزگار پر قائم رہیں (تواریخ واسطیہ)

شمالی ہند کے مختلف مقامات میں سادات عظام آباد ہیں ازان جملہ تین مقامات کے سادات خاص طور پر مشہور چلے آتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور خاندان باعتبار اپنی کثرت تعداد و اقتدار کے سادات بارہہ کا ہے۔ اس خاندان کے بعض افراد کا نام سلطنت مغلیہ کی تاریخ میں خاص طور پر مشہور و معروف ہے۔ یہاں تک کہ سلطنت مغلیہ کے دور آخر میں اسی خاندان کے دو بھائی حسن علی خاں و عبداللہ خاں بادشاہ گر کے لقب سے مشہور رہیں۔ دو باقی خاندان جو زیادہ مشہور ہیں امروہہ و بلگرام کے ہیں ان دونوں خاندانوں میں بھی امارت و ریاست و علم و فضل زمانہ دراز تک رہ چکے ہیں اور اب اس دور انحطاط و کس پرسی میں بھی بعض بعض قابل قدر ہستیاں ان میں نظر آجاتی ہیں۔ اس مقام پر ایک آزاد اور غیر جانب دار عہدہ دار سرکاری کی رپورٹ سے آزاد رائے کا نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا مسٹر اسمتھ سٹلمنٹ افسر نے ۱۸۷۷ء عیسوی میں تفصیلی رپورٹ امروہہ کے حالات کی مرتب کی تھی جس کا ترجمہ صاحب واسطیہ نے درج کیا ہے وہیں سے ایک حصّہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے :—

یہ بات ضروری ہے کہ اکبر سے بہت پہلے سید ایک جماعت تھے اور ہندوستان کے اہل اسلام میں ایک عمدہ جماعت خیال کیے جاتے تھے۔ آئین اکبری میں امروہہ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ یہ پہلے بہت بڑا قصبہ تھا اب سرکار سنبھل کے تعلق میں ہے اس کے سید مشہور خاندانوں میں سے ہیں۔ مختلف اخبار سے جو نتیجہ میں نکال سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ اکبر کے وقت میں امروہہ کے سید بارہہ کے سیدوں سے دوم درجہ پر خیال کیے جاتے تھے۔ مجھ کو انہیں کاغذات سے اس کا ثبوت ملتا ہے اگرچہ حسب و نسب بارہہ کے سیدوں کا بہت مشتبہ ہے ان کی جنگی قوت سے ان کو امروہہ کے خاندان پر ترجیح تھی بارہہ کے سید اپنی بنیاد ابوالفرح واسطی سے بیان کرتے ہیں اور امروہہ کا خاندان سید شرف الدین واسطی سے ..... یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سید شرف الدین نے سیدوں کو ساتھ لے کر تگون کو زیر کیا تھا جن کے قبضے میں اس وقت تک امروہہ تھا۔ تگون کی طاقت کو زوال ہوتے ہی سیدوں کی طاقت شروع ہوئی۔ اعلیٰ مرتبہ جو کہ سیدوں کو اپنے پیشوا (مورث) کے۔ بیٹے کی شادی ایک شہزادی کے ساتھ کرنے سے حاصل ہوا تھا اور تنگوں کے زیر کرنے میں جو خدمات کہ انہوں نے کی تھیں ان کی وجہ سے ان کو معافیات حاصل ہوئیں جن میں کی ہنوز باقی ہیں۔ سیدوں کی عمدہ حالت شروع ہونے کی بنیاد کچھ ہی کیوں نہ ہو ان کو بہت بڑے عطیات دیے گئے تھے ممکن ہے کہ خلجی اور تغلق کے زمانہ میں کیونکہ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے وہ اکبر کے زمانہ میں ہندوستان کے بڑے رؤسا میں گنے جاتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ شہر امروہہ کو تاریخ ہند میں کوئی خاص تاریخی اہمیت تو حاصل نہیں ہوئی لیکن صاحبان علم و فضل و اولیاء کرام ہمیشہ سے اِس مشہور بستی میں ہوتے آئے ہیں۔ سب سے اول ہم بعض اولیاء اللہ و بزرگان دین و مشایخ عارفین کا حال جو سرزمین امروہہ میں آسودہ ہیں یہاں کتب تواریخ سے نقل کرتے ہیں:۔

صاحب آئینہ عباسی نے اولیاء کاملین امروہہ کا حال مختصر مگر جامع تحریر فرمایا جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:۔

اول و اقدم و اسبق ایشاں جناب ولایت مآب **سیّد شرف الدین شاہ ولایت** خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بہت آدمی آپ سے فیض یاب ہوئے اور اکثر کرامات آپ کی کتب سیر میں مندرج ہیں آپ کی درگاہ شبانہ روز زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ بچھو اندر حصار درگاہ بلکہ درگاہ کا بچھو اور جگہ لے جاؤ جب بھی نہیں کاٹتا آپ نے سلسلہ جناب باری سے چاہا تھا امتناع ہوا آپ نے بیعت اپنے خاندان میں موقوف کردی۔ **سیّد گنج رواں** اول صاحب ولایت یہاں کے تھے۔ زیارت نوبت خانہ میں ہے۔ اولاد عثمان پور میں ہے۔ جناب **سیّد نصیر الدین غوری** ان کا مزار جانب غرب امروہہ کنارہ بانسدیو تالاب پر ہے۔ اپنے وقت میں یہ صاحب ولایت تھے۔ جب سیّد شرف الدین تشریف لائے حضرت ممدوح صاحب ولایت ہوئے۔ حضرت بہاء الدین زکریا کے خلیفہ ہیں۔ اور ذیرہ مولانا بدر الدین اسحاق خلیفہ گنج شکر اولاد نوگیان ہیں۔ **سیّد عز الدین** یہ جناب بڑے کمل اولیا سے ہیں معلوم نہیں کہ جناب

سید صاحب کے پیر بھائی ہیں یا سید صاحب سے استفادہ اٹھایا۔ ان کے
ہاں ..... ان کا مزار جانب جنوب شاہ ولایت ہے۔ حاجی حرمین
شریفین اور ان کی والدہ کاملین سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سید غزالدین صاحب
کے خلیفہ ہیں۔ منجملہ مجاہدوں کے والدہ ضعیفہ کو کندھے پر لے کر حج کو گئے
تھے۔ اور کبھی پشت بیت اللہ کو نہ کی اُلٹے پھرے ہیں۔ زیارت ان کی
مشہور ہے بڑے صاحب جلال و تصرف ہیں۔ اور چند شہدا اندر شہر کے
آپ کے قرب و جوار زمانہ سابق کے محلہ چکلی اور قصابوں میں ہیں۔
شاہ عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ تین سو برس ہوئے شاہ ولایت
میں رہتے تھے۔ قطب وقت تھے بڑے صاحب تصرف قریب عیدگاہ
ان کا مزار شریف ہے بہت شخصوں کو فیض ہوا۔ **شاہ علاول** صاحب
جن کی زیارت گوشہ جنوب اور مشرق ان کی زیارت کے واقع ہے۔ **شاہ گھاسی**
جن کی زیارت مع احاطہ و باغ مشہور ہے۔ اور **شیخ عبدالحکیم** جن کی زیارت
روبروے مقبرہ صحن مسجد میں ہے۔ آپ کے خلفا سے ہیں سب کے
سب کامل الوجود وحید العصر تھے رحمۃ اللہ علیہم ــــ **شیخ عبداللہ** معروف
بہ شیخ ابن امروہہ سے خدا کی جستجو میں نکلے اور شیخ احمد نام مجذوب سے
صحبت اٹھائی۔ ایک دن شیخ احمد نے فرمایا کہ حضرت نے تم کو دہلی جانے کی
بشارت دی ہے۔ جس منزل میں جاتے ایک شیخ احمد کو پاتے۔ دہلی میں بھی ایک شیخ احمد
ملے اور ان کے ذریعہ سے خدمت شیخ علاء الدین صاحب چشتی میں کہ فیل مست ان کو
کہتے تھے پہنچے اور مرید ہوئے اور بہت کچھ حاصل کیا۔ پھر پیر نے فرمایا کہ اکبرآباد کو جاؤ۔

ہرچند انکار کیا پھر ارشاد ہوا جب اکبرآباد گئے شیخ علاول از بلاول مجذوب صاحب حال تھے انہوں نے کہا کہ دو تلواریں ایک نیام میں نہیں رہتیں - وہاں سے امروہہ چلے آئے اور سلوک طریقت کا قبول کیا اس میں جذبات الٰہی نے پکڑ لیا اور بڑے سالک مجذوب ہوئے - باوجود اس قدر جذب کے کبھی کوئی امر خلاف شریعت نہ ہوتا تھا - اور بہت کرامات ظاہر ہوئیں اور ہزارہا مرید ہوئے اور فائدہ اُٹھائے - پندرہویں ذالحجہ ۹۹۳ھ ہجری یا ۹۹۵ھ ہجری میں وفات پائی - تاریخ مشہور ہے (آہ - آہ - از شیخ ابن آہ آہ) اور **شیخ نورصاحب** صاحبزادہ کلاں بسا مرد بزرگ و صاحب حال تھے - وقت سماع کے پیرہن ان کا سینہ پر سے جل جاتا تھا - خدمت صدارت سنبھل اور امروہہ اور مقامات اس کے ان کے تھے مقبرہ شیخ ابن گوشہ جنوب اور شرق امروہہ مشہور اور مزار شیخ نور بھی وہیں ہے - مخدوم عالم و غوث عالم فرزندان شیخ نور ہیں - صاحب سجادہ بڑے صاحب کمالات تھے لکھوکھا مرید اسی خاندان میں تھے - اور ایسا ہجوم عرس میں ہوتا تھا کہ اس ملک میں نہیں ہوتا تھا اب کوئی اس خاندان میں صاحب حال و قال نہیں رہا - صاحب علم و دول چند صاحب ہیں **سیّد شاہ گدا** صاحب بڑے کامل الوجود اولاد حضرت محبوب سبحانی ہیں مزار شریف ان کا تالاب کینٹیہ کے قریب واقع ہے **سیّد منعم - وسیّد نتھو و شاہ عبداللہ** جوگ ان کے مزارات جانب جنوب شہر بکنار تالاب نتھو والی واقع ہیں - **حکیم شہید** عباسی ہمارے دادا ہیں بڑے صاحب جلال ہیں تین سو برس ہوئے ان کا

مزار باغ انبہ موسوم شہید والے میں ہے۔ **مبارک شہید** شہداء سلف سے ہیں مزار ان کا جانب جنوب برلب سڑک ڈہکہ واقع ہے **بھورے خاں شہید** یہ بھی بڑے صاحب جلال ہیں ان کا مزار جانب مشرق برلب آب جول واقع ہے۔ **سیّد اللہ داد** مزار ان کا مراد آبادی دروازہ برلب سڑک مراد آباد واقع ہے بڑے صاحب علم و کمال تھے۔ کتب تاریخ میں ان کا ذکر مندرج ہے۔

سید ابراہیم شہید شہداء میں سے ہیں بڑے صاحب تصرف تھے مزار شریف ان کا جانب شمال برلب سڑک تاجپور واقع ہے۔ **شاہ عبدالہادی** صاحب بڑے بزرگ صاحب تصرف تھے درگاہ ان کی امروہہ سے شمال میں ہے۔ معروف و مشہور ہیں ان کے گھر میں تعلیم چلی آتی تھی۔ اب میاں غلام مصطفیٰ صاحب و حکیم رحیم اللہ صاحب ان میں ہیں۔ **شاہ رحمت اللہ** صاحب بڑے بزرگ کامل تھے مزار ان کا جانب غرب متصل قریشیان واقع ہے۔ **سیّد عبدالغنی** صاحب ہنگام آمد سکھوں کے یہاں کے صاحب خدمت تھے بڑے کامل الوجود محافظت امروہہ کی کرتے یعنے یہ فرماتے تھے کہ یا فقیر نہیں یا شہر نہیں چنانچہ بعد رفع فساد سکھوں کے انتقال فرمایا محلہ ملوں پر برلب سڑک دہلی مزار ہے۔ **شاہ پناہ صاحب** بڑے مجذوب کامل تھے۔ صدہا کرامات بیان کرتے ہیں متصل شاہ عبدالغنی صاحب برلب سڑک دہلی زیارت واقع ہے۔ **حاجی غلام علی** صاحب خلفائے جناب حافظ موسیٰ صاحب چشتی صابری بڑے صاحب مجاہدہ تھے اور

ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ صدہا آدمیوں کی ذات کو فیض ہوا محلہ جلیہ پر
برلب سڑک دہلی ان کی زیارت مشہور ہے جناب **سید مولوی رمضان علی صاحب**
مجاہد بڑے صاحب تقویٰ و عزم تھے جیسے علماء دین ہوتے ہیں۔ مزار قریب
حاجی صاحب کے ہے۔ جناب **سید مولوی امانت علی** صاحب خلیفہ
حافظ موسیٰ صاحب کے ہیں۔ بڑے صاحب تقویٰ و زاہد کامل الوجود تھے
اس زمانہ اخیر میں چشتیوں میں ایسا صاحب تقویٰ میں نے نہیں دیکھا صدہا
آدمیوں کو فیض ہوا۔ اُن کا مزار جانب غرب متصل شاہ عبد الغنی صاحب کے
واقع ہے۔ اب ان کے بیٹے مولوی سید انوار الحق و حافظ اسرار الحق و ابرار الحق
سلمہ اللہ تعالیٰ بڑے لائق و فائق موجود ہیں۔ **صوفی رحیم اللہ** اور
سید نور علی جڑودی بڑے صاحب حال اور قال تھے۔ بہت بزرگوں
کی خدمت کی تھی جناب **مولوی سید عبد الحی** صاحب نقشبندی مجددی
بڑے صاحب تقویٰ جناب قبلہ و کعبہ شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
کے خلفا سے تھے۔ محلہ ملانون میں مسجد بڑیگہ میں مزار ہے۔ جناب
مولوی سید امام الدین صاحب بھی خلفاء جناب شاہ صاحب ممدوح
رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں۔ بڑے متقی متوکل گوشہ نشین تھے بڑا فیض ان سے
ہوا مزار ان کا تکیہ شاہون میں لب سڑک حسن پور کے واقع ہے۔ مولوی
سید شاہ ضیف اللہ صاحب یہ بھی نقشبندی مجددی تھے خلفائے
جناب شاہ صاحب موصوف قدس اسرارہم حافظ سید مہربان علی صاحب
جناب مولوی سید امام الدین صاحب کے خلیفہ ہیں بڑے متقی اور متوکل

لطف سننے قران شریف کا آپ کی زبان سے ہے ۔ سلمہ اللہ تعالیٰ حکیم محمد عنایت اللہ و حکیم محمد کفایت اللہ ان کے مرید تھے ۔ جناب شاہ امین اللہ صاحب بڑے صاحب مجاہدہ و تقویٰ و کمال تھے ۔ ان کے والد کو کہ جناب شاہ احسان علی نقشبندی کے خلیفہ تھے ۔ مشہور بشوق الٰہی میاں پناہ شاہ مجذوب نے بشارت دی تھی کہ بیٹا شوق الٰہی گھر کو جاؤ تمہارے لال ہوا ہے مگر لال بھی لال ہی ہوا ہے ۔ علوم ظاہر میں بھی مشہور تھے ۔ تصوف سمجھتے تھے ۔ مزار ان کا مولوی صاحب کے جانب پا ہے ۔ اب ان کے صاحبزادہ محمد بہاء الدین صاحب خلیفہ جناب مرشدنا و مولانا مولوی عبدالرحمن شاہ جہان پوری نقشبندی مجددی صاحب مجاہدہ و تقویٰ ہیں ۔ اور لوگوں کو تعلیم فرماتے ہیں ۔ سلمہ اللہ تعالیٰ حافظ عباس علی خاں بڑے صاحب نسبت و مجاہدہ ہیں ۔ مولوی فخر الدین احمد عرف حکیم بادشاہ الہ آبادی قادری و نقشبندی مجددی کے خلیفہ ہیں (از نقل آئینہ عباسی)

صاحب تاریخ واسطیہ ان الفاظ میں اولیاء اللہ امروہہ کے حالات تحریر کرتے ہیں :۔

(فصل سوم بیان میں درگاہوں و مقبروں و روضوں کی کہ جو بزرگان دین و مشائخ عارفین کے قصبہ امروہہ میں واقع ہیں+) اوّل درگاہ جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ العزیز جانب غرب شہر سے بہت مشہور و معروف ہے ۔ روز پنجشنبہ کو صبح سے تا وقت شام اکثر ساکنان شہر

اہل اسلام وہنود وغیرہ بطریق زیارت وفاتحہ خوانی سواریوں میں اور پیادہ وہاں جاتے ہیں۔ اور بوقت شام اکثر دوکاندار شیرنی وغیرہ کی بھی بیرون احاطہ درگاہ موصوف دوکانیں لگاتے ہیں اور اہل شہر شیرنی مول لے کر ان کے مزار الطہر فاتحہ دے کر باہم تقسیم کرتے ہیں اور مجاوروں کو دیتے ہیں وہاں ہجوم مثل میلہ کے ہوتا ہے اور اکثر اشخاص اہل اسلام بروز جمعہ بعد نماز صبح وہاں جا کر فاتحہ خوانی کا معمول رکھتے ہیں۔ بلکہ اکثر اشخاص بطور چلہ کے ہر روز وہاں جاتے ہیں اور بہت آدمی مرقد اقدس پر جا کر تلاوت قرآن کرتے ہیں۔ یہ امر عظمت وجلالت مراتب جناب مخدوم ممدوح پر کالشمس فی رابعۃ النہار دلالت کرتا ہے کہ اندر احاطہ درگاہ شریف کے بچھو بکثرت ہوتے ہیں۔ اندر احاطہ درگاہ شریف کے دہ نیش زنی نہیں کرتے۔ اکثر اشخاص واطفال کف دست پر رکھے ہوئے اندر احاطہ کے لیے ہوئے پھرتے ہیں۔ انشاء اللہ صراحت اس کی بحوالہ کتب تواریخ ذکر فضائل جناب شاہ ولایت ممدوح میں عنقریب بوضاحت بیان ہوگی۔ اور اندر احاطہ درگاہ شریف کے مزار جناب مخدوم ممدوح کا ایک حودہ بنا ہوا ہے۔ اندر اس حودہ کے قبر جناب شاہ ولایت و نیز اس کے برابر جانب شرق قبر ان کی بی بی عصمت مآب مکرمہ ومعظمہ بی بی فاطمہ کی ہے۔ اور بیرون حودہ مذکور پائنداز جانب جنوب کو جناب شاہ ولایت کے بڑے بیٹے میر علی بزرگ کی قبر اور ان کی بی بی عصمت مآب کی قبر ہے اور ان دونوں قبروں سے پائنداز جانب مذکور کو قبر سید شرف الدین جہانگیر اور میر علی بزرگ بن سید شرف الدین شاہ ولایت اور ان کی بی بی معظمہ

قبر ہے۔ ان قبروں سے پانداز طرف مغرب بی بی نجوی بنت حضرت شاہ ولایت کی ایک قبر ہے یہ ناکتخدا تھیں ان کا انتقال حیات میں جناب شاہ ولایت ممدوح کے ہوا تھا۔ یہ بی بی بڑی باخدا زاہد و پارسا تھیں۔ ان کی عصمت و عظمت تمام شہر میں مشہور ہے۔ تمام شہر کی عورات خاص وعام ان کا بڑا اعتقاد رکھتی ہیں ان کی قبر پر بھی مثل مزار جناب ولایت مآب ممدوح تمام شہر کی عورات برائے حصول حاجت چلہ بندی کرتی ہیں۔ اور اکثر تقریبات شادی وغیرہ میں ان کی فاتحہ کے چاول ایک نئی تہال میں بہت احتیاط اور پرہیزگاری سے پکائے جاتے ہیں۔ غیر عورت یا کوئی مرد نزدیک اس تہال کے نہیں جاتے اور پرہیزگار عورات و پاک طاہر اس تہال کے چاول کھاتی ہیں۔ اور ایک دیوار چھوٹی مثل ٹٹی مزار جناب شاہ ولایت سے غرب کی جانب بہت نزدیک کو واقع ہے۔ زیر پشت اس دیوار کے سید راجی بن سید عبدالعزیز بن مخدوم شاہ ولایت کی قبر ہے۔ اور زیر دیوار شمالی اندر احاطہ درگاہ شریف کے چند مزار برابر ان صاحبوں کے واقع ہیں کہ ہمراہ جناب شاہ ولایت کے تشریف لائے تھے۔ اور متصل ہر دو دروازہ جنوب رویہ و مشرق رویہ ایک حجرہ قاضی سید خدادے عرف قاضی سونا برسن کا بنا ہوا ہے۔ پیش میں حجرہ مذکور کے دو قبریں ایک جناب قاضی صاحب موصوف کی دوسرے ان کی بی بی عظمت مآب کی واقع ہیں۔ اور نیز اندر احاطہ مذکور کے زیر پشت مسجد وزیر دیوار شرقی اولاد جناب قاضی صاحب موصوف کی قبریں ہیں۔ اور زیر جوتہ شمالی حجرہ مذکور ایک قبر شیخ معین الدین کی کہتے ہیں اور بیرون احاطہ

درگاہ موصوف کی جانب شمال مائل بغرب پیش دریچہ سید محمد ابدال بن سید عبدالعزیز بن مخدوم شاہ ولایت ممدوح عرف دو دہا دھاری کی ہے۔ سابق میں اس قبر کا احاطہ نہیں تھا۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ سید علی مظفر خاں بن سید امان علی خاں نے ایک احاطہ وہاں بنوایا ہے۔ اور اپنے بھی قبرستان وہاں کر لیے ہیں۔ چونکہ فی زمانہ کوئی تمیز و تخصیص درگاہ شریف میں باقی نہیں رہی اس وجہ سے بعض قبریں غیروں کی اور بعض سادات کی اندر احاطہ درگاہ شریف کے بلا احتیاط کسی امر کے ہوگئی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں۔ اور بیرون احاطہ درگاہ شریف کے ہزارہا قبور ہر چہار طرف سادات کی اور اکثر عوام الناس کی ہیں یکگز زیادہ تر بیرون احاطہ موصوف کی بھی قبریں اولاد جناب قاضی خدا دیئے موصوف کی ہیں اور عرس بھی جناب مخدوم شاہ ولایت ممدوح کا تین روز ماہ رجب میں ہوتا ہے ۱۹ تاریخ کی صبح سے ۲۱ تاریخ تک تا وقت شام بہت مجمع ہوتا ہے۔ خصوصاً تاریخ ۲۱ ماہ مذکور کو کہ یہ تاریخ وفات آنجناب ممدوح کی ہے۔ تین چار گھنٹہ دن سے آٹھ سات بجے شب تک تمام شہر کے سادات عظام و شرفاء کرام و دیگر جملہ خاص و عام کا بہت بڑا مجمع و میلہ رہتا ہے۔ ہر شخص علی قدر مراتب و حسب مقدرت ہر قسم کی شیرینی وہاں لے جاکر بعد ادائی فاتحہ تقسیم کرتا ہے۔ اس میں سے درگاہ شریف کے مجاوروں کو بھی دیتا ہے۔ بلکہ بعض اشخاص مجاوروں کو وہاں کے کسی قدر نقد بھی اس روز دیتے ہیں۔ اور دوکانیں شیرینی کی تواریخ مذکور میں وہاں بہت ہو جاتی ہیں بکثرت شیرینی وہاں کے دوکانداروں کی فروخت ہوتی ہے۔ مگر یہ عرس جناب شاہ ولایت کی

اولاد میں سے و دیگر سادات میں کوئی نہیں کرتا سوائے سادات کے اور لوگ کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک تاریخ میں مجاور اس درگاہ کے جو کچھ اہتمام روشنی ونوبت وغیرہ کا ہوتا ہے کرتے ہیں۔ دوسری تاریخ میں بڑہ تلے والے کایست صرف معمولی روشنی وغیرہ کا کرتے ہیں۔ تیسری تاریخ میں تمام شہر کے قصاب سوائے صرف معمولی کے چاول مثل پلاؤ کے پکوا کر وہاں تقسیم کرتے ہیں سوائے اس کے اور دیگر عوام الناس بھی تاریخ مذکور میں ایسا عمل کرتے ہیں اور تاریخ ۲۱ مذکور کو اکثر حفاظ شہر بعد نماز مغرب بقل پڑھتے ہیں بعد قل پڑھے جانے کے کل مجمع وہاں کا برخاست ہوجاتا ہے انشاء اللہ فضایل حمیدہ وخصایل جلیلہ مع ثبوت وحوالہ کتب تواریخ ایک جدا فصل میں عنقریب بیان ہونگی فقط۔

دوسرے درگاہ **سید اعزالدین** صاحب کی سامنے درگاہ سید شرف الدین شاہ ولایت کے جانب جنوب کو واقع ہے۔ اور جس کے محاذ میں شرق کو حاجی حرمین کا مزار ہے۔ بعض مورخین نے اسم شریف ان کا سید عبدالعزیز بھی لکھا ہے۔ چنانچہ کتاب مقاصد العارفین کہ جو شیخ عضدالدین امروہوی بن شیخ چاند بن شیخ عیسیٰ ہرگامی نے سنہ گیارہ سو گیارہ میں تصنیف کی ہے۔ اس میں اسم شریف ان کا سید عبدالعزیز تحریر ہے اور صاحب تاریخ اصغری نے بھی اپنی کتاب میں ان کا نام موافق مقاصد العارفین کے تحریر کیا ہے۔ اور صاحب مقاصد العارفین نے حالات سید عبدالعزیز میں یہ عبارت بزبان فارسی تحریر کی ہے:۔ مخدوم چون اول نار بامروہہ برتودۂ ریگے بایستاد وگفت درین جا بوئے یگانگی می آید ایں تودہ را درکنید بموجب امر ریگ آن جا

واکردند قبرے برآمد سر در مراقبہ فرو برد و در عالم سکر رفت چون بصحو باز آمد
فرمود کہ درین قبر قطب العالم سید عبد العزیز قدس سرہ کہ یکے از خلفاء شیخ
ماست بطریق سیر درین جا رسیدہ بقضائے الٰہی شربت اجل چشیدہ سید
قدس سرہ صاحب مقامات عالیست و کرامات کاملہ دارد انچہ کسے را دوازدہ
ماہ ازمن حاصل شود درین جا بچہل روز حاصل آید - ہر چند سید من بولایت
این دیار ماموز نیست الا ہر کہ بزیارت ما آید زیارت سید را مقدم خواہد داشت
انتہیٰ بلفظہ اور کتاب اسراریہ کہ جو ۹۵۰ھ ہجری میں سید محمد کمال بن سید لال
ساکن سنبھل نے جو اولاد سید شرف الدین شاہ ولایت سے تھے تالیف کی ہے
اس میں اسم شریف آنجناب ممدوح سید عزیز الدین بحوالہ کتاب ثمرات القدس
تحریر ہے - پس صورت مرقومہ میں کتاب مقاصد العارفین سے کتاب اسراریہ
بارہ برس پہلے مستند ثبوت ہو لہٰذا مولف نے نام سید عزالدین مطابق اسراریہ کے
تحریر کیا ہے - یہ حکایت بحوالہ کتاب ثمرات القدس کتاب اسراریہ میں منقول ہو اور عرس
سید عزالدین ممدوح کا تاریخ یکم شوال بروز عید الفطر بڑے والے کا یست ہر سال کیا کرتے ہیں
فقط تیسرے مزار **قاضی سید عبد اللطیف** صاحب کا درگاہ شریف مخدوم سید شرف الدین
شاہ ولایت کے سامنے جانب شرق واقع ہے - کتاب اسراریہ میں بحوالہ ثمرات القدس و نیز کتاب
مقاصد العارفین میں خوارق عادات قاضی صاحب ممدوح کا مذکور ہے - نقل عبارت کتاب اسراریہ ہے:-
(در ثمرات القدس مے آرد کہ قاضی عبد اللطیف امروہہ از ملک واسطی است
قضی القضاۃ است و از فحول علماء روزگار خود بود - چون در ہندوستان
اُفتادہ دست ازان منصب باز داشت و روئے بعبادت حق تعالیٰ آورد

وبمرتبہ کمال است چون حیات وے مختصر گردید بناشی راکہ در امرو ہہ
مشہور بود طلب داشت وبرابر بہائے کفن خود می داد وگفت زنہار
گرد قبر من نگردی وے این معنی راقبول نمود بعد ازان کہ وفات یافت و
ویرا بگور کردن آن بناش را قوت طامعہ درحرکت آمد وعہد خود فراموش
کرد ورفت وقبر وے بکند چون دست دراز کرد وخواست تا کفن برگیرد
وے دست ویرا بگرفت این بے چارہ از ہیبت در ساعت جان داد۔
صاحبش دید کہ دست وے درون است وخود بیفتاد مردم جہد جہد کردند
کہ دست وے را خلاص کنند نشد این خبر بہ سید شرف الدین جہانگیر کہ
ذکر وے انشاء اللہ آید رسید بر سر قبر وے بایستاد وگفت قاضی را نباید
کہ باین ہمہ خود را ظاہر سازد کہ شرط این راہ نیست دست ویرا بگزار
خدمت ویرا در خواب دیدم کہ می فرمودند کہ نباشش را در جوار من
دفن نمائید کہ اللہ تعالےٰ ویرا بیامرزد۔ فرمود ہر کہ بزیارت
ما آید اول زیارت قبر وے نماید۔ اکنون قبر وے بجانب پائین اوست)
ونیز کتاب مقاصد العارفین میں قاضی صاحب ممدوح کو خلیفہ دوم جناب
مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت کا لکھا ہے۔ بطور نقل انتخاب عبارت
کتاب مذکور یہ ہے :۔

(خلیفہ دوم سید عبد اللطیف است لقب وے قاضی است مقام عالی
داشت صاحب کرامت بود خارق عادات او بیشتر اند یکے از خوارق
اوست چون وفات یافت ہم دران قصبہ بفاصلہ یک پرتاب تیر از

درگاہ مخدوم اورا دفن کردند دزد ے درآمد نیم شب گورش کندید چون
نزدیک رسید کہ دست بکفن دراز کند و بکشد لاش آن بیدار باطن بظاہر
بیدار شد و دست دزد گرفت و بخفت دزد از ہیبت او بمرد چون روز
درآمد مردم جمع آمدند و این ماجرا معائنہ کردند و دزد را از دست خلاص کردند
و قبرش ترتیب دادند۔ آوازے از قبر شنیدند کہ این دزد را پائین ما دفن
کنید و ہر کہ بزیارت ما آید اول زیارت وے کند کہ دست وے بگرفتہ ام
ہمان جا دفن کردند)

چوتھی درگاہ شیخ عبد المجید کی ہے۔ یہ مقبرہ سامنے عیدگاہ کے شرق
کی طرف اور مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت کی درگاہ سے غرب کو
واقع ہے۔ نیز ان کا بھی ذکر کتاب اسراریہ اور مقاصد العارفین میں
بصراحت درج ہے۔ تاریخ رحلت ان کی اسراریہ میں شب یاز دہم
ربیع الآخر ۸۴۵ھ ہجری لکھی ہے۔ اور مقاصد العارفین میں وفات ان کی
یازدہم ربیع الثانی ۸۴۵ھ ہجری تحریر ہے۔ پانچویں مقبرہ جناب
سید عبد الحکیم صاحب کا کہ جو اولاد جناب میر علی بزرگ بن مخدوم
سید شرف الدین شاہ ولایت سے تھے۔ جنوب کو درگاہ شاہ عبد المجید سے
ملا ہوا ہے ان کا بھی ذکر کتب مذکورہ میں بصراحت لکھا ہے لیکن
مقاصد العارفین سے کسی قدر عبارت کا انتخاب کر کر بطور خلاصہ تحریر
کیا جاتا ہے وھوھٰذا (نقل است درحرم سہ روز متواتر قوت نیافت و
درون حجرہ قدم بیرون نکشید۔ شب چہارم شریف مکہ حضرت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ را در خواب دید کہ می فرماید فرزندم سید عبد الحکیم ہندی
از سہ روز گرسنہ نشستہ پیش وے برود و تواضع کن وطعام بوے رسان
چون بیدار شد در حرم آمد و ندا کنان می گفت کہ فرزند رسول سید عبد الحکیم
ہندی کجاست سہ بار بر در حجرہ او گشت و ہیچ جوابش نداده بار چہارم لاچار
گفت عبد الحکیم ہندی یکے منم شریف بتواضع در پیش آمد و کیفیت خواب
نقل نمود گفت کسے کہ آنجناب عالی بالطاف یاد فرماید شاید آنکس دیگرے
باشد چون دیگر آنجا نبود شریف باوے گردید و خدمت وے طاعت دید
فضائل میر بروے کشف گردید رفتہ رفتہ این خبر بسمع عام افتاد و مردم
بر و ہجوم کردند و بہ نیاز بسیار آمدن گرفتند و شہرت وے تا مدینہ رفت
بعد زیارت حرمین شریفین شوق زیارت مزار شیخ قدس سرہ بر دلش غلبہ
کرد۔ بہ ہندوستان مراجعت فرمود بوطن رسید) اور کتاب مذکور میں تاریخ
وفات ان کی بست وہفتم ماہ ذالحجہ شب جمعہ ۱۰۷۸ھ ہجری تحریر ہے ان کے
عقب کوئی باقی نہیں رہا۔ چھٹی۔ درگاہ **سید نصیر الدین غوری** کی
متصل تالاب بالندیو کے بہت مشہور معروف ہے ان کی درگاہ میں حجر
گم شدہ پایا جاتا ہے۔ اس کا ذکر آیندہ کو بحوالہ ثبوت بیان فضائل جناب
مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت میں تحریر ہوگا۔ ساتویں **شاہ ابن کا**
روضہ شہر سے جانب جنوب واقع ہے۔ کتاب اسراریہ میں نام ان کا
شیخ عبداللہ معروف بشیخ ابن تحریر ہے۔ ونیز دیگر حکایت خوارق عادات
ان کی اور ان کے بیٹوں کی بطوالت درج ہیں۔ اور کتاب طبقات اکبری

میں منجملہ ذکر مشائخ ہندوستان کے فقط اس قدر تحریر ہے۔ شیخ ابن امروہہ اور کتاب شرح منتخب التواریخ مطبوعہ منشی نول کشور کے صفحہ ۴۱۳ پر یہ عبارت لکھی ہے۔ (شیخ ابن امروہوی یہ سالک مجذوب تھے اور باوجود جذبہ کے کوئی دقیقہ اتباع شریعت سے فروگذاشت نہ ہوا تھا خوارق ان کے بہت مشہور ہیں مرید بھی کرتے تھے) اور کتاب اسراریہ مذکور میں یہ مصرع تاریخ وفات میں ان کی تحریر ہے ع آہ۔ آہ از شیخ ابن آہ آہ۔ اور پانچ روز تک عرس بھی اولاد ان کی عمدہ طرح سے کرتی ہے فقط اٹھویں۔

شاہ اللہ داد کا مزار پانڈے کے باغ کے نزدیک جانب شرق شہر سے واقع ہے سابق میں وہاں ایک تکیہ تھا مگر صاحب تاریخ اصغری نے بحوالہ طبقات اکبری ان کا نام شاہ اللہ داد عرف ملا اللہ داد تحریر کیا ہے۔ حقیقت میں جن کا نام شاہ اللہ داد اور تکیہ مشہور ہے وہ اور تھے اور ذکر طبقات اکبری میں ملا اللہ داد تحریر ہے۔ وہ اور شخص تھے چنانچہ صفحہ ۳۹۱ پر بہ عبارت مختصر کتاب مذکور میں تحریر ہے۔ (ملا اللہ داد امروہہ مرد خوش فہم مشرب بود) جن کا یہ ذکر ہے ان کا مزار کسی موضع میں امروہہ کے واقع ہے ثبوت اس کے کتاب شرح منتخب التواریخ مطبوعہ منشی نول کشور میں صفحہ ۴۶۸ و ۴۶۹ پر ذکر علمائے عہد اکبری میں یہ عبارت تحریر ہے (مولانا اللہ داد امروہوی ملا اور مستعد خوش طبع بے قید شیرین سخن خوش صحبت ندیم پیشہ تھے۔ ظرافت اور علم مجلسی ان میں بہت تھا بادشاہی سپاہیوں کے زمرہ میں متعین تھے۔ کسی قدر اسباب

جمعیت انہوں نے اکٹھا کر لیا تھا۔ مصنف صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے
ان کو بہت محبت تھی۔ جب لشکر اکبر کا اٹک گنگ کو جاتا تھا نواحی سیالکوٹ
میں انہوں نے وفات پائی ان کی لاش کو وہاں سے لاکر نواحی امروہہ کے
کسی گاؤں میں جہاں کی آب و ہوا ان کو نہایت پسند تھی دفن کیا فقط)
و نیز کتاب مسطور میں صفحہ ۳۶۵ پر نسبت ان کی یہ عبارت مرقوم ہے۔
(سیالکوٹ سے تین کوس پر ملا اللہ داد امروہوی کا انتقال ہوا جب اکبر نے
نواح لاہور سے صادق خاں کو حکومت بکر پر نامزد کیا فقط) و نیز کتاب مذکور
کے صفحہ ۴۲۸ و ۴۲۹ پر انہیں ملا اللہ داد کا تذکرہ لکھا ہے۔ و نیز کتاب
اقبال نامہ جہانگیری میں واقع سال بست و ششم از جلوس جلال الدین
محمد اکبر بادشاہ تذکرہ ورود و موکب نصرت طراز بساحل دریائے سندھ میں
مجلد دیگر مجاہدان صف شکن کے انہیں مولانا اللہ داد امروہہ کا نام بھی
لکھا ہے۔ نویں **شیخ گھاسی** کا روضہ درگاہ سید عزالدین کے گوشہ شرقی
و جنوب میں واقع ہے۔ کسی قدر خلاصہ ان کا مقاصد العارفین سے نقل
ہوتا ہے وھوھٰذا (رئیس الاولیا میر سید عبدالحکیم قدس سرہ بود مناقب او
علوہ نوید خلیفہ سوم مجمع کمالات معنوی عارف معارف صاحب الشرع
ولوامتاز عشاق شیخ گھاسی قدس سرہ بود صاحب کشف خوارق بودہ و
بیشتر از میر سید عبدالحکیم قدس سرہ یافتہ و آخر عمر بمقامی عالی رسیدہ تاریخ
بست و نہم رمضان المبارک ۹۹۰ ہجری لاولد وفات یافت قبرو ے نیز
در امروہہ واقع است) دسویں **شاہ عبدالہادی** کی درگاہ شہر سے

شمال کی طرف واقع ہے۔ گیارہویں شاہ رحمت اللہ کی درگاہ متصل محلہ قریشی جانب غرب ہے۔ بارہویں پیر بخش صاحب کی درگاہ شہر سے شرق کو مراد آبادی دروازہ کے آگے واقع ہے۔ تیرہویں شیخ قطب صاحب کا مقبرہ شہر سے جانب شمال متصل احمد نگر کے ہے۔ برج اس کا بہت عمدہ اور خوبصورت بنا ہوا ہے۔ چودہویں۔ شہزادہ ابراہیم شہید کا مقبرہ جانب شمال شہر سے واقع ہے۔ سنا گیا ہے یہ مقبرہ احمد شاہ درانی نے ان کی قبر تلاش کر اکر تیار کرایا تھا۔ سوائے ان درگاہوں اور مقبروں کے اکثر مزار شہیدوں اور بزرگوں کے بیرون شہر واندرون شہر واقع ہیں تشریح بیان ان کا موجب طوالت ہے (تواریخ واسطیہ)

ان کے علاوہ بعض دیگر اکابر کے مزار بھی ہیں مثلاً درگاہ حاجی سلیمانؒ بادشاہی چبوترہ میں شاہ شکر اللہؒ کا مزار محلہ دستار سیاہ میں مزار حضرت شاہ پیرکؒ محلہ نیازیان میں مزار حضرت شاہ عضد الدین جعفریؒ محلہ نوگزہ میں۔ مزار حافظ عباس علی خاں صاحبؒ متصل روضہ درویش علی خاں مرحوم۔

ان کے علاوہ بعض دیگر اکابر کے مقبرے بھی امروہہ میں ہیں۔ مثلاً مقبرہ درویش علی خاں مرحوم ومقبرہ سید اسد اللہ خاں مرحوم عرف میر کلو وغیرہ وغیرہ۔

کوئی تاریخی عمارت امروہہ میں قابل ذکر موجود نہیں ہے۔ اب سے تین سو سال قبل میراں سید عبدالماجد نبیرہ سید محمد میر عدل نے قلعہ تعمیر کرایا تھا اور اس میں اپنے محلات وغیرہ بھی تعمیر کرائے تھے جو سب منہدم اور نابود ہو گئے۔ قلعہ کی دیوار کہیں کہیں سے ابھی باقی ہے۔ اور قلعہ کا شرقی دروازہ بھی قریب بانہدام باقی ہے۔

ضمیمہ ۴۰

دیوان سید محمود (نبیرۂ سید محمد میر عدل امیر اکبری)
کی امارت و ثروت کا آخری نقش

تلک آثارنا تدل علینا - فانظروا بعدنا الی الآثار

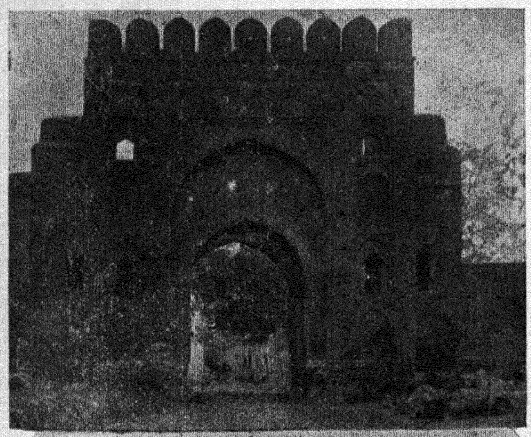

قلعہ دیوان سید محمود کا شرقی دروازہ (امروہہ)

اب تک تو قلعہ کا نام باقی ہے آیندہ شاید یہ بھی باقی نہ رہے
ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دور زماں پیٹ رہا ہے
(تاریخ امروہہ)

اس قلعہ کی تعمیر کا آغاز میراں سید عبدالماجد مذکور نے کیا اس کی تکمیل ان کے فرزند نامدار دیوان سید محمود نے کی اور یہ قلعہ اب تک قلعہ دیوان سید محمود کے نام سے موسوم ہے۔ دروازہ کی اندرونی کمان کے شمالی پایہ پر پتھر لگا ہوا ہے جس میں یہ عبارت کندہ ہے

اللہ اکبر

"در عہد سلطان عالی شان صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہاں غازی"
"خلد اللہ ملکہ سیادت مآب میراں سید عبدالماجد این قلعہ بنا نمود"

شد چو این قلعہ خرمی افزا — خوب مضبوط و خاص مستحکم
خواستم سالش از دبیر خرد — گفت بشمار قلعہ خورم

باہتمام بندہ کمال خاں خانہ زاد شہر رمضان المبارک سنہ ۱۰۵۲ھ [معماران]

صرف یہی ایک عمارت امروہہ میں ایسی ہے جسے کچھ تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اور جس سے اس کے بنانے والوں کی دولت و ثروت کا کچھ سراغ مل سکتا ہے۔ صاحب تاریخ امروہہ کے قلب پر اس قلعہ کے شکستہ در و دیوار دیکھ کر جو اثر ہوا خود انہیں کے الفاظ میں سنئے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

اس قلعہ کے آثار کی تلاش و جستجو میں ایک دن خاکسار مؤلف چلتا پھرتا تالاب کوٹلہ پر جا نکلا شکستہ بارہ دری میں آکر کھڑا ہوا تھا کہ چشم تصور نے ایک پر بہار منظر سامنے پیش کر دیا جو کبھی عہد شاہجہانی و عالمگیری میں واقعاً یہاں ہوگا عالیشان دیوان خانے۔ وسیع محل سرائیں۔ پر فضا باغ۔ آراستہ بازار۔ ہر طرف چہل پہل۔ خوشی و خرمی۔ وجیہ شکیل باشندے۔

مہذب و باوقار مجلسیں ۔ سنجیدہ مذاق علم و عمل کا چرچا ۔ اذان کا شور تکبیر کی آوازیں ۔ پھر یکایک پردہ ہٹا ایک نیا منظر سامنے آیا ۔ مکان بھی وہی اور مکین بھی وہی لیکن نہ وہ متانت نہ وہ سنجیدگی نہ وہ علمی چرچا ۔ دن رات عیش و عشرت کے جلسے ۔ یاران بادہ پیما کے جمگھٹے ۔ طبلہ و سارنگی کے شور ۔ قہقہوں کی آوازوں سے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے ۔ ابھی ابھی اس منظر کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھنے پایا تھا کہ ایک اور مرقع سامنے آیا ۔ اس کو دیکھ کر تو انسانیت شرمانے لگی اور شرم و حیا نے بھی نظریں نیچے کر لیں ۔ اتنے میں نہ وہ منظر تھا اور نہ وہ سماں میں تھا اور قلعہ کے شکستہ کھنڈر ہے

امروہہ کا باغ تھا کبھی یہ　　فردوس کا داغ تھا کبھی یہ
ہر غم سے فراغ تھا کبھی یہ　　پُر نور چراغ تھا کبھی یہ
اب تو فقط اک کھنڈر پڑا ہے　　اس گھر کو فلک بھی رو رہا ہے

یہاں سے آگے بڑھا چند شکستہ مکان نظر پڑے جو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا گلزار تھے گمراب ۔

ہیں مکان صورت شکستہ دلاں　　دو کھلے مثل دیدہ حیراں

غرض کہ قلعہ کے آثار قدیمہ ہیں اب صرف قلعہ کے دو دروازے اور فصیل کے چند ٹکڑے باقی رہ گئے ہیں جو دردمندوں کو آٹھ آٹھ آنسو رُلاتے اور سرائے فانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں ۔ کل جس جگہ نوبت بجتی تھی آج وہاں زاغ و زغن کا بسیرا اور بوم کا پہرہ ہے ۔

کل جہاں پر تھا بلبلوں کا ہجوم　　آج اُس جا ہے آشیانۂ بوم

کل جہاں پر شگوفہ و گل تھے　　آج دیکھا تو خار بالکل تھے

اب تک قلعہ کا نام باقی ہے آئندہ شاید یہ بھی باقی نہ رہے ؎

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر　　مدت سے اسے دورِ زماں پیٹ رہا ہے

(تاریخ امروہہ)

اس قلعہ کی تعمیر سے قبل کی چند عمارات امروہہ میں موجود ہیں مثلاً مسجد جامع کیقبادی محلہ سدو میں ہے۔ اور سدو کی مسجد کے نام سے موسوم ہے ۸۶۶ھ ہجری میں ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ نے اسے تعمیر کرایا تھا کتبہ ذیل اس مسجد میں پتھر پر موجود ہے۔

"امر ببناء هذه العمارت المسجد المبارکة فی عهد
دولة السلطان المعظم ظل الله فی العالم معز الدنیا
والدین المخصوص بعباد رب العالمین القائم بتائید
الرحمن ابو المظفر کیقباد السلطان خلد الله ملکه
وسلطانه العبد الضعیف الراجی الی رحمة الربانی
عنبر سلطانی فی الغرة من شهر المبارک رمضان
سنه ست وثمانین وستمائة"

۹۶۴ھ ہجری میں یہ مسجد شکستہ ہوگئی تو قطب الدین قتاق خاں حاکم امروہہ نے اس کی مرمت و تعمیر کرائی۔ ایک فارسی نظم اس تعمیر و ترمیم کے متعلق پتھر پر کندہ مسجد میں موجود ہے۔ جس کا آخری شعر تاریخی یہ ہے:۔

تاریخ ایں خجستہ بنا بر رواق چرخ　　کلک قضا نوشت بنائے قتاق خاں

اس کے بعد سید محمد میر عدل امیر اکبری نے ۹۸۱ھ ہجری میں اس کی

مرمت کرائی اور تعمیر میں بھی اضافہ کیا اس کے متعلق کتبہ ذیل مسجد میں پتھر پر کندہ ہے

بہ عہد اکبر غازی جلال دولت دیں	مدار ملک و ملل بادشاہ ظل اللہ
زمانہ خادم درگاہ اوست بے تکلیف	ستارہ بندۂ میزان اوست بے اکراہ
بنا نمود در امروہہ مسجد جامع	معزّ دین محمّد امیر خلق پناہ
سپہر مرتبہ سیّد محمّد عادل	کہ وصف او شدہ اورا خلق بگیتی گاہ
دلم چو نکتۂ تاریخش از خرد پرسید	جواب داد روان مصرع خوش دلخواہ
نگوز ہائے اخیر و بگوئے تاریخش	بنائے میر عدالت پناہ عالی جاہ

قائلہ و کاتبہ عارفی ۹۸۱ھ

اس کے بعد ۱۰۶۴ھ ہجری میں عام چندہ سے اس مسجد کی مرمت ہوئی۔ شیخ سدو کے میلے اس مسجد میں مدت دراز تک ہوتے رہے ہیں جس سے مسجد کا اصل مقصد وضعی فوت ہوا اور مسلمانان شہر نے ایک دوسری مسجد کو شہر کی جامع مسجد قرار دیا جو پانباڑی کی مسجد کے نام سے موسوم ہے۔ یہ مسجد سید عبدالخالق بن دیوان سیّد محمود نبیرہ سیّد محمّد میر عدل امیر اکبری نے تعمیر کرائی تھی۔ اور یہیں سیّد صاحب موصوف کا قبرستان بھی تھا جس میں سیّد شاہ ابوالحسن بن سیّد محمّد میر عدل و دیوان سیّد محمود وغیرہ کی قبریں تھیں۔ مختلف اوقات میں مسلمانان شہر نے اس میں ترمیم و اضافہ کیا۔ اور تیرہویں صدی ہجری کے اختتام پر اس مسجد میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ امروہہ کا افتتاح ہوا۔ اس کے بعد بھی توسیع عمارت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اسی توسیع کے سلسلہ میں مسجد کے گوشۂ شمالی میں جو قبور بانی مسجد اور ان کے خاندان والوں کی تھیں منہدم کردی گئیں۔ شہر کی اس بڑی مسجد کے علاوہ بعض دیگر قدیم مساجد بھی موجود ہیں۔

مثلاً مسجد حاجی سلیمانؒ بادشاہی چبوترہ میں ۔ شیرے کی مسجد کٹرہ غلام علی میں ۔ مسجد سید ابدال محمد لکڑون میں ۔ مسجد میر سید اسد اللہ خاں صاحب گذری میں ۔ مسجد بصری بیگم بڑے دربار میں وغیرہ وغیرہ بعض مساجد ایک صدی کے اندر تعمیر ہوی ہیں جو قابل ذکر ہیں ۔ مثلاً اشرف المساجد شفاعت پوتوں میں جو ۱۲۸۲ھ میں تعمیر ہوئی یہ شیعان امروہہ کی جامع مسجد ہے ۔ اور اپنی زیبائش اور فن تعمیر کے لحاظ سے امروہہ کی مساجد میں بہترین ہے ۔ حافظ عباس علی خاں صاحب مرحوم نے بھی ایک مسجد خوبصورت تعمیر کرائی ہے جو شارع عام پر موجودہ عمارت تحصیل امروہہ کے قریب بجانب غرب واقع ہے ۔ بعض دیگر مساجد بھی قابل ذکر ہیں ۔ مثلاً مسجد چلہ محلہ کوٹ میں جسے سید ابوالقاسم بن سید محمد میر عدل کی زوجہ محترمہ مسماۃ زینب نے ۱۰۲۹ھ ہجری میں تعمیر کرایا اس مسجد میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی جناب غوث اعظمؓ کا ایک چلہ بنا ہوا ہے ۔ جس سے یہ مسجد چلہ مشہور ہوئی ۔ بلکہ محلہ کوٹ کا یہ حصہ ہی محلہ چلہ سے موسوم ہوگیا ہے ۔

امروہہ قدیم سے درس و تدریس کے لیے بھی مشہور چلا آتا ہے ۔ قدیم مدارس میں سے تو اب کوئی باقی نہیں رہا ۔ جدید مدارس میں حکومت کی جانب سے انگریزی تعلیم کے لیے ہائی اسکول موجود ہے ۔ اس کے علاوہ انگریزی تعلیم کے لیے دو اسکول اور بھی ہیں جن کے نام ہندو اسکول اور امام المدارس ہیں ۔ امام المدارس سادات محلہ بگلہ کی کوششوں سے قائم ہے ۔ عربی فارسی کی تعلیم کے لیے چند مدارس ہیں ۔ از انجملہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع مسجد پانباڑی و مدرسہ عربی واقع مسجد چلہ و سید المدارس واقع محلہ شفاعت پوتہ و نور المدارس

واقع محلہ دانشمندان زیادہ مشہور ہیں۔ مسجد سید اسد اللہ خاں صاحب مرحوم واقع محلہ گذری میں بھی مدرسہ موجود ہے۔

آثار قدیمہ عہد ہنود میں سے امروہہ میں اب کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ امروہہ سے دو ڈھائی میل فاصلہ پر بجانب شمال وغرب ایک باؤلی ہے جو بائین کا کنواں مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اہل ہنود کی یادگار ہے۔ تالاب بالسدیو متصل محلہ قریشی کے متعلق بھی یہی خیال کیا جاتا ہے۔

عیدگاہ شہر بجانب غرب آبادی سے فاصلہ پر مقام مرتفع پر بنی ہوئی ہے۔ اس میں پتھر پر حسب ذیل قطعہ کندہ ہے:۔

ساخت بہر خدا غلام احمد　　این مبارک اساس نیک بنا
بہر تاریخ این سروش زغیب　　عیدگاہ خجستہ داوندا

امروہہ میں متعدد تقریبات اجتماعی شان سے ہر سال منعقد ہوتی ہیں از انجملہ امروہہ کا عشرۂ محرم اور تعزیہ داری دور دور مشہور ہے۔ امام باڑے خاص اہتمام سے آراستہ کیے جاتے ہیں۔ علم اور تعزیوں کے جلوس مقررہ تواریخ واوقات میں نکلتے اور مقررہ راستوں اور مقامات پر ہر سال گشت کرتے ہیں ماہ صفر میں مجالس اربعین جابجا برپا ہوتی ہیں۔ اور لکھنؤ وغیرہ سے ذاکرین ان میں بلائے جاتے ہیں۔ بیس۲۰ صفر کو چہلم کے تعزیے بھی نکلتے ہیں عیدین کی نماز اہل سنت عیدگاہ کلاں اور بعض دیگر مقامات مثلاً درگاہ پیر بخش کی مسجد متصل مراد آبادی دروازہ وغیرہ میں ادا کرتے ہیں شیعہ حضرات کی نماز عیدین اشرف المساجد واقع محلہ شفاعت پورہ میں ہوتی ہے۔ گیارہویں کا میلہ چلہ پر ہر سال گیارہ ربیع الثانی کو لگتا ہے۔ سابق میں

اس میلہ کا نام عرس حضرت غوث اعظمؒ تھا۔ اس کے علاوہ غازی میاں کے نیزے اور شاہ مدار کی بیرق کے میلے بھی لگتے ہیں۔ ظاہر دیوان کی چھڑیوں کے میلے بھی امروہہ میں برسات کے زمانہ میں مختلف مقامات پر لگتے ہیں۔ ہندوؤں میں ہولی دیوالی جنم اشٹمی کے تیوہار حسب معمول منائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں بزرگان دین کے مزاروں پر مجالس عرس تواریخ مقررہ میں منعقد ہوتی ہیں۔

امروہہ کی صنعتوں میں ظروف گلی کی قدیم صنعت خاص طور پر دور دور مشہور ہے بقچہ کے پلنگ بھی یہاں کی مشہور صنعت ہے۔ حال میں قالین سازی کے فن کو قدرے فروغ ہوا ہے۔ سابق میں رتھ اور بھلیاں اور کشتی نما ٹوپیاں بھی بکثرت یہاں بنتی تھیں۔ اب یہ صنعتیں مُردہ ہو چلی ہیں۔

اس حد تک ہم نے مختصر مختصر حالات امروہہ کے تعارفاً لکھ دیے ہیں اور بتفصیل لکھنے سے باظہار وجہ ہم نے معذرت بھی کر لی ہے۔ بعض دیگر امور کا ذکر بشرطے کہ ضروری سمجھا گیا جلد دوم میں کیا جائیگا۔ چند امور کا اظہار یہاں بھی کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ بستی سادات عظام کی نہایت قدیم و مشہور ہے۔ ہر مذہب اور ہر قبیلہ کے اہل اسلام یہاں کم و بیش موجود ہیں۔ لڑکی کا لین دین باہم حسب رسم و رواج برادری ہر ایک گروہ میں اپنے اپنے طریقہ سے ہوتا آیا ہے۔ سادات میں باہم لڑکی کا لین دین ہوتا ہے۔ غیر گروہ میں تعلقات مصاہرت کا قایم کرنا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ عام طور پر اس رواج کی پابندی ہر فرد خاندان پر لازم سمجھی جاتی ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اب تک کفو کریم سے سلسلہ مناکحت کے اصول پر نہایت سختی سے پابندی جاری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اصحاب نے سادات میں بھی مختلف وجوہ کی بنا پر اس عام طریقہ و

آئین کی خلاف ورزی کا ارتکاب کہیں کہیں خال خال ضرور کیا ہے۔ اور غیر مقامات پر مناکحت کا رشتہ قایم کیا ہے۔ مگر ان کی تعداد نہایت ہی قلیل ہے۔ اور ان کی اولاد بھی اپنے خاندان میں ہمیشہ ایک خاص نظر سے دیکھی گئی ہے۔ عام قاعدہ اور طریقہ ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے کہ غیر خاندانوں میں نکاح نہیں کیا جاتا ہے۔ اور دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس اصول کی پابندی جس سختی سے سادات امروہہ میں کی گئی ہے شاید ہی کسی دوسرے مقام پر اس کی نظیر مل سکے۔ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی شاید کوئی خاندان اس کا دعویٰ نہیں کرسکتا ہے کہ سلف سے آج تک کسی جگہ اور کبھی کسی غیر خاندان میں اہل خاندان کے رشتے قائم نہیں ہوئے ہندوستان میں جن جن مقامات پر سادات صحیح النسب آباد ہیں اور بیرون ہند میں بھی سادات میں جابجا غیر خاندان میں رشتہ داریاں قایم ہونے کی مثالیں بکثرت ملینگی۔ جہاں تک اصالت و نجابت کا تعلق ہے دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سادات امروہہ کا نسب بفضلہ تعالیٰ سراسر مقبول انام اور دنیا کے صحیح ترین انساب سادات میں سے ہے۔

زمانۂ حال میں اہل مغرب کی کورانہ تقلید میں جو پردہ شکن ہوا ہندوستان میں چلی ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے نجیب و شریف خاندان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یوماً فیوماً بجائے پردہ داری کے پردہ دری کے عصمت شکن طریقوں کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ زمانہ میں رہ کر زمانہ کی ہوا کا اثر نہ قبول کیا جائے۔ ہم نے بچشم خود دیکھ لیا کہ بڑے بڑے ہندوستان کے خاندانی لوگوں نے پردۂ نسوان کے قید و بند سے جو قدیم سے نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ اغیار کی

تقلید میں آزادی حاصل کرلی ۔ اور وہ بہت خوش ہیں کہ گویا ان کے آبا و اجداد جو خدا اور رسولؐ کے احکام کی پابندی کرتے تھے وحشی تھے ۔ اور اب اس وحشت سے انہیں پردہ نسوان شکست کرکے آزادی ملی ہے ۔ جابجا ملک میں ترقی و تہذیب نسوان کے دعاوی کے ساتھ مدارس کھولے جارہے ہیں ۔ روز بروز پردہ کی رسم اُٹھتی جاتی ہے ۔ اہل مغرب نے اس نام نہاد آزادی نسوان کا جو تلخ تجربہ کیا ہے اس کے تفصیلی اظہار کا یہ محل نہیں ۔ مختصر یہ کہ عصمت و پارسائی کا اکثر ممالک مغرب میں دیوالہ نکل چکا ہے برہنگی بلکہ بہیمیت کے مناظر جابجا موجود ہیں ۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سادات امروہہ نے اب تک اس مسموم ہوا اور نام نہاد ترقی و تعلیم نسوان کا کوئی اثر قبول نہیں کیا ہے ۔ بفضلہ تعالیٰ یہاں ابھی تک قرار فی البیوت کے حکم ربانی پر نہایت سختی سے مستورات پابند ہیں ۔ اور ان مستورات پر کشوفات کا اطلاق کسی ایک مقام پر بھی نہیں ہوا ہے ۔ عصمت و عفت کی ضرب المثل جیتی جاگتی تصویریں سادات کی حویلیوں میں موجود ہیں ۔ اور اگرچہ قدیم طریقے اور رسمیں بہت کچھ مٹ چکی ہیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک ان مستورات کی پارسائی و پاکدامنی ضرب المثل چلی آتی ہے ۔ ہندوستان کے بعض مستند خاندانوں پر حیرت ہے کہ انہوں نے باوجودے کہ بے پردگی کے شجر ملعونہ کے ثمرات خبیث کا بچشم خود اثر بد دیکھا اور دیکھتے جاتے ہیں ۔ لیکن تقلید اور محض کورانہ تقلید نے ان نتائج کی طرف سے بے پرواہ اور ان کی حس شرافت کو باطل کردیا ہے ۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم ان مخدرات عصمت کی پارسائی کو تا بقیام قیامت باقی رکھے ۔ اور دور حاضرہ کی وحشت اور بربریت سے انہیں دُور رکھے ۔ اور یہ النساء قوامات علی الرجال کے سودائے خام سے باز رہ کر حدود فطرۃ

کو پامال نہ کریں۔

امروہہ میں علاوہ خاندان سادات کے دیگر شرفاء کرام کے خاندانوں میں بھی یہی آئین وقوانین پردۂ نسوان کے متعلق ہمیشہ سے چلے آتے ہیں اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ زمانہ کی اس مسموم ہوا کا اثر ابھی تک ان میں بھی نہیں ہوا ہے۔ امروہہ میں کثیر التعداد شرفا کے خاندان اب تک بھی اپنے قدیم طریقوں کی پابندی و وضع داری میں خاص طور سے نیک نام ہیں۔ اور ہمیشہ سے ذی منصب اور عالی مرتبت اشخاص ان میں ہوتے آئے ہیں بعض خاندانوں میں ارشاد و ہدایت و مشیخت کا سلسلہ بھی مدتوں جاری رہا ہے۔ غرض ہر قسم کی شرافتوں سے یہ خاندان مشرف رہے ہیں مثلاً خاندان شاہ عبدالہادی صاحب ؒ قریشیوں میں۔ خاندان نواب وقارالملک بہادر بادشاہی چبوترہ پر۔ خاندان حکیم احمد علی خاں صاحب محلہ سدو میں وغیرہ وغیرہ۔ دور آخر میں نواب وقارالملک وقارالدولہ انتصار جنگ نواب مشتاق حسین صاحب کی ہستی امروہہ میں نہ صرف اہل امروہہ کے لیے باعث فخر تھی بلکہ تمام اہل ہند کو ان کی ذات گرامی پر ناز ہے۔ آپ کی ایک مستقل اور مبسوط سوانح عمری "وقار حیات" نامی طبع ہو چکی ہے۔ علاوہ ملکی اور سیاسی خدمات کے جو مملکت آصفیہ میں آپ نے انجام دیں اپ کی ملکی اور قومی خدمات نے مسلمانان ہند کی سیاسی رہنمائی و قیادت کے منصب عزیز و جلیل پر آپ کو پہنچایا۔ اور اقصائے ہند بلکہ بیرون ہند میں بھی آپ کا اور آپ کے تمام خاندان کا نام اور اس کے ساتھ ہی ساتھ امروہہ کا نام بھی روشن ہوا۔ آپ کے لایق فرزند مشتاق احمد صاحب بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا اورنگ آباد کالج میں پروفیسر ہیں۔ نواب مشتاق حسین صاحب

موصوف کو خاندان سادات سے ایک خاص محبت تھی۔ اور اسی خاندان کے ایک فرد یعنے جناب مولٰنا السید رافت علی بن سید انعام علی از اولاد شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل امیر اکبری (شجرہ نشان ۱۳) کے افادات درس سے جناب نواب صاحب ممدوح نے استفادہ فرمایا تھا۔ سنہ ۱۹۱۵ عیسوی میں نواب صاحب مذکور کا انتقال ہوا۔ خداوند عالم مغفرت کرے۔

سید و سادات اسے کون مخاطب ہیں

سید بفتح اول و کسر ثانی مشدد عربی زبان کا ایک لفظ ہے۔ جس کے لفظی معنی پیشوا و سردار ہیں۔ اصطلاح میں البتہ باعتبار اپنے حقیقی معنی کی قربت کے باعتبار محل وقوع اس سے مختلف معنی مستفاد ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ ایک لفظ مختلف مقامات پر رب و شریعت و فاضل و حکیم و شوہر و رئیس و مقدم وغیرہ کے معنی دیتا ہے (سید القوم خادمہم) میں یہ لفظ خاص بمعنی سردار ہے۔ اور ہر قوم کے سردار کو اس قوم کا سید کہنا باعتبار معنی لغوی جائز ہے۔ اس طرح اپنے اپنے محل پر باعتبار اس محل کے اس لفظ کے معنی مستنبط ہوتے ہیں۔ (والفیا سیدھا لدا الباب۔) (سورہ یوسف) یہاں یہ لفظ بمعنی شوہر ہے۔ البتہ اصطلاح انساب میں یہ لفظ انسانوں کے ایک خاص گروہ یعنے اولاد سیدۃ النساء العالمین جناب فاطمۂ زہراؑ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جہاں تک نسب کا تعلق ہے سوائے اولاد جناب سیدہؑ کے کسی قریشی یا غیر قریشی کو سید نہیں کہا جاتا ہے۔ نہ باعتبار نسب دنیا میں کوئی غیر فاطمی عرفاً و اصطلاحاً سید مانا جاتا ہے۔

حال میں یہ بحث اٹھائی گئی ہے کہ جملہ بنی ہاشم باعتبار متحد النسب ہونے کے سید ہیں۔ اس بیان سے ہمیں کیا تمام عالم اسلام بلکہ تمام عالم کو اتفاق نہیں ہے۔ مشاہدہ سے زیادہ کوئی قطعی دلیل اس بیان کی تردید کے لیے بہتر نہیں ہو سکتی ہے۔ آئیے اور اقصائے عالم میں اچھی طرح چل پھر کر عوام و خواص سے دریافت کر لیجئے کہ باعتبار نسب سید کسے کہتے ہیں۔ ہندوستان و افغانستان و عرب و مصر و شام و عراق و ایران و ترکستان وغیرہ ممالک اسلامیہ پر ہی بس نہیں اہل یورپ و امریکہ بلکہ تمام باخبر اقوام عالم سے دریافت کر لیجئے کہ سید باعتبار نسب کے کیا معنی دیتا ہے۔ یقیناً ہر مقام سے یہی جواب ملیگا کہ سید نسباً اس شخص کو کہتے ہیں جو آل رسول ہو بنی فاطمہ کے گروہ سے ہو۔ ہر لفظ کے وہی اصطلاحی معنی مفہوم ہوتے ہیں جس میں اہل عالم اسے استعمال کرتے ہیں۔ ولاغیر تمام عالم کی اس زندہ شہادت سے بڑھ کر اور کیا شہادت لفظ سید کے باعتبار نسب بنی فاطمہ سے مخصوص ہونے کی ہو سکتی ہے۔

سوال صرف اس قدر ہے کہ سید باعتبار نسب کسے کہتے ہیں۔ یہ ایک سوال عرف و اصطلاح کی حد تک ہی ہے۔ اور بقول علماء اسلام عرف کا شرع میں کوئی اعتبار و اثر نہیں ہے۔ پس اس سوال کے حل کے لیے علماء دین و مفتیان شرع متین سے فتوے طلب کرنا بے محل اور قطعاً نامناسب ہے۔ بالفرض یہ سوال درپیش ہو کہ مغل کسے کہتے ہیں۔ اور مرزا ان کا خاندانی لقب ہے یا نہیں، تو ظاہر ہے کہ (چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں سوال کہ مغل کیست و لقبش مرزا جائز است یا نہ) کے استفتا کو کسی طرح بھی کوئی ذی فہم برمحل نہیں کہہ سکتا ہے۔ پس اسی طرح لفظ سید کی تحقیق کے لیے بھی علماء دین سے سوال کرنا برمحل نہیں ہے۔ ہمارے مذہب نے

سید و شیخ و مغل و پٹھان وغیرہ کی کوئی تفریق برہمن چھتری وغیرہ کی طرح نہیں کی ہے۔ اور نہ لفظ سید میں کوئی شرعی حقیقت مضمر ہے۔ بلکہ یہ صرف ایک اصطلاح ہے جو عام طور پر بولی اور لکھی جاتی ہے۔ اس کی تحقیق کے لیے علماء لغت و نسب سے البتہ سوال کیا جاسکتا ہے اور یا خود اس لفظ کے استعمال کرنے والوں کی عام شہادت قابل وقعت ہوسکتی ہے البتہ اگر یہ سوال ہو کہ سید و پٹھان وغیرہ میں کوئی ترجیح کسی کو مذہباً کسی پر ہے تو بلحاظ نوعیت سوال علماء دین سے رجوع ہوسکتا ہے۔ زندہ شہادت ہمارے بیان کی تائید میں تمام عالم کی موجود ہے۔ چہ مسلمان وچہ غیر مسلمان متفق الشہادت ہیں کہ یہ لفظ باعتبار نسب بنی فاطمہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس عینی و لسانی شہادت کی تائید میں اب ہم دستاویزی شہادت بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ لفظ سادات کی حقیقت کا انکشاف بھی ضروری ہے تاکہ دونوں کی یکجائی بحث مطالعہ سے گذر سکے۔

سادات جمع سادت است کہ در اصل سید بود۔ جمع تکسیر سائد و سائد بروزن فاعل بمعنی سید است۔ پس سادات جمع الجمع سائد باشد (غیاث اللغات) اس اصل کے تحقیق ہوجانے کے بعد ہم شہادت دستاویزی منقولی سے یہ ثابت کرینگے کہ لفظ سید و لفظ سادات ہر دو باعتبار نسب مخصوص بنی فاطمہ کے لیے ہیں اور غیر بنی فاطمہ کے لیے ان کا استعمال صحیح و درست نہیں ہے۔

لفظ سادات کا استعمال بھی لفظ سید کی طرح بنی فاطمہ کے گروہ کے ساتھ مخصوص ہے اس میں بھی کوئی غیر فاطمی ہاشمی یا قریشی یا اور کوئی بنی فاطمہ کا شریک نہیں ہے۔ بلکہ سادات اور غیر سادات میں شریفوں کی بستیوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے سادات کے مقابل شرفا کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ لفظ سادات خواہ کسی مقام پر بھی نسلی اور نسبی امتیاز کے لیے

بولا جائے ۔ اس کا حقیقی اور صحیح مفہوم بنی فاطمہ ہی ہے اسی پر اہل عالم کا اجماع ہے اور صدہا برس سے یہ اجماع علیٰ حالہ بحال اور اصطلاح بلا تغیر معنیٰ و مفہوم اپنی جگہ قایم ہے ۔ ہزار ہا فرامین سلاطین و کتب و دیگر تحریرات اس کی تائید میں پیش کی جاسکتی ہیں ۔ بر سبیل مثال ایک دو جگہ سے عبارات یہاں نقل کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اہل زبان اور باخبر اشخاص لفظ سادات کو باعتبار نسب مخصوص بنی فاطمہ کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔ اور دیگر بنی ہاشم سے اِسے متعلق نہیں کرتے ہیں ۔ خواص کے علاوہ عوام بھی اس سے یہی مفہوم لیتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں :۔

چونکہ کوفہ والے **سادات** کے سوائے اور کسی خاندان کو مستحق نہیں سمجھتے تھے ۔ منصور نے ایک دوسرے دار الخلافہ کی تجویز کی (سیرۃ النعمان صفحہ ۳۶)

دُوسرے مقام پر علامہ شبلی تحریر فرماتے ہیں :۔

صرف بدگمانی پر منصور نے **سادات** و علوئین کی بیخ کنی شروع کردی ۔ جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کیں ۔ محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے ۔ اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے ان کو زندہ دیوار میں چُنوادیا ۔ ان بے رحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے ۔ آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ ہجری میں انہیں مظلوم **سادات** میں سے محمد نفس زکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا (سیرۃ النعمان صفحہ ۳۴)

صاحب سیرۃ الشافعی تحریر فرماتے ہیں :۔

اصل بات یہ ہے کہ کیا خلفاء بنی امیہ اور کیا خلفاء عباسیہ سادات کی بیخ کنی کے درپے رہتے تھے۔ بنوامیہ تو جگر فاطمہ کا خون پی کر بھی سیر نہیں ہوئے تھے۔ بنوامیہ کے زوال پر جب خلافت عباسی کا دور آیا تو ان جانشینوں سے لوگوں کو بڑی بڑی امیدیں ہوئیں مگر ان نئے جانشینوں کی نالائقیوں اور بدکرداریوں کے آگے لوگ پچھلے ظلم بھی بھول گئے۔ منصور نے سادات مظلوم پر جو بے رحمیاں کیں ان کی دردناک داستان زمانہ کو ہمیشہ یاد رہیگی۔ امام شافعی رح کے پیدا ہونے سے چار پانچ برس پہلے خاص مدینہ میں محمد نفس زکیہ نے خروج کیا تھا۔ بے چارے سادات بار بار سر اٹھاتے تھے اور مارے جاتے تھے (سیرۃ الشافعی صفحہ ۴۶)

میرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں :۔

اگر وہ خلفاء عباسیہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ سادات اور منصور میں کیسی مخالفت تھی۔ وہ خلافت دبائے بیٹھا تھا اور سادات اس کی شوکت و عظمت پر دانت پیستے تھے۔ (حیات اعظم جلد اول صفحہ ۱۱۵)

علامہ اکبر شاہ خاں اپنی مشہور و معروف تاریخ میں لکھتے ہیں :۔

سادات کو خاندان نبوت کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان میں آنحضرت صلعم کا خون بذریعہ حضرت فاطمہؓ شامل ہے مگر عباسیوں میں خاص آنحضرتؐ کے خون کی آمیزش نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا خاندان خاندان نبوت [illegible] ہے۔

(تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ ۴)

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں :۔

U 1195
P.C.

اس وقت تک خلافت کی کوششیں صرف سادات اور علوئیں کی طرف سے ہوتی رہیں۔ عباسی خاندان اب تک بظاہر ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ علوئین میں سے عبداللہ جو محمد بن حنفیہ کے بیٹے اور حضرت علی کے پوتے تھے۔ اپنے پیروؤں کی ایک کثیر تعداد رکھتے تھے اور خراسان اور ایران میں جا بجا ان کے خفیہ نقیب مقرر تھے۔ ۱۰۰ھ ہجری میں ان کو زہر دیا گیا اور چونکہ ان کی کوئی اولاد موجود نہ تھی اور نہ سادات میں کوئی صاحب اثر شخص موجود تھا اس لیے وہ محمد بن علی کو جو حضرت عباس کے پرپوتے تھے اپنا جانشین کر گئے (المامون صفحہ ۱۱)

ہم نے ان چاروں صاحبوں کی عبارات کو اس لحاظ سے نقل کیا ہے کہ یہ چاروں صاحب واقف حال اور ماہر زبان سمجھے جاتے ہیں۔ اور عالم بھی ہیں بحیثیت عالم دین و مفتی شرع متین ان کی عبارات سے استفادہ مقصود نہیں ہے۔ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ بنی ہاشم میں ہی ایک گروہ سادات کے نام سے عرفاً و اصطلاحاً موسوم ہے۔ اور دوسرے گروہ مثلاً عباسی جو بنی ہاشم میں شامل ہیں گروہ سادات میں داخل نہیں کیے گئے یہ بر سبیل مثال چند عبارات نقل کر دی گئی ہیں۔ اس قسم کی ہزارہا مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اور یہ اصطلاح اس قدر متعارف ہے کہ بغیر کسی ایک مثال کے بھی از خود واضح ہے۔ اردو کا مستند ترین لغت فرہنگ آصفیہ ملاحظہ فرمائیے جس میں سید و سادات کی تخصیص بنی فاطمہ سے کی گئی ہے۔ عربی کا مشہور ترین لغت اقرب الموارد جو عرب و مصر وغیرہ میں نہایت مقبول و مشہور ہے ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں لکھا ہے کہ السید۔ لقب المسیح تبارك اسمه وعند المسلمین

من کان سلالۃ نبیہم ۔ السیدان ۔ الحسن والحسین ابناء علی کرم اللہ وجہہ ۔ اور یہی معنی دیگر کتب لغت مثلاً المنجد وغیرہ میں تحریر ہیں۔ انگریزی عربی فارسی کا جامع ترین مشہور لغت اسٹینگیس جو شاہی اہتمام سے مرتب کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یورپ میں بھی سید کا لفظ مخصوص بنی فاطمہ کے لیے ہے۔ اسی طرح بے شمار کتب لغت وغیرہ میں سید و سادات کی تخصیص بنی فاطمہ کے لیے ہے۔ دیگر بنی ہاشم مثلاً عباسی وعقیلی سے کوئی تعلق ان الفاظ کا کسی جگہ درج نہیں ہے بلحاظ اختصار ہم نے معدودے چند کتابوں کا حوالہ یہاں دیا ہے۔ ورنہ ایسے صدہا حوالے دئے جاسکتے ہیں اور بوثوق تمام یہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ کسی مشہور ومقبول کتاب لغت میں سید و سادات کو کسی غیر فاطمی ہاشمی مثلاً کسی عباسی وعقیلی وغیرہ سے اصطلاحاً باعتبار نسب متعلق نہیں کیا گیا ہے۔

الغرض یہ امر مثل آفتاب نیم روز روشن ہے کہ الفاظ سید و سادات مخصوص بنی فاطمہ کے لیے ہیں۔ اور یہ اصطلاح جو بین الانام مروج ہے کسی ایک شخص یا ایک گروہ کی ساختہ پرداختہ نہیں ہے۔ بلکہ علم الالسنہ کے اصول کی بنا پر بوثوق تمام کہا جاسکتا ہے کہ قبولیت عام و دوام کی بنا پر ان الفاظ کو بھی مثل دیگر مستقل اصطلاحات کے مستقل معنی اور مفہوم اہل عالم کی طرف سے ملا ہے اور اہل نظر اچھی طرح جانتے ہیں کہ قبولیت عام کے بغیر کسی لفظ کے مستقل معنی اور مفہوم پیدا ہی نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر لفظ انصار کو دیکھئے یہ لفظ نہایت درجہ کثیر الاستعمال اور کلام اللہ و دیگر کتب میں بکثرت موجود ہے جس کے معنی یاری دہندگان

ہیں۔لیکن تاریخ اسلام میں یہ لفظ ایک خاص مفہوم رکھتا ہے اور جب کبھی قرن اول کے مسلمانوں کے متعلق لفظ انصار کسی کی زبان سے نکلیگا اس کے مخصوص معنی وہی لیے جائینگے جسے ہم سب جانتے ہیں اگر غور سے دیکھئے تو کیا مہاجرین آنحضرت صلعم کے یاری دہندگان نہ تھے۔ تھے اور ضرور تھے بلکہ درجہ اولیٰ یاری دہندگان تھے لیکن لفظ انصار کے اصطلاحی اور عرفی معنی اس کے حقیقی معنی پر غالب ہیں اور مہاجرین کی جماعت کو کوئی باخبر شخص لفظ انصار سے یاد نہیں کرتا ہے ہماری زبان میں اور ہر زبان میں یہی آئین ہے کہ مسلمہ ومقبولہ اصطلاحی وعرفی معنی ہمیشہ حقیقی اور لغوی معنی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں کسی شریف بھلے مانس جائز آمدنی کمانے کھانے والے کے لیے حلال خور کہدیا جائے تو دیکھئے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کے کسب حلال میں کوئی شبہہ کرنے کی گنجایش نہیں ہے یہ سب تصرفات اہل زبان اور اہل معاملت کے ہیں۔ اس قبول عام کی سند کو کوئی فرد منسوخ نہیں کر سکتا ہے بلکہ الفاظ اپنے مفہوم ومعانی کو قبولیت عام کی بنا پر ہی بدل سکتے ہیں۔ یہی حال لفظ سید اور سادات کا بھی ہے کہ یہ اپنی اصلی اور حقیقی معنی یعنی پیشوا اور سردار کا مفہوم باقی رکھتے ہوئے نسب کی حد تک محض بنی فاطمہ کے لیے بربناء قبول عام مخصوص ہو گئے ہیں۔ اس خصوصیت کی بھی خاص وجہ ہے اور اس قسم کی ہر تخصیص بعد تعمیم کوئی نہ کوئی وجہ اور فائدہ ضرور رکھتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلعم سے ہر مسلمان کو جو قلبی اور روحی محبت اور تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ یہاں تک کہ حضور سے محبت جز ایمان ہے۔ پس حضور نے جن سے محبت فرمائی اور جن کی تعظیم وتکریم کی۔ بتقاضائے محبت تمام مسلمان بھی ان افراد سے

محبت کرنے اور تعظیم وتکریم کرنے پر مجبور و مجبول ہیں۔ سبحان اللہ کیا ہی خوب کہا ہے :۔

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں

حضور سرور کائنات سردار دو عالم صلعم کی ذات قدسی صفات ہر قسم کی شرافت و فخامت کی جامع تھی ۔ وہ کونسی صفات حمیدہ ہیں جو بدرجہ اتم حضور میں موجود نہ تھیں۔ تمام عرب بلکہ تمام عالم اسلام نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ صلب مطہر آنحضرت صلعم جمیع اصلاب عالم سے طہارت و اصالت میں برتر اور دیگر تمام عالم کے اصلاب آپ سے درجہ میں کم تر ہیں ارشاد نبوی ہے کہ " من بہترین خلقم از روئے ذات و بہترین انسان از روئے نسب " (مدارج النبوۃ صفحہ ۲۶۷)

اگر ایک طرف حضور کی ذات گرامی صفات سے جمیع قریش جمیع اہل عرب اور اس شجرۂ طیبہ کے تمام انبیاء سابقین کو فخر ہے تو دوسری طرف حضور کی اولاد امجاد و آل اطہار کے لئے بھی یہ شرف ہمیشہ کے لیے باقی ہے ۔ محدثین متفق ہیں حضور کے اس ارشاد پر کہ قیامت کے دن ہر نسب وسبب اور صہر قطع ہوگا مگر میرا نسب وسبب اور صہر قطع نہ ہوگا ۔ (الحدیث) سبحان اللہ یہ حضور ہی کی ذات ہے جو فخر عالم و عالمیاں ہے ۔ یہی وہ آفتاب عالم تاب ہے جس نے برج شرف سے طلوع ہوکر شش جہت کو نور بخشا ہے۔ ولنعم ما قیل ۔

یک چراغیست درین خانہ کہ از پرتو آن
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

اور اسی مضمون کو ہمارے ہندوستانی شاعر رسول اللہ میاں شہیدی مرحوم نے اس طرح

ادا کیا ہے ۔

بڑھے آدمؑ اور ابراہیمؑ کے اس کے سبب رتبے
نہ تنہا فخر عالم ۔ فخر تھا اپنے اب وجد کا

اگر حضورؐ سید اولاد آدم ہیں ۔ تو حضور کی نور دیدہ جناب فاطمہ زہراؑ سیدۃ النساء العالمین ہیں (الحدیث) اور حضور کے صاحبزادےؑ سید اشباب اہل الجنہ ہیں اور حضور کے ابن عم اور داماد جناب امیرؑ سید العرب ہیں (الحدیث) یہ سب اسی آسمان ہدایت و سعادت کے شمس و قمر ہیں ۔ پس ہے کوئی نسب دنیا میں جو اتنے محاسن و فضائل کا حامل ہو اور ہے کوئی ایسا خاندان جس میں اتنی سیادتیں جمع ہوں وہ کونسا خاندان ہے جو اس دودمان والاشان سے سیادت میں ہمسری اور برابری کا دعوےٰ کر سکتا ہے ۔ وہ کونسا سلسلہ نسب ہے جس کا ایک جد سید اولاد آدم ہو ۔ دوسرا جد جوانان جنت کا سردار ہو تیسرا جد سید العرب ہو اور جدہ سیدۃ النساء العالمین ۔ اتنی سیادتیں کسی ایک خاندان میں جمع ہو لیں تو اس سلسلہ طیبہ عالیہ سے ہمسری کا دعویٰ زیب دے سکتا ہے (و این خیال است و محال است و جنوں) اتنی سیادتوں کا یہ مجموعہ اتنے فضائل کا یہ اجتماع اتنی شرافتوں کا یہ قران جس سلسلہ نسب میں ہو اُسے اگر سید و سادات کے لقب سے یاد نہ کیا جائے تو اور کسے یاد کیا جا سکتا ہے ۔ پس اگر جمہور مسلمین نے اور ان کے ساتھ تمام عالم نے اولاد رسول کو سید و سادات کہا تو بالکل بجا اور درست ہے ۔ فخر المحدثین و سند المورخین حضرت شاہ عبدالحقؒ مدارج النبوۃ میں قرابتداران رسول کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"این چار تن (علی و فاطمہ و ابناہما) عمدہ و نخبہ ایں جماعت اند"

(جلد اول صفحہ ۱۰)

صاحب سعادۃ الکونین رح نے حضرت ابن عباس رض سے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کا ایک حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :۔

پس آنحضرت صلعم خطبہ فرمود و گفت کہ خبر دہم شمارا بہ بہترین مردمان از روئے جد و جدہ ۔ حاضرین عرض نمودند کہ بلے یا رسول اللہ ۔ فرمود کہ بہترین مردمان حسن رض و حسین رض اند ۔ جد ایشان رسول خدا است و جدہ ایشان خدیجہ رض بنت خویلد است و آگاہ باشید اے مردمان کہ خبر دہم شما بہ بہترین مردمان از روئے پدر و مادر ۔ عرض نمودند کہ آری یا رسول اللہ ۔ پس فرمود کہ آن حسن رض و حسین رض اند ۔ پدر ایشان علی رض بن ابی طالب است و مادر ایشان فاطمۂ زہرا دختر محمد رسول اللہ صلعم ۔ باز فرمود کہ خبر دہم شمارا بہ بہترین خلائق از روئے عم و عمہ ۔ عرض نمودند کہ نعم یا رسول اللہ فرمود کہ آن حسن رض و حسین رض اند کہ عم ایشان جعفر بن ابی طالب است و عمہ ایشان امہانی بنت ابی طالب است۔ و باز خبر دہم شمارا بہ بہترین مردمان از روئے خال و خالہ ۔ گفتند آری یا رسول اللہ ۔ فرمود کہ آن حسن رض و حسین رض اند کہ ماموی ایشان قاسم بن رسول اللہ و خالہ ایشان زینب رض بنت رسول اللہ صلعم است ۔ آگاہ باشید کہ پدر ایشان جنتی است و مادر ایشان جنتی است ۔ وجدہ ایشان جنتی و عم و عمۂ ایشان جنتی اند و ماموی و خالہ ایشان جنتی اند و ایشان نیز بہشتی اند ۔ پس ہر کسے کہ دوست دار ایشان را او ہم جنتی است ۔ و ہر کسے کہ دوست دار ایشان باشد جنتی است و این حدیث بصحت رسیدہ و ہمچنین طبرانی در کبیر و ابن عساکر نیز

روایت کردہ برائے اختصار ترک نمودہ شد (سعادۃ الکونین صفحہ ۹۰)

اس کے بعد علامہ موصوف جو اہلسنت کے مشہور و مقبول عالم ہیں صفحہ ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اتفاق است علما را کہ آنچہ کہ فضیلت در نسب حسنینؓ راست کسے دیگر را نیست"۔

یعنے علما کا اتفاق اس پر ہے کہ حسنؓ و حسینؓ کو جو فضیلت نسب میں ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ پس جو مسئلہ متفقہ علما ہو اور تمام عالم اسلام نے ہمیشہ سے اس کی تصدیق قولاً و فعلاً سراً و علانیۃً کی ہو اس کے اثبات کے لئے اس مقام پر بحث کو طول دینا اور کتب مقبولہ کی عبارات نقل کیے جانا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جسے اس خاندان عالی شان کی بے مثل شرافت اور لاجواب بزرگی کی تفصیلی بحث دیکھنا مقصود ہو صحاح و اخبار و آثار کی کتب ملاحظہ کرے ہماری یہ مختصر کتاب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے۔ اور ہم کہاں تک نقل کر سکتے ہیں۔ اب چند دیگر امور ضروری بیان کر لینے کے بعد اس بحث کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔

ایک صاحب نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ جملہ بنی ہاشم ایک ہی شجر کی شاخیں ہیں۔ اور باعتبار نسب و حرمت صدقات ان سب کے فضائل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز بیان کیا جاتا ہے کہ اس اشتراک نسب و حرمت صدقات کی وجہ سے ہی جملہ بنی ہاشم سید ہیں۔ اور وجہ سیادت در اصل حرمت صدقات ہی ہے۔ نیز یہ بھی کہ جملہ بنی ہاشم کو سید کہا جاتا تھا۔ اور اس بیان کی تائید میں ایک مقام پر علامہ جلال الدین سیوطی کے "رسالہ زینبیہ" کی عبارت نقل کی ہوئی پائی گئی اور وہ یہ ہے:۔

اسم الشریف یطلق فی الصدر الاول علی کل

من کان من اهل البیتِ سواء کان حسنیا ام علویا
من ذریة محمّد بن الحنفیه وغیرہ من اولاد علی ابن
ابی طالب ام جعفریاً ام عباسیًا ولهذا اتخذ تاریخ
الحافظ ذهبی مشحوناً فی التراجم بذالك یقول الشریف
العباسی الشریف العقیلی الشریف الجعفری
الشریف الزینبی فلما ولی الفاطمون بمصر قصروا
اسم الشریف علی ذریة الحسن والحسین فقط واستمر
ذالك بمصر الی الان وقال الحافظ ابن حجر فی کتاب
الالقاب الشریف ببغداد لقب لکل عباسی و
بمصر لکل علوی ولاشك ان المصطلح القدیم
اولی وهو اطلاقهٗ علی کل علوی وجعفری وعقیلی
وعباسی کما صنعة الذهبی وکما اشار الیه الماوردی
من اصحابنا والقاضی ابویعلی فرا من الحنابلة کلاهما
فی الاحکام السلطانیه ونحوہ قول ابن مالك
فی الالفیه -

ترجمہ :- اسم شریف کا اطلاق صدر اول میں تمام اہل بیت
کے افراد پر ہوتا تھا - عام اس سے کہ وہ حسنی ہوں یا حسینی ہوں یا
علوی ہوں اولاد جناب محمّد بن حنفیہ کی یا سوائے ان کے دیگر اولاد جناب
علیؓ بن ابی طالب کی ہوں یا جعفری ہوں یا عقیلی ہوں یا عباسی ہوں -

یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخ حافظ ذہبی میں دیکھتے ہیں کہ بھرے ہوئے ہیں لوگوں کے حالات میں یہ الفاظ کہ شریف عباسی شریف عقیلی وشریف جعفری وشریف زینبی لیکن جب فاطمیوں کی حکومت مصر میں قایم ہوگئی تو انہوں نے لقب شریف اولاد جناب حسنؑ اور جناب حسینؑ سے مختص کرلیا۔ فقط اور اب تک یہ دستور مصر میں جاری ہے۔ حافظ ابن حجر کتاب الالقاب میں کہتے ہیں کہ بغداد میں ہر عباسی کا لقب شریف ہے۔ اور مصر میں ہر علوی کا اس میں شک نہیں کہ قدیم مصطلحات بہترین اور وہ یہ کہ لقب شریف کا اطلاق ہر علوی وجعفری وعقیلی وعباسی پر ہوتا ہے۔ جیساکہ ذہبی نے تحریر کیا۔ اور جس طرح ماوردی نے جو ہمارے اصحاب میں سے ہیں اشارہ کیا ہے اور قاضی ابویعلیٰ فراتے جو حنبلیوں سے ہیں۔ احکام سلطانیہ میں ذکر کیا ہے اور یہی قول ابن مالک کا الفیہ میں ہے۔

مخفی مبادکہ یہ عبارت اس بیان کی تائید میں پیش کی جاتی ہے کہ جملہ بنی ہاشم چہ فاطمی وچہ عقیلی وچہ جعفری وعلوی سب سید ہیں ہمیں علامہ سیوطی کے بیان کی تاریخی وقعت سے اس وقت بحث نہیں ہے۔ اور نہ اس طوالت میں جانے کی کوئی ضرورت پائی جاتی ہے۔ اور یہ بالکل ایک علیحدہ بحث ہے کہ لفظ شریف کس کس معنی میں اور کس کس دور میں کس کس کے لیے استعمال ہوا۔ اور اب کس کس کے لیے لقباً باظہار نسب استعمال ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے علامہ موصوف کے اس بیان کو بے چوں وچرا صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہے کہ لفظ سید جملہ بنی ہاشم کے لیے استعمال کیا جاتا تھا یا اب اس کا استعمال جائز ہے۔ اس عبارت میں

بار بار لفظ شریف کی تکرار ہے لفظ سید کا کوئی ذکر اس میں نہیں ہے۔ ممکن ہو کہ علامہ موصوف کے زمانہ میں یعنے نویں صدی ہجری میں اور اس سے قبل لفظ شریف سے بغداد میں بنی عباس مخاطب ہوں لیکن دور حاضر میں قطعاً ایسا نہیں ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح بھی بنی عباس کی حد تک اب مردہ ہو چکی ہے اور اس کے وہ معنی اب باقی نہیں رہے۔ جو پانچ سو سال قبل عراق میں بقول علامہ موصوف لیے جاتے تھے (والماضی لا یذکر والحال یعتبر) علم السنہ کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ الفاظ اور اصطلاحات کے معنی اور محل استعمال میں خاص خاص حالات کے تحت تغیر ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ اگر علامہ موصوف کا یہ بیان تاریخی وقعت رکھتا ہے کہ نویں صدی ہجری میں بغداد میں عباسیوں کا لقب **شریف** تھا تو موجودہ حالات پر نظر کرتے ہوئے یہ امر بدرجۂ یقین ثابت ہے کہ اب اس معنی میں یہ اصطلاح فنا ہو چکی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ عراق و عرب اب یہاں سے دور بھی نہیں ہیں۔ بآسانی وہاں جاکر یا معتبر سیاحوں سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ باوجود اس کے اگر کسی عقیلی یا عباسی یا جعفری کو اپنے نام کے ساتھ لفظ شریف لکھنے کی خواہش ہو تو ضرور لکھیں۔ اور ہر معترض کو علامہ سیوطی کی اس عبارت سے مطمئن کرتے جائیں۔ اور اپنے نام بھی اس طرح لکھیں۔ الشریف ابن عباس۔ الشریف ابن جعفر الشریف ابن عقیل۔ بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ زمانہ اس لقب کو قبول عام کی سند عطا کرتا ہے یا نہیں۔ صرف یہ ثابت کر دینا کافی نہیں ہے کہ اب سے پانچ سو برس پہلے یہ لفظ فلاں جماعت سے متعلق تھا۔ بلکہ زمانہ حاضر میں اس کے متعلق شہادت پیش ہونا ضروری ہے۔ علامہ سیوطی کے زمانہ کے منسوخ شدہ رواج سے (بشرطیکہ وہ ثابت بھی ہو) زمانہ بعد کے رواج پر استدلال کرنا اور حالات حاضرہ پر اس منسوخ رواج کو منطبق کرنا کسی طرح بھی

جائز نہیں ہے۔ نویں صدی ہجری اور اس سے قبل کے سکے کہ زمانہ حال میں بجز اس کے شوقینوں اور عجائب خانوں کے صندوقوں اور الماریوں کی زینت بنیں اب بازار میں سکہ رائج الوقت کے مقابل چلن میں نہیں آسکتے ہیں۔ اسی طرح اُس عہد ماضی کے القاب اور مختلف اصطلاحات کتابوں کے اوراق کی زینت ضرور ہوسکتے ہیں۔ مگر ان کا چلن اب نہیں ہے۔ بحث یہ ہے کہ اب ۱۳۵۳ ہجری میں لفظ شریف کسی عباسی یا عقیلی سے متعلق ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اس کے اثبات میں ۸۵۲ ہجری کے واقعات اور منسوخ القاب سے استدلال کرنا تقویم پارینہ سے استدلال کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ اور سید کی بحث ہی شریف سے علٰحدہ ہے۔

ہمارے یہ تمام بیانات اگرچہ محتاج شہادت نہیں ہیں۔ اور ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ سید اور سادات سے کون افراد مراد ہیں۔ اور کون نہیں ہیں۔ لیکن بمزید اطمینان ناظرین کتاب ہذا ہم نے عہد حاضر کی ایک مشہور و عزیز ترین ہستی سے تحریری استفسار کیا اور اس کا تحریری جواب بھی حاصل کرلیا ہے۔ جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ یہ شہادت نہایت درجہ قابل اعتبار علامہ فہامہ فرید عصر سید محمد بغدادی (ساکن محلہ سلطان پورہ حیدرآباد دکن) کی ہے۔ حضرت علامہ موصوف خاص بغداد شریف کے متوطن۔ ممالک اسلامیہ کے سیاح اور سلسلہ عالیہ رفاعیہ کے مشائخ کبار میں سے ہیں۔ مدت دراز سے آپ حیدرآباد میں اقامت فرما ہیں۔ خزانہ صرف خاص مبارک اعلیحضرت تاجدار آصفیہ سے پانسو روپیہ ماہوار جناب ممدوح کی ذاتی وجاہت و علم و فضل کی قدردانی کے طور پر ۱۳۳۰ فصلی میں جاری ہوئے اور بالفعل آنجناب مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن اور عروس البلاد حیدرآباد میں نہایت مشہور و معروف ہیں۔ آپ کے فرزند اکبر

سید فصیح اللہ الحسنی الحسینی درگاہ حضرت خدانما واقع چنچولی ضلع گلبرگہ شریف کے سجادہ نشین ہیں۔ اور اس کی بڑی جاگیر بھی انجناب کے نام بحال ہوچکی ہے۔ حضرت علامۂ بغدادی (سلمہم اللہ تعالیٰ) سے ہم نے جو سوال تحریری کیا اور اس کا جواب جو علامہ موصوف نے تحریراً عنایت فرمایا ہے۔ یہاں خاص اس غرض سے درج کیا جاتا ہے کہ ناظرین کو اچھی طرح یہ معلوم ہوجائے کہ لفظ سید و شریف کا استعمال ممالک اسلامیہ میں تمام افراد ہاشمی کے لیے ہوتا ہے یا مخصوص بنی فاطمہ کے لیے۔ بحیثیت عالم دین و مفتی شرع متین حضرت علامہ ممدوح سے ہم نے یہ سوال نہیں کیا بلکہ محض اس خیال سے کہ آنجناب ممالک اسلامیہ کے متوطن و سیاح و واقف حالات ہیں۔ اور آپ کی ذات والاصفات بہمہ جہت لائق اعتبار ہے۔ سوال و جواب کی عبارت یہ ہے :۔

سوال :۔ ماتقولکم ایھا العلماء الواقفون ان لفظ السید والشریف لای الناس یستعمل فی مملکۃ العرب والشام ومصر ھل یستعمل لبنی فاطمہ ام یستعمل لکل بنی ھاشم۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ ماسمعنا فی بلاد العراق والعرب ولا فی غیر ذالک من البلاد الاسلامیہ ان لفظ السید او الشریف یستعمل لغیر بنی فاطمہ۔ واللہ اعلم بالصواب (السید محمد البغدادی الرفاعی القادری)

سوال کا مطلب یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں سید و شریف کا استعمال تمام بنی ہاشم کے لئے ہوتا ہے یا بنی فاطمہ کے لئے۔ جواب کا مطلب یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں ہم نے سید و شریف کا استعمال غیر بنی فاطمہ کے لیے نہیں سنا۔

یہ بھی علامہ سیوطی کی توضیح لفظ شریف کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ لفظ سید و لفظ شریف ۔ مترادف المعنی ہیں ۔ لہٰذا بجائے شریف کے سید بھی لکھا جاسکتا ہے ۔ اگر یہ تاویل کوئی وقعت رکھ سکتی تو ضرور تھا کہ خود زمانہ اسے قبول عام کی سند دیتا ۔ لفظ سید اور سردار ہم معنی ہیں ہم بجائے سید کے سردار لکھنا شروع کردیں تو ظاہر ہے کہ یہ توجیہ کسی کام کی نہیں ہے ۔ محض کسی لفظ کا مترادف المعنی ہونا ہی کافی نہیں ہے ۔ بلکہ بعض الفاظ اپنی ظاہری شکل کے اندر اپنے محل کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ خصوصیات ایسی رکھتے ہیں کہ ان کے مترادف الفاظ سے ان کی جگہ کام نہیں لیا جاسکتا ہے ۔ ایسا ہر لفظ اپنے محل پر ہی وضع الشئی فی محلہ کا مصداق ہوتا ہے ۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ بجائے سید کے سردار اور پیشوا کے الفاظ تمام سادات کے ناموں کے ساتھ بحیثیت مترادف المعنی ہونے کے استعمال نہ کیے جاتے اور نہ آج اس کے لیے کوئی آمادہ ہوسکتا ہے کہ اپنے خاندانی لقب سید کو چھوڑ کر اس کے مترادف لفظ سردار یا ایسے ہی کسی لفظ کو اختیار کرے ۔ سرسید مرحوم سے اگر استدعا کی جاتی کہ جناب اپنا نام نامی بجائے سید احمدؒ کے سردار احمدؒ یا شریف احمد رکھ لیں کیونکہ سید اور شریف مترادف ہیں ۔ تو وہ اسے ہرگز منظور نہ فرماتے ۔ اس نامنظوری کی وجہ اہل عقل سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہے ۔ اور اسے اجمالاً سطور ماسبق میں ذکر بھی کردیا گیا ۔ پس اگر علامہ سیوطی کا یہ بیان صحیح بھی ہے کہ کسی زمانہ میں عقیلیوں یا عباسیوں کو بغداد میں لفظ شریف سے مخاطب کیا جاتا تھا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ اب بھی کیا جائے ۔ تو وہ حضرات جو اس بیان سے مستفید ہونا چاہیں لفظ شریف بطور خاندانی لقب کے اظہار نسب کی غرض سے استعمال کریں اور زمانہ کی قبولیت عام کے منتظر رہیں (فانتظروا انی معکم من المنتظرین)

یہاں جو کچھ بھی بحث ہے وہ یہ ہے کہ لفظ سید و سادات کا استعمال اظہاراً للنسب غیر فاطمی کے لیے اب اصطلاحاً جائز ہے یا نہیں۔ علامہ سیوطی کی عبارت منقولۂ بالا اس کے جواب سے قطعاً ساکت ہے۔ اور اس سے کسی طرح بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا ہے کہ لفظ سید کا استعمال اظہار نسب کے لیے غیر فاطمی کو اصطلاحاً جائز ہے۔

رسالۂ زینبیہ کی بحث ہو لینے کے بعد اب یہ بحث باقی رہتی ہے کہ جملہ بنی ہاشم باعتبار نسب مساوی ہیں۔ پھر ان میں سید و غیر سید کی تفریق کس طرح جائز ہے۔ بے شک بنی ہاشم باعتبار نسب مساوی ہیں۔ بلکہ تمام قریش مساوی ہیں۔ اور اگر زیادہ وسیع النظری کو کام فرمایا جائے تو:۔

بنی آدم اعضائے یک دیگراند کہ در آفرینش زیک جوہراند

اس میں انکار کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ لیکن قانون قدرت جسے الہامی زبان میں فضلنا بعضہم علیٰ بعض سے تعبیر کیا گیا ہے یہاں بھی کارفرما ہے۔ بے شک علوی و فاطمی و عقیلی و عباسی و جعفری پنج انگشت ایک ہی ہاتھ کی ہیں۔ ولیکن خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد اور ان میں سے ہر گروہ باعتبار اپنے مورثوں کے نسب و حسب و دیگر فضائل کے اپنی اپنی خصوصیات کا حامل ہے۔ یہ کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ باعتبار فضل و شرف یہ سب شاخیں مساوی ہیں۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ باپ اور بیٹا۔ زوج و زوجہ۔ ماں اور بیٹی مساوی المرتبت ہوں۔ بلکہ تفضیل و عدم تفضیل کے لیے اُن میں سے ہر ایک کے منفرد حالات پر غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ بقول حضرت محدث دہلویؒ:۔

"و بسا کہ پسر فاضل تر از پدر باشد" (مدارج النبوۃ)

پس اس عالمگیر اصول کی بنا پر بھی افراد بنی ہاشم کے منفرد حالات کی بنا پر غور کیے بغیر سب کو محض متحد النسب ہونے کی بنا پر مساوی المرتبت قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ ماننا پڑیگا کہ بعض خصوصیات عباسیوں میں ہیں جو عقیلیوں میں نہیں ہیں۔ بعض ان میں ہیں جو دوسروں میں نہیں اسی طرح سب کا حال ہے۔ بنی ہاشم کو جو نسبی افتخار و اعزاز حاصل ہوا وہ جناب رسالت مآب صلعم کی قرابت قریب کی وجہ سے ہے۔ اور ان میں سے جو فرد حضور اقدس کی ذات سے زیادہ قریب ہے وہ امت میں اسی قدر زیادہ مستحق اعزاز و اکرام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بنی ہاشم میں جو شرف جناب امیرؑ کو جناب سیدۃ النساء العالمین کی تزویج سے حاصل ہوا وہ کسی دوسرے ہاشمی کو حاصل نہیں ہوا۔ دیگر تمام بنی ہاشم اس شرف عظیم سے محروم ہیں۔ یہ ایک بڑی وجہ اس خاندان عالی شان کی سیادت نسبی کی ہے جسے شیعہ و سنی اکابر و اصاغر۔ اعالی و ادانی۔ علما و صوفیا۔ مورخین و متکلمین۔ محدثین۔ و مفسرین۔ غرض ہر جماعت کے محبان آل رسول ہمیشہ سے تسلیم کرتے آئے ہیں۔ یہ وہ شرف ہے جو بنی فاطمہ ہی سے مخصوص ہے۔ بر سبیل مثال ایک دو تحریریں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اپنی مشہور و معروف تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> بنو عباس بنو ہاشم تو ضرور ہیں لیکن وہ آنحضرت صلعم کے چچا کی اولاد ہیں۔ آنحضرت صلعم کی بیٹی کی اولاد نہیں ہیں۔ یعنے سادات کو خاندان نبوت کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان میں آنحضرت صلعم کا خون فاطمہؑ کے ذریعہ شامل ہے۔ لیکن عباسیوں میں خاص آنحضرت صلعم کے خون کی آمیزش نہیں ہے۔ لہذا ان کا خاندان خاندان نبوت نہیں کہا جا سکتا۔ (تاریخ اسلام جلد (۲) صفحہ ۴)

غیر فاطمی اکابر بنی ہاشم بھی اس شرف کو جو بنی فاطمہ کے لیے مخصوص ہے ہمیشہ سے تسلیم کرتے آئے ہیں (ملاحظہ ہو علامہ سیوطی کی تاریخ الخلفا)

ترجمہ:۔ صولی اسحٰق ہاشمی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک روز رشید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ رشید نے کہا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ عوام الناس کا میری طرف یہ خیال ہے کہ مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے بغض وعداوت ہے۔ اور واللہ میں کسی کو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے زیادہ محبوب نہیں رکھتا۔ اصل یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے بغض رکھتے ہیں اور ہم پر طعنہ کرتے ہیں اور ہماری سلطنت میں فساد پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہی لوگ ایسی باتیں مشہور کرتے پھرتے ہیں۔ اور محض اس لیے کہ میں نے ان کو سزائیں دی ہیں۔ اور وہ لوگ بنی امیہ کی طرف مائل ہیں۔ رہے جناب حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے صاحبزادگان تو وہ **اہل سادات اور افضلیت میں سب سے مقدم ہیں**۔ مجھ سے میرے باپ مہدی نے بوساطت اپنے آبا واجداد کے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا ہے کہ جس نے ان دونوں سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی جس نے ان دونوں سے بغض رکھا مجھ سے بغض رکھا۔ (ترجمہ تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۳۰۷)

بنی عباس اس امر کو اچھی طرح جانتے تھے کہ جمہور کا میلان طبع بہ نسبت ہمارے بنی فاطمہ کی طرف زیادہ ہے۔ اور قرب رسول جس کی بنیاد پر ہم نے خلافت حاصل کی ہے۔ اس میں ان کا رتبہ ہم سے بڑھ کر ہے (تاریخ الامت)

علامہ فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :۔

ولا شك ان فاطمه وعليا والحسن والحسين كان التعلق بينهم وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم اشد التعلقات وهذا كالمعلوم بالنقل المتواتر فوجب ان يكونوا هم الآل۔

اور یہ امر اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ چنداں محتاج ثبوت نہیں ۔ اکابر امت کی ہزارہا بلکہ بے شمار تحریرات اس کی تائید میں پیش ہوسکتی ہیں ۔

ماحصل اس تمام بحث کا صرف اس قدر ہے کہ لفظ سید بغرض اظہار نسب مخصوص ہے ۔ بنی فاطمہ کے ساتھ اور اس لفظ کو بلحاظ اس نسبی شرف و اعزاز کے جو بنی فاطمہ سے مخصوص ہے ۔ جمہور اہل اسلام نے عرفاً و اصطلاحاً اظہاراً للنسب بنی فاطمہ اور صرف بنی فاطمہ ہی کے لیے استعمال کیا ہے ۔ قرآن و حدیث نے عامہ مسلمین میں کوئی تفریق شیخ و سید وغیرہ کی اظہار نسب کے لیے نہیں کی ہے ۔ اور نہ لفظ سید کی حد تک بحث پر کسی مذہبی بحث کا اطلاق ہوسکتا ہے ۔ یہ بحث صرف عرف و اصطلاح کی حد تک ہے ۔ البتہ قرآن کریم نے تفریق شعوب و قبایل کی غرض و غایت لتعارفوا بیان فرمادی ہے (ولا منافقة في الاصطلاح) مقصد اس عرف و اصطلاح کی وضع کا اظہار اس بزرگی و سرداری کا ہے جو سادات کے مورثوں کے لیے مسلمۂ جمہور مسلمین ہے ۔ اور جملہ قرابت داران رسول میں جو نمایاں اور اعلیٰ حیثیت جناب علی و فاطمہ و ابنا ہما علیہم السلام کو حاصل ہے ۔ اس کے متعلق فخر المحدثین مدارج النبوۃ میں اقربائے رسول کا ذکر کرتے ہوئے فرما گئے ہیں :۔ (و این چہار تن عمدہ و نخبہ این جماعت اند)

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حرمت صدقات میں سب بنی ہاشم یکساں ہیں ۔

اور یہی وجہ سیادت ہے۔ ہم یہاں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ حرمت صدقات کے کیا کیا وجوہ ہیں۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ تمام بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے۔ یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ ان پر صدقہ حرام ہے لہذا یہ سید اصطلاحی معنی میں ہیں بے شک حرمت صدقہ بھی ایک شرف مخصوص ہے لیکن اصطلاحی اور عرفی سیادت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہمارے نبی نے کہیں یہ تعلیم دی ہے۔ کہ جن اشخاص پر صدقہ حرام ہے انہیں سید کہا جائے۔ ایسا کوئی حکم قرآن و حدیث و فقہ سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ حرمت صدمہ ایک خالص شرعی مسئلہ ہے اور وضع اصطلاح سید سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں بحث سیادت نسبی سے عرفی معنی میں ہے۔ اور بقول علما شریعت میں عرف کا اعتبار نہیں ہے آج تک کوئی ایسا حکم قرآن و حدیث و فقہ سے پیش نہیں کیا گیا کہ جن افراد پر صدقہ حرام ہے اور وہ مستحق خمس بھی ہیں نسباً سید کہلائے جائیں۔

امروہہ میں بعض ایسے شرفا کے خاندان آباد ہیں جو اپنے کو غیر فاطمی بنی ہاشم کہتے ہیں۔ مثلاً عقیلی و عباسی وغیرہ دیکھنا یہ ہے کہ ان خاندان والوں نے بھی اپنے کو گروہ سادات میں ہمیشہ سے شامل سمجھا ہے یا نہیں۔ اس مقام پر دو دستاویزوں کی نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا جن کی اصل ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اگر کوئی صاحب معائنہ فرمانا چاہیں تو قیام گاہ راقم الحروف پر اس غرض سے قدم رنجہ فرما سکتے ہیں۔ یہ دستاویزیں ان اشخاص کی طرف سے ہیں جن کی جماعت امروہہ میں عقیلی مشہور ہے۔ اور ان کا شجرہ نسب بھی تاریخ واسطیہ میں درج کیا گیا ہے۔

(۱) سوال می کند و گواہی حق می خواہد ضعف العباد مولوی محمد اسمٰعیل و محمد اسد اللہ و جان محمد پسران ابو محمد بن شیخ رکن الدین حازق و مسمی

اشفاق رسول وعلی بخش پسران عبدالوہاب بن ابو محمد مذکور و محمد مسعود بن خالقدیہ
بن شیخ غوث محمد حاذق وسماۃ زینب بنت ہدایت اللہ بن شیخ عبداللہ حاذق
وغیرہ بنائران خالقدیہ حاذق مذکور ساکن قصبہ امروہہ من اعمال سرکار سنبھل
از سادات عظام وقضاۃ اہل اسلام وچودھریاں وقانون گویاں راسخ الکلام
وجمہور انام از خواص وعوام سکنہ قصبہ مذکور برینوجہ کہ موازی سی بیگہ پختہ زمین
زرعی در موضع حسن پور کٹیہ علمہ پرگنہ مذکور بموجب اسناد پروانہ بمہر مغفرت پناہ
سید عبدالماجد وچکنامہ بمواہیر قاضی عبدالرسول ..... الخ

(۲) سوال می کند وگواہی حق می خواہد اضعف العباد خادم العلما مولوی
محمد اسمٰعیل بن شیخ ابو محمد بن شیخ رکن الدین حاذق وغیرہ ساکن قصبہ امروہہ
تابع سرکار سنبھل از سادات عظام وقضاۃ اہل اسلام..... الخ

یہ دونوں دستاویزات بارہویں صدی ہجری کے ختم پر تحریر ہوئی ہیں۔ اور مشاہیر ومعززین وقت کے علاوہ قاضی شہر سید الٰہ بخش صاحب کی مہر بھی ان پر موجود ہے۔ یہ دونوں دستاویزیں اس امر کو بطور قطعی ثابت کرتی ہیں کہ حضیلی جماعت کے افراد اپنے کو شیخ لکھتے تھے۔ اور گروہ سادات میں ان کا شمار نہ تھا۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ صاحب واسطیہ نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ان کی تاریخ واسطیہ میں سوائے سادات کے اور کسی قبیلہ کے حالات نہیں لکھے گئے ان کو درج تاریخ کر دیا ہے۔ اور اس خاندان کے افراد کے ناموں کے ساتھ لفظ سید بھی تحریر کیا ہے۔ ہم یہاں تاریخ واسطیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں:۔

"چونکہ سوائے سادات بنی فاطمہ کے اولاد حضرت خامس آل عبا علیہ التحیۃ والثنا

بموجب احادیث کے لفظ سید کا اختصاص و مصداق نہیں ہے۔ اس لیے
اس باب میں اوروں کی اولاد کا حال بیان نہیں ہوا۔ مگر حکیم سید احمد حسین صاحب
ڈپٹی محکمہ سنیٹری کمشنر مقام آگرہ تھے جواب پنشن پاتے ہیں۔ اور ان کے
والد حکیم سید اشفاق رسول بحکم نواب گورنر بہادر کونسل وکیل مقرر تھے۔
حسب فرمایش ان کے کسی قدر حال ان کا بوجہ سکونت اس محلہ کے شامل
کیا جاتا ہے۔" (تاریخ واسطیہ)

جائے غور ہے کہ وہ غیر فاطمی کو سید بھی نہیں کہتے۔ اور عملاً اس کے خلاف عقیلی۔ خاندان کے افراد کے ناموں کے ساتھ لفظ سید تحریر کرتے ہیں۔ صاحب تاریخ امروہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس گروہ کے جملہ اشخاص نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اس لیے ان کو زمرہ سادات میں صاحب واسطیہ نے شمار کیا ہے۔ بہرحال اس کی وجہ کچھ بھی ہو صاحب واسطیہ اس لغزش کا کوئی جواب نہیں پیش کر سکے اور جو عذر انہوں نے اس موقع پر تحریر فرمایا ہے وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ اگر بنو عقیل کے ناموں کے ساتھ لفظ سید لکھنا جائز ہے تو دیگر بنی ہاشم کو بھی گروہ سادات میں شمار کرنے سے کیا امر مانع ہے۔ صاحب واسطیہ کی اس غلطی پر تمام بزرگان سادات کو ہم نے معترض پایا۔

ان دو دستاویزات کے علاوہ جن کا ذکر اوپر گزرا بے شمار شہادتیں ایسی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امروہہ کے مبینہ غیر فاطمی بنو ہاشم نے اپنا شمار گروہ سادات میں بغرض اظہار نسب نہیں کیا ہے۔ از انجملہ ایک شہادت یہاں مولوی محب علی خاں صاحب مرحوم مصنف آئینہ عباسی کی نقل کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے:-

اور جو کہ یہ جگہ بود باش سادات کی ہے یعنے سادات بہت ہیں اور شرفا
تھوڑے ہیں ۔ لہذا یہ قصبہ امروہہ سادات مشہور ہے ۔ قریب سات سو
موضع معافی وجاگیر تصرف میں یہاں کے سادات اور شرفا کی تھی ۔ اسناد خمسہ
حکام وقتی سے ظاہر ہے ۔ سلاطین سابق کے سادات میں صدہا فرمان اور
عباسیوں میں دس بارہ ۔ اور گروہوں میں دو دو چار چار موجود ہیں
(از نقل آئینہ عباسی)

جناب مولوی محب علی خاں صاحب مرحوم اپنی جماعت کے ایک عالم باخبر اور باوقار شخص تھے ۔ ان کی تحریر دلیل قطعی اس امر کی ہے کہ وہ اپنی جماعت کو گروہ سادات میں شامل نہ فرما کر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ سادات کے علاوہ ہماری جماعت کے پاس بھی دس بارہ فرامین شاہی موجود ہیں جناب مولوی صاحب مرحوم نے صرف دو ہی جماعتوں کا ذکر معززین اہل اسلام میں سے کیا ہے ۔ جو امروہہ میں آباد ہیں ۔ یعنی گروہ سادات و شرفا اور چونکہ جناب ممدوح اپنے گروہ کو سادات میں داخل نہیں فرماتے ۔ بلکہ اس سے علیحدہ اپنی جماعت کو نمایاں طور پر ظاہر فرماتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ان کا شمار اسی جماعت میں ہے جسے شرفا سے موسوم کیا گیا ہے ۔ تمام آئینہ عباسی میں کسی ایک مقام پر بھی ذی علم مصنف نے اپنے یا کسی دوسرے عباسی کے نام کے ساتھ لفظ سید کا استعمال نہیں کیا ہے ۔ کیونکہ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ان کا شمار گروہ سادات میں نہیں ہے ۔ جن لوگوں کا شمار ہمیشہ سے سادات میں تھا اور ہے انہیں کو جناب مولوی محب علی خاں صاحب مرحوم نے بھی سادات میں لکھا ہے ۔ اور ان کے ناموں کے ساتھ تمام آئینہ عباسی میں لفظ سید حسب دستور لکھا گیا ہے ۔ مگر جن کا شمار سادات میں

نہ تھا ان کے ناموں کے ساتھ تمام آئینہ عباسی میں کسی جگہ بھی لفظ سید تحریر نہیں ہے۔ اور خلاف آئین ورواج کیوں تحریر ہوتا۔ اور اس کی مزید تائید جناب مولوی محمود احمد صاحب مؤلف تاریخ امروہہ کے شایع کردہ بعض قدیم کاغذات کے چربوں سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو دستاویز صورت حال کا چربہ متعلق صفحہ ۲۶۱ جس کی عبارت اس طرح ہے۔

سوال می کند گواہی حق می خواہد اضعف العباد شیخ علیم اللہ بن شیخ عبدالرحیم بن شیخ عنایت اللہ عباسی از دارثان شیخ محمد صالح مرحوم ساکن قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل از سادات عظام و قضاۃ اہل اسلام..... الخ

اسی طرح ملاحظہ ہو۔ پروانہ موسومہ شیخ عبدالرحیم عباسی جس کا چربہ صفحہ ۲۶۲ سے متعلق ہے۔ اس کی عبارت اس طرح ہے۔

گماشتہائے جاگیرداران وکروریان..... بدانند کہ بموجب فرمان عالی شان ..... از پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش شیخ عبدالرحیم وغیرہ ورثہ مولانای بابن مقرر است..... الخ

الغرض ہزارہا قدیم وجدید شہادتیں اس کی پیش ہوسکتی ہیں کہ غیر فاطمی بنی ہاشم کو بغرض اظہار نسب سید وسادات سے نہ کبھی مخاطب کیا گیا اور نہ اب کیا جاتا ہے۔ ان سب کے خلاف جناب مولوی محمود احمد صاحب سلمہم اللہ تعالےٰ مؤلف تاریخ امروہہ نے اس بیان کی تائید میں کہ تمام بنی ہاشم اصطلاحاً وعرفاً سید ہیں اپنی تاریخ امروہہ کی جلد چہارم تحقیق الانساب صفحہ ۲۲۰ پر یہ عبارت تحریر فرمائی ہے۔

"پس اگر اپنے بزرگوں کی اس تحریر کے خلاف شاہ ولایت رض کی نسل میں سے کوئی صاحب سیادت کے امین بٹوارہ بن کر بنی ہاشم میں سے جس کو چاہیں

سیادت کا سرٹیفکٹ عطا فرمائیں۔ اور جن سے ناراض ہوں ان کو محروم فرمائیں۔
اور کتب تاریخ و انساب کے اوراق کو بھی پیمائش کے گز سے ناپنے لگیں تو کون
صحیح العقل ان کے مہملات کو قابل توجہ قرار دے سکتا ہے"۔

بجواب ہذا جناب محترم کی خدمت میں التماس ہے کہ اپنے مسلمہ اصول کی بنا پر جناب بھی کاربند ہوں۔ اور اپنے بزرگوں کی تحریر کے خلاف جس کا ذکر بحوالہ آئینہ عباسی وغیرہ ابھی ہوا رائے قایم فرمانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائیں۔ اب رہا یہ امر کہ سیادت کا امین بٹوارہ کون ہے۔ عرض ہے کہ اس کا امین بٹوارہ وہی (الامین ؐ) ہے جس کی امانت و دیانت و سیادت و صداقت و نجابت و شرافت و اصالت و فخامت پر تمام عالم نے گواہی دی ہے۔ اور جس نے (سیدا شباب اھل الجنہ) و (سیدا العرب) و (سیدۃ النساء العالمین) و (سیدا ولاد آدم) اور کیا کیا القاب اعزاز و اکرام اپنے بٹوارہ میں دیگر بنی ہاشم سے الگ محض بنی فاطمہ کے مورثوں کے حصہ میں بلحاظ عظمت نسب و شوکت حسب کر دیے ہیں۔ اتنی سیادتیں یا اس سے زیادہ کسی میں یک جا جمع ہولیں۔ تو امید رکھنی چاہیے کہ جمہور مسلمین سے اسے بھی سید کا لقب بغرض اظہار نسب مل سکیگا۔ جیسا کہ بنی فاطمہ کو ملا اور تمام عالم نے اسے تسلیم بھی کرلیا حتیٰ کہ یہ ایک مستقل اصطلاح بغرض اظہار نسب بنی فاطمہ قرار پاگئی "و اتفاق است علما را کہ آنچہ کہ فضیلت در نسب حسنین راست کسے دیگر را نیست (سعادۃ الکونین) این سعادت بزور بازو نیست وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ایک اور بات بھی توجہ طلب ہے۔ اور وہ یہ کہ بیان کیا جاتا ہے کہ لقب سید کو مصر کے فاطمی خلفا نے سب سے پہلے اپنے لیے مخصوص کر لینا چاہا۔ مگر یہ رواج مصر تک محدود رہا اور ہندوستان میں ہمایون کے عہد حکومت سے شیعہ مذہب کو تقویت حاصل ہوئی اور مشائخ وصوفیہ کی امداد سے جو تفضیلیہ عقاید رکھتے تھے لفظ سید بنی فاطمہ سے مخصوص ہوگیا۔ ان بیانات کی تائید میں کوئی منقولی حوالہ نہیں ہے۔ اور یہ تمام بیانات تاریخی حقیقت سے بالکل خالی ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے کہ فاطمیین مصر نے اس لقب کو اپنے سے مخصوص کرنے کی کوشش کی تھی تو اب جب کہ انہیں اور ان کے حریف بنی عباس کی حکومت کو فنا ہو کر بھی صدہا برس گزر گئے۔ کیا وجہ ہے کہ سید کا اطلاق تمام ممالک اسلام میں الآن کما کان مخصوص بنی فاطمہ پر ہوتا ہے۔ اور وہ کونسی قوت بنی فاطمہ میں تھی اور ہے کہ اس لقب عزیز وجلیل سے گروہ بنی فاطمہ ہنوز مخاطب ہے۔ اور شاید ہمیشہ کے لیے یہ لقب ان کے ساتھ مخصوص ہوگیا۔ اور دیگر بنی ہاشم کو جمہور مسلمین نے اس سے محروم کر دیا۔ یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جا سکتا کہ فاطمیین مصر میں کوئی ایسی مافوق الفطرۃ قوت جذب وکشش تھی۔ کہ ان کے خاتمہ سے سیکڑوں برس بعد اب تک بھی تمام دنیائے اسلام اس جذب وکشش سے متاثر ہے۔ اور ان کے احکام وخیالات کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا ہے۔ یہاں تک کہ بنی عباس کے پانصد سالہ دبدبہ قیصری وشوکت عجمی کے اثر کو ان کے جذب وکشش نے اس قدر جلد زائل کر دیا کہ ان کی اولاد اور ہم قبیلہ افراد کو زمانہ میں اب کوئی بھی سید سے مخاطب نہیں کرتا۔ اور نہ ان کا شمار سادات میں ہوتا ہے یہ سب باتیں جب تک کہ زبردست تاریخی شواہد موجود نہ ہوں ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ اب رہا ہندوستان۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے

کہ سلطنت مغلیہ میں کسی وقت بھی مذہب شیعہ کو ایسا رسوخ حاصل نہیں ہوا جس سے اصطلاحات قدیم کے محل استعمال میں نمایاں تبدیلیاں واقع ہوئی ہوں۔ سلاطین مغل میں ایک سے زیادہ ایک بادشاہ اپنے مذہب کا پابند تھا۔ اور تمام سلطنت میں فقہ حنفی کی بموجب احکام وقوانین نافذ تھے۔ عالمگیر اورنگ زیب اور دیگر راسخ العقیدہ بادشاہوں کی اس دور میں کمی نہیں۔ ہزارہا علماء راسخین واولیاء کاملین اس دور سلطنت میں ہوئے۔ اور انھیں میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی اور خاندان شاہ صاحبان کے تمام جلیل القدر افراد اور بے شمار ایسی قابل فخر ہستیاں علما وصوفیا میں ہوئی ہیں۔ جن پر اہل سنت کو ناز ہے۔ کسی طرح بھی یہ باور نہیں کیا جاسکتا ہے کہ سلطنت مغلیہ میں شیعوں کو اس قدر قوت حاصل ہوگئی تھی کہ انہوں نے تفضیلیہ عقاید کے صوفیوں سے مل کر حکومت وقت اور جمہور مسلمین سے لفظ سید کو محض بنی فاطمہ سے مخصوص کرادیا۔ فاطمین مصر ہوں یا شاہان ہندوستان کسی طرح بھی بغیر مخصوص وآزاد شہادت کے یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس لقب سے دیگر بنی ہاشم کو محروم کیا گیا۔ تمام کتب تاریخ وتذکرہ شاہد ہیں کہ لفظ سید وسادات بنی فاطمہ ہی سے مخصوص رہے ہیں۔ اور ابھی تک ہیں۔ ہمایون اور اکبر کا عہد سلطنت بلافصل ہے۔ ہزارہا فرامین اور کتابیں اس عہد کی اور اس سے قبل وبعد کی موجود ہیں۔ ان سب میں لفظ سید و سادات کا جو مفہوم ہے وہ ہم میں سے کسی ایک پر بھی مخفی نہیں ہے۔ اور آج تک ان الفاظ سے وہی مفہوم لیا جاتا ہے۔ جو سینکڑوں سال قبل لیا جاتا تھا۔ وہ کونسی تاریخ یا تذکرہ کی کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ بنو عقیل سید کے لقب سے فلاں دور میں محروم کیے گئے اور عباسی فلاں دور میں یہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ ہماری یہ بحث صرف

لفظ سید و سادات کی مدتک ہے۔ کسی دوسرے لفظ مثلاً شریف وغیرہ سے ہماری اس بحث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

آل رسول اسی طرح ایک بحث یہ بھی ہے کہ آل رسول کون ہیں اور سلسلۂ نسب ماں سے لیا جاتا ہے۔ یا باپ سے۔ آل یعنی اولاد ہے مجازاً اس کا استعمال دوسرے طریقہ پر بھی ہوتا ہے مثلاً کلام اللہ میں ہے۔ (واغرقنا آل فرعون) یہاں آل سے مراد فرعون کے متبعین وغیرہ ہیں مگر آل رسول سے عرفاً و اصطلاحاً بغرض اظہار نسب بنی فاطمہ ہی مراد لئے جاتے ہیں۔ لفظ سید و آل رسول و آل محمد و آل احمد سے عرف میں بغرض اظہار نسب وہی اشخاص سمجھے جاتے ہیں جو حسنین کی نسل سے ہیں بے شمار اکابر نے اولاد حسنین کو ہمیشہ سے ابن رسول اللہ و آل رسول ہی کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ کسی دوسرے ہاشمی یا غیر ہاشمی کو اس طرح خطاب کرنا ثابت نہیں ہے۔ عارف شیراز حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

خدایا بحق نبی فاطمہ — کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من و دست و دامان آل رسول

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب شیخؒ نے جن کی جلالت قدر و عظمت شان محتاج تعارف نہیں ہے۔ آل رسول کی تخصیص بنی فاطمہ کے ساتھ کی ہے۔ مصرعہ آخر میں لفظ آل رسول مفسر ہے۔ لفظ بنی فاطمہ کا جو مصرعہ اول میں ہے۔ اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آل رسول بنی فاطمہ کیوں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلعم کی نسل جناب سیدۃ النساء العالمین کے بطن مطہر ہی سے چلی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب علی ابن ابی طالب) یعنی ہر نبی کی ذریت کو اللہ نے اس کے صلب میں رکھا ہے۔ اور میری ذریت کو علی کے صلب میں۔ نیز ملاحظہ ہو حدیث جسے ابن عمرؓ

سے طبرانی نے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ :-

ترجمہ: آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تمام لڑکیوں کی اولاد اپنے باپوں کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے اولاد فاطمہ کے کہ ان کا باپ میں ہوں (صواعق محرقہ)۔

اب اگر اس پر کسی کو اعتراض ہو کہ یہ نسل لڑکی سے کیوں چلی دراں حالیکہ (وما کان محمد ابا احد من رجالکم) موجود ہے تو اس کا جواب دینے والے نے ہم نہیں ہیں بلکہ خود ذات گرامی جناب سرور کائنات کی ہے۔ پھر تمام صلحا و علما و خواص و عوام امت جواب دہ ہیں۔ حسنین اور ان کی ذریت طاہرہ کو آل رسول کہتے آئے ہیں جس معنی اور جس مطلب سے خود رسول اور جمہور مسلمین نے ہمیشہ اس لفظ کو استعمال کیا ہے ہم بھی وہی معنی و مطلب اس کا لیتے ہیں۔ بیشمار اقوال اس بیان کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے حسنین کو اپنا بیٹا فرمایا۔ اور تمام امت نے ان کو رسول اللہ کا بیٹا سمجھا ہے۔ اکابر مفسرین و محدثین و متکلمین ہمیشہ سے حسنین کو ابن رسول اللہ سے یاد کرتے آئے ہیں۔ اور غایت وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بنی ہاشم یا غیر بنی ہاشم میں سے یہ شرف کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔ دوسرے کسی شخص کو نہ جناب رسول اللہ صلعم نے اپنا بیٹا فرمایا اور نہ تمام امت میں کسی نے بجز حسنینؑ اور ان کی ذریت طاہرہ کے کسی کو رسول کا بیٹا کہا یہ ایک شرف مخصوص ہے جو قسام ازل نے حسنین کے حصہ میں رکھا تھا۔ تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون الرشید عباسی جناب امام رضا کو ہمیشہ ابن رسول اللہ سے مخاطب کرتا تھا ملاحظہ ہوں شواہد النبوۃ وغیرہ۔ مگر کسی تاریخ میں یہ نہیں دیکھا گیا ہے کہ جناب امام ہمام نے مامون کو ابن رسول اللہ کہہ کر مخاطب کیا ہو۔ فرزدق جناب امام زین العابدین کی مدح کرتے ہوئے صحن حرم میں ہشام ابن عبدالمطلب خلیفہ اموی کے سامنے فی البدیہ کہتا ہے :-

هٰذا ابن خیر عباد اللہ کلھم　　هٰذا التقی النقی الطاھر العلم

بلبل شیراز جناب سعدیؒ بغداد کا مرثیہ لکھتے ہوئے بنی عباس کا نام اس طرح لیتے ہیں

خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ

یہاں آل مصطفیٰ تحریر نہیں کرتے۔ اور نہ کر سکتے تھے۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سر الشہادتین میں لکھتے ہیں:۔

ثبت بطرق متعددہ عن النبی صلعم قال ھما ابنای۔

علامہ فخر الدین رازی اپنی مشہور و معروف تفسیر کی جلد دوم میں فرماتے ہیں کہ۔ آیہ مباہلہ سے حسنین کا فرزند رسول ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی آنحضرت صلعم سے قرارداد کی صورت تھی کہ بیٹوں کو بلایا جائے گا۔ پس آنحضرت صلعم نے بیٹوں کو یعنے حسنینؑ کو بلایا پس لازم ہوا کہ حسنینؑ آنحضرت صلعم کے فرزند ہیں اور اس کی تائید سورہ انعام کی اس آیت سے ہوتی ہے جس میں ارشاد باری ہے کہ ابراہیم کی ذریت میں یحییٰ اور عیسیٰ ہیں۔ حالانکہ جناب عیسیٰ صرف اپنی والدہ کی طرف سے حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ اولاد دختری کو بھی بیٹا کہا جا سکتا ہے۔

یہی علامہ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر کی جلد اول میں بروایت شعبی لکھتے ہیں۔

ابن بعیر فقیہ خراسان کو پابجولاں حجاج کے پاس لایا گیا۔ حجاج نے دریافت کیا کیا تم حسنینؑ کو ذریت رسول سمجھتے ہو یحییٰ نے کہا بے شک اور پھر یحییٰ نے آیہ مباہلہ کو قصداً ترک کر کے سورہ انعام سے آیہ ووھبنا لہ اسحٰق ویعقوب۔۔۔ عیسیٰ کی تلاوت کی اور حجاج سے دریافت کیا کہ حضرت عیسیٰ کا باپ کون تھا۔ حالانکہ وہ بموجب اس آیت کے ذریت نوح میں داخل ہیں۔ (ترجمہ)۔

بہرحال ہر لفظ اپنے محل پر اسی معنی میں سمجھا جاتا ہے جس میں اہل زبان اسے عام طور پر بولتے ہیں جب آل رسول یا آل نبی بغرض اظہار نسب بولا جائے تو اس کے معنی مفہوم یہی ہوں گے کہ آنحضرت صلعم کی اولاد طاہرہ یعنی بنی فاطمہ کا ذکر ہے۔ اور یہی مطلب اس محل پر یعنی بغرض اظہار نسب علما و فقہائے عظام و خواص و عوام نے لیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں۔

سلسلہ میں مامون نے ایک دربار کیا جس میں تمام اعیان سلطنت و ارکین دربار موجود تھے منعقد کیا اور سب سے خطاب کر کے کہا آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں ان کی لیاقت کا اندازہ کر چکا ہوں نہ ان میں نہ آل نبیؐ میں۔ آج ایسا کوئی شخص موجود ہے جو حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعوی کر سکے۔ (المامون صفحہ ۴۳)

حضرت امام شافعی کا تفقہ فی الدین ضرب المثل ان کی دینداری و تقوی شعاری مسلم ہے آنجناب آئمہ مجتہدین میں نہایت درجہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں کی شان میں ابن خلکان نے تحریر کیا ہے۔

مثل الشافعی فی العلماء مثل البدر فی النجوم السماء کان واللہ معدن العلوم سید الناس افقہ الفقہا اقتدی بالنبی فی حسن قول و اما مہ البوار للسفہا۔

یعنی امام شافعی کی مثال علماء میں بدر کی سی ہے۔ آسمان کے باقی ستاروں میں قسم خدا کی کہ وہ علم کے معدن لوگوں کے سردار فقاہت میں تمام فقہا سے بڑھے ہوئے تھے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ باتوں میں اقتدا کی اور سفہا کے لیے ہلاکت تمام کی

الغرض یہ وہی مجتہد اعظم ہیں جن کی ہدایت پر عرب و بربر و مصر و شام وغیرہ کے کروروں مسلمان شب و روز عامل ہیں۔ مناسب ہے کہ امام موصوف نے جو کچھ آل محمدؐ کے

متعلق نظماً بیان فرمایا ہے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی توضیحی عبارت کے ساتھ یہاں نقل کر دیا جائے۔ تاکہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تشہد میں آل محمدؐ سے مراد تمام امت کے افراد ہی ہیں۔ اس پر غور کر سکیں۔ فرماتے ہیں مولانا ابوالکلام آزاد :۔

الحمد للہ۔ اہل بیت نبوت کی محبت سے قائض الام وایمان اندوزہوں اور اس عالم میں ہوں کہ جب خدا کے حضور میں عبادت کے لیے جاتا ہوں تو میری نماز بھی اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک آل محمد پر درود وسلام و تحیۃ کا ہدیہ پیشکش بارگاہ حضرت تبارک وتعالیٰ نہ کر لوں کہ اللّٰھم صل وسلم علےٰ سیدنا محمد وّ علےٰ آل محمدؐ کما صلیت وسلمت علےٰ ابراھیم وعلےٰ آل ابراھیم انک حمیدٌ مجید۔

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم — فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم — من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ (شافعیؒ)

میں تشہد میں درود کو اصطلاحی واجب نہیں بلکہ حقیقی واجب یعنی فرض سمجھتا ہوں۔

فنسال اللہ تعالیٰ ان یجعلنا علی اتباع الکتاب وقرنائہ اھل بیت النبی الکریم علیہ وعلےٰ الہ واصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ (الہلال جلد ۳ ص ۳۴)

یہی امام یہی مجتہد اعظم یہی خادم آستانہ رسول۔ یہی فدائے اولاد بتولؓ جناب امام شافعی رحمہ سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں

تاوب قلبی والفواد کئیب — وارق عینی والرقاد غریب
تزلزلت الدنیا لال محمد — وکادت لھم صم الجبال تذوب
فمن مبلغ عنی الحسین رسالۃ — وان کرھتھا انفس وقلوب

قتیل بلاجرم کان قمیصہ ۔۔۔ صبیغ بماء الارجوان خضیب

یصلی علی المختار من آل ھاشم ۔۔۔ و تعزی بنوہ ان ذا العجیب

لان کان ذنبی حب آل محمد ۔۔۔ فذلک ذنب لست منہ اتوب

ھم شفعای یوم حشری و موقفی ۔۔۔ وحبھم للشافعی نصیب

ترجمہ۔ میرا قلب آہیں بھرتا ہے۔ اور میرا دل غمگین ہے۔ میری چشم بے خواب ہے اور نیند ناپید ہے آل محمد کے لیے دنیا زلزلہ میں آگئی اور قریب ہے کہ سخت پہاڑ اس غم میں پگھل جائیں۔ کوئی ہے کہ حسین کو میری طرف سے یہ پیغام پہونچادے اگرچہ لوگوں کے دلوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گذرے حسین وہ مقتول بلاجرم ہیں۔ جن کی قمیص خون میں رنگی گئی۔ درود بھیجا جاتا ہے۔ برگزیدۂ اولاد ہاشم پر اور ان کی اولاد صاحب عزا بنی ہوئی ہے۔ دیکھو تو یہ کس قدر عجیب بات ہے۔ اگر دوستی آل محمد میرے لیے جرم قرار دیا جائے تو یہ ایسا گناہ ہے کہ میں اس سے توبہ کرنے والا نہیں۔ بیشک آل محمد روز قیامت میرے شفیع ہوں گے۔ اور ان کی محبت میں شافعی کو حصہ ملا ہے۔

یہ عبارات محض بر سبیل مثال اس لیے نقل کی گئی ہیں کہ اکابر فقہا و رجال علم کی رائے آل محمد کے مفہوم کے متعلق معلوم ہو سکے۔ ہمارا یہ کام ہرگز نہیں کہ مذہبی نقطۂ نظر سے کسی بحث کا تصفیہ یہاں کیا جائے بلکہ محض تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ بعض الفاظ کو علمائے امت اور خواص و عوام نے کس کس معنی میں لیا ہے۔ جن حضرات کو ان مباحث سے دلچسپی ہو کتب مناظرہ و تواریخ کے اوراق کا مطالعہ فرمائیں۔ ہم نے یہاں قصداً نہایت اختصار سے کام لیا ہے اور نہ اپنے ذاتی خیال کا اظہار یہاں مذہباً کیا ہے۔ بلکہ محض بعض الفاظ کی معنی

ومحل وقرینہ ہی سے بحث ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور وہ بھی محض اس غرض سے کہ بعض الفاظ کثیر الاستعمال کے صحیح مفہوم ومحل کے سمجھنے سمجھانے میں بعض حضرات نے غلطی کی ہے اور جو تاویلات بیان میں آئی ہیں وہ ایک طرف تاریخی حقیقت سے معرا ہیں۔ اور دوسری طرف لسانی نقطۂ نظر سے بھی لائق اعتراض ہیں۔ جو لوگ آل فرعون کے الفاظ سے استدلال کرنے کے عادی ہیں۔ ان سے دریافت کیا جائے کہ متبعین محمد ولشکر اسلام وغیرہ کے واسطے لفظ آل رسول بھی کہیں استعمال ہوا ہے یا نہیں۔ ہزاروں مقامات پر ہم نے بھی لکھا دیکھا ہے۔ مدرسہ مسلمانان۔ دار الاقامہ مسلمین لشکر اسلام جیوش مسلمین۔ وامثلہ ہزارہا الفاظ لیکن ان کی جگہ پر یہ الفاظ کبھی لکھے ہوئے نہ دیکھے۔ مدرسہ آل رسول۔ دار الاقامہ آل رسول لشکر آل رسول وغیرہ مسلم یونیورسٹی کا نام بدل کر اگر مسلمان یونیورسٹی یا محمڈن یونیورسٹی یا اسلامی یونیورسٹی رکھ دیا جائے تو کوئی قباحت لازم نہیں آتی لیکن اس کا نام بجائے مسلم یونیورسٹی کے آل رسول یونیورسٹی ہرگز نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ آل رسول کا مفہوم ہی جداگانہ ہے۔ اور جب کبھی سلسلہ نسب میں آل رسول کا ذکر آئے گا۔ ممکن نہیں کہ اس سے بنی فاطمہ کے علاوہ کسی سے بھی مراد لی جائے۔

اس بیان کی تائید میں نہایت آسانی سے ممکن ہے کہ اکابر متقدمین ومتاخرین کے ہزارہا اقوال پیش کر دیئے جائیں لیکن یہ الفاظ بجائے خود اس قدر متعارف ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی ان کے مفہوم ومحل کے اچھی طرح سمجھنے سے قاصر نہیں ہے۔ لہذا ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ ہر بچہ کو جو فارسی کا مبتدی ہو مکتب میں یہی سبق دیا جاتا ہے کہ آل رسول یہی بنی فاطمہ ہیں۔ جن کا توسل عارف شیرازی رح نے جناب باری عز اسمہ میں کس قدر نیاز مندانہ اصرار سے کیا ہے ؎

اگر دعوتم رد کنی و رد قبول　　من و دوست و دامان آل رسول

سچ ہے کہ یہ مقام شرف بنی ہاشم میں جناب رسول کریم کے بیٹوں ہی کو حاصل ہوا۔ آخر نسبت کتنی بزرگ ہے کیا اکابر امت و رجال علم و فضل سے کسی دوسری جگہ دیگر بنی ہاشم سے عاقبت بخیر ہونے کے لیے ایسا توسل دکھایا جاسکتا ہے۔ آج بھی عالم اسلام کے در و دیوار اس دودمان والا شان کی بزرگی و دستگیری کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ بغرض حصول برکت و دفع وبا و بلا آپ دروازوں پر لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔

لی خمسۃ اطفی بھا حر الوباء الحاطمہ　　المصطفی والمرتضی وابناھما والفاطمہ

اصلی اور حقیقی عقیدت مندانہ مدح و ثنا کی یہی شان ہوتی ہے۔ ہزاروں بادشاہ ظالم و جابر کی مدح و منقبت میں دنیا طلبی کے لیے شعرائے فصیح و بلیغ قصائد لکھے۔ مگر آج انھیں کوئی نہیں پوچھتا۔ اور ایک یہ مقبول انام ہستیاں ہیں کہ ان کے نام نامی سے آج بھی عالم اسلام کے در و دیوار آراستہ ہیں۔

اھل بیت اہل بیت کا لفظی ترجمہ اردو میں گھر والے ہیں۔ قرآن شریف میں سورہ احزاب میں یہ لفظ اس طرح واقع ہے:۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

حضرات شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد چہار معصومین (علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما) ہیں اہل سنت کے علما اس مسئلہ میں باہم مختلف الخیال ہیں۔ اکثر اکابر علمار اہل سنت بھی اہل بیت رسول اللہ کی تعیین و تشخیص میں علمار شیعہ کے ہم خیال ہیں اور یہی تسلیم کرتے ہیں کہ آیۂ مذکورہ میں اہل بیت سے مراد یہی چہار تن نامدار ہیں۔ کوئی اور فرد سوائے ان چاروں کے یہاں مخاطب نہیں ہے۔ اہل سنن کے اکثر علما کا یہی خیال ہے بعض علمار اہل سنت نے یہ بھی

بیان فرمایا ہے کہ ازواج نبی بھی اہل بیت میں داخل ہیں جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے مترشح ہوتا ہے اس سلسلہ میں جو روایت متواتر نقل ہوتی آئی ہے۔ اور جس پر سب متفق ہیں یہ ہے کہ جناب نبی کریم نے جناب علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام پر ردائے مبارک ڈالی اور ان کے حق میں فرمایا کہ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ اور پھر ان کے حق میں دعا فرمائی حضرت ام سلمہ نے جو وہاں موجود تھیں جناب رسول کریم سے اپنے متعلق دریافت فرمایا۔ تو ارشاد ہوا کہ تم خیر پر ہو (یا بروایت دیگر تم اپنی جگہ پر ہو) یہی ایک روایت ہے جو مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ میں بے شمار کتب احادیث و تفاسیر و تواریخ و مناظرہ وغیرہ میں علی التواتر نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ اور اسی سے مختلف علماء کرام نے اپنے اجتہادی اختلاف کی بنا پر ازواج نبی صلعم کے داخل اہل بیت ہونے نہ ہونے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے (ازانجملہ صاحب مدارک نے جو اپنی تفسیر میں ارقام فرمایا ہے) اس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

> پیغمبر نے چادر میں لپیٹا علی و فاطمہ و حسنین کو خود بھی اس چادر کے اندر ہوئے اور فرمایا کہ یہ ہیں اہل بیت میری یا خدا تو طاہر رکھ انھیں پس حضرت جبرئیل آیت خدائے تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے اور تبرکاً چادر میں داخل ہوئے (اور صاحب مدارک یہ بھی لکھتے ہیں کہ) عکرمہ کہتا ہے مراد ازواج ہیں بموجب ظاہر تفسیر کے کہ گھر میں ازواج رہتی ہیں لیکن حذری اور انس اور ام المومنین ام سلمہؓ اور عائشہؓ سب کہتی ہیں کہ یہ آیت حق میں علی و فاطمہ و حسنین کے ہے۔ اور اگر ازواج مراد ہوتیں بہ سبب سکونت نبی کے گھر کے تو البتہ خدا تعالیٰ فرماتا (لیذھب عنکن) یعنی ضمیر مونث سے ذکر فرماتا۔

اسی طرح دیگر کتب احادیث و تفاسیر و سیر میں مختلف روایتیں اور اقوال اس خیال کی

تائید میں موجود ہیں کہ اہل بیت رسول سے مراد اس آیت میں یہی چار تن نامدار ہیں مثلاً ملاحظہ ہو مسلم جلد دوم شرح نووی صہ ۲۸ کتاب وہ باب علامہ دولت آبادی و تفسیر درمنثور جلد پنجم (ینابیع المودۃ) و تفسیر نزل الابرار و مین العانی و مواہب لدنیہ وغیرہ وغیرہ یہاں تمام عبارات کی نقل ہو کر مخالف و موافق آرا پر تفصیلی تبصرہ کرنا ہماری غرض نہیں۔ نہ یہ ہمارا موضوع ہے۔ نہ ہم اس بحث کی تفصیلات میں پڑنا چاہتے ہیں مقصود اس بیان سے صرف اس قدر کہ شیعہ اس پر متفق ہیں کہ آیہ تطہیر مخصوص ہے ان چہار تن نامدار کی شان میں۔ اور بقول جناب محدث دہلوی اکثر علماء اہل سنت بھی عقیدہ شیعہ سے اس حد تک متفق ہیں لیکن بعض سنی علما نے اس سے اختلاف فرما کر ازواج نبی صلعم کو بھی اس میں داخل فرمایا ہے۔ آیہ تطہیر میں ازواج نبی صلعم کا شمول بین علماء اہل سنت متفقہ نہیں ہے۔ اور نہ تمام بنی ہاشم کے شمول پر اتفاق ہے بلکہ بعض مسائل کی طرح یہ بھی ایک زبردست اختلافی مسئلہ اہل سنت کے علماء میں مدت دراز سے چلا آرہا ہے۔ اور اپنے اپنے خیال و اعتقاد کی بموجب مختلف علمانے بسیط مقالات معقولی و منقولی دلائل کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں۔ اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ جمہور علماء اہل سنت تمام بنی ہاشم کو آیہ تطہیر کے تحت اہل بیت نبوی میں شامل سمجھتے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہے۔ البتہ بقول صاحب نزل الابرار بنی ہاشم اس پر متفق ہیں کہ آیہ تطہیر پنجتن پاک سے مخصوص ہے۔ اس مقام پر ہمارا یہ کام ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اپنے موضوع سے ہٹ کر مذہبی معتقدات پر نکتہ چینی کریں۔ یا اپنے خیال کی تائید میں اور مخالف خیال کی تردید میں دلایل و شواہد پیش کریں عیسیٰ بدین خود و موسیٰ بدین خود۔ ہم اس تحقیق کو تاریخی حد تک رکھنا چاہتے ہیں کسی خاص خیال اور اعتقاد پر اعتراض اور تردید ہمارا منشا ہرگز نہیں ہے۔ پس اس مقالہ کو ہم جناب فخر المحدثین سند المتکلمین مولانا شاہ عبدالحق صاحب دہلوی رح کا کلام نقل کر کے ختم کرتے ہیں جس سے ناظرین کو اچھی طرح

معلوم ہو جائے گا کہ اہل سنت میں اہل بیت رسول اللہ کے افراد کا تعین کس طرح کیا گیا ہے اور اس تعین پر علماء اہل سنت متفق ہیں یا نہیں :-

واختلاف است در آنکہ مراد با اہلبیت درین آیہ کریمہ کیست اکثر بر آنند کہ مراد با آن فاطمہؓ و حسن و حسینؓ و علی امت سلام اللہ علیہم اجمعین۔ چنانکہ اکثر روایات دال بر انست و انصاف آنست و نساء مطہرہ نیز داخل اند از جہت ندائے سیاق و سباق کلام در آن و نزول آیت در ایشان چنانکہ امراۃ ابراہیم علیہ السلام در قول وے رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت و چنانکہ در حدیث آمدہ است کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود در شمن ندارد ما را کہ اہل بیتم بیچ یکے مگر آن کہ در آر و او را خدائے تعالیٰ در آتش و خواندن آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم این چہار تن را و نشاندن ایشان در کساء مبارک۔ و پوشانیدن کساء قول وی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم ان ھؤلاء اھل بیتی (الحدیث) منافات ندارد و بدخول نساء مطہرہ در آں شمول و مضمل اذہاب رجس و ثبوت تطہیر مر ایشان را در روایت چہ از ام سلمہ آمدہ است کہ گفت گفتم من انا یا رسول اللہ من اھلک۔ پس فرمود آن حضرت وانت من اہلی و در روایتے وانت علی خیر۔

(مدارج النبوۃ)۔

اس کے بعد جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری روایت بھی نقل فرمائی ہے جس کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے :-

فرمود آن حضرت روزی بعباس رضی اللہ عنہ من در منزل خود باش بیرون مرو۔ باشد کہ تو فرد تنہا بیایم من پیش شما کہ مرا حاجتی ہاست۔ در شما پس چون آمد آن حضرت فراز گرفت بر ایشان ردائے مبارک خود را و در روایتے پوشانید رسول خدا کساء شریف خود را و

فرمود خداوندا این عم من است وصنو پدر من و این پسران وے اہل بیت من اند
بپوش ایشان را از آتش دوزخ۔ چنانچہ پوشیدم من ایشان را برداے خود پس آمین
کردند در و دیوار خانہ گفتند آمین آمین۔ و در روایتے باقی نمانده در خانہ سنگی و کلوخے
مگر کہ آمین کرد۔ و در روایت ترمذی از ابن عباس آمده کہ گفت پوشانید مارا آنحضرت
کساء مبارک خود را پس فرمود (اللّٰھم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاھرة
وباطنة لاتغادر ذنبا اللّٰھم احفظ فی ولده) و فرمود ترمذی حسن غریب
در شان حضرت عباس و پسران شریف و اولاد وی گفتہ کہ بعد از وے باشند واخبار
بخلافت ایشان و مدح ایشان بلبس سواد و اعزاز دین و تقویت ملت و ترغیب بر محبت
ایشان احادیث نقل کردہ اند کہ در میان رواۃ ان ضعفا و متروکا نند بلکہ مظان
کذب و وضع اند و ظاہر او وضع روایات آن اخبار و آثار در زمان خلافت ایشان است۔
واللہ اعلم (مدارج النبوۃ)۔

ان عبارات کے مطالعہ سے ہمارے ناظرین نے اچھی طرح اندازہ کرلیا ہوگا کہ آیۂ تطہیر میں
بخیال اہل سنت کون کون افراد داخل ہیں خلاصہ کلام یہ کہ شیعہ و اہل سنت کا اتفاق اس پر ہے کہ
یہ چہار تن نامدار یقیناً اہل بیت نبی ہیں۔ اور بقول بعض علماء اہل تسنن ازواج نبی صلعم بھی داخل
ہیں اور اس کے بعد جناب عباسؓ اور ان کے پسران ذی وقار کے داخلہ کے متعلق بھی
روایات ہیں جو بقول جناب سید المحدثین احسن المورخین حضرت شاہ صاحب قبلہ رحمتان
کذب و وضع ہیں۔ اور ایسی روایات بظاہر خلفاء بنی عباس کے عہد سلطنت میں خلفا کی
محبت کی ترغیب کے واسطے وضع کی گئی ہیں۔ جناب محدث دہلوی نے جو کچھ بنی عباس اور وضع
روایات کے متعلق تحریر فرمایا ہے اس کی تائید میں علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں تحریر فرماتے ہیں

فن تاریخ و درایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں دبا حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانے میں ہوئی جنہوں نے پورے نوے برس تک سندھ سے ایشیا کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں سر منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کی مدح میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانے میں بھی ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں لیکن نتیجہ کیا ہوا عین اسی زمانے میں محدثین نے علانیہ منادی کرادی کہ یہ سب جھوٹی روایات ہیں۔ آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے۔ اور بنو امیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے۔ اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے تھا۔ ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا کہ امیر المومنین اگر تو آنحضرت کے انتقال کے وقت موجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا پیدا نہ ہوتا۔ دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ اسی سر دربار ایک شخص نے اٹھکر کہا۔ تو جھوٹ بولتا ہے امیر المومنین کا باپ حضرت عباسؓ وہاں موجود تھا۔ اس کو کس نے پوچھا۔ مامون کو اس گستاخانہ لیکن معقول جواب کی تحسین کرنی پڑی (سیرۃ النبی جلد اول)۔

غرض مسلمانوں کا سواد اعظم (جس میں شیعہ و سنی شامل ہیں) اس پر متفق ہے کہ سادات کے اجداد امجاد علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اہل بیت نبی ہونے کا شرف عزیز و جلیل حاصل ہے اور بقول جناب سند المحدثین حضرت شاہ صاحب رح علماء اہل سنت کی اکثریت اسی طرف ہے۔ کہ یہی چہار تن نامدار علیہم السلام اہل بیت نبوی ہیں۔ اور یہی عقیدہ شیعہ بھی ہے۔ اہل بیت نبی

میں تمام بنی ہاشم کا شمول علماء اہل سنت کا متفقہ مسئلہ ہرگز نہیں ہے۔ نہ آج تک کسی نے متفقہ کہا ہے۔ بقول محدث دہلویؒ اکثر کی رائے اس کے خلاف میں ہے۔ پس جب اکثریت اس کے خلاف ہے تو یہ مسلمہ و متفقہ مسئلہ کہاں رہا۔

سادات کی فضیلت دیگر بنی ہاشم پر

بے شک یہ صحیح ہے کہ بنو ہاشم لحاظ نسب ایک ہی دادا کی اولاد ہیں بلکہ جمیع بنی آدم ایک ہی دادا کی اولاد ہیں لیکن ان میں اپنے مورثوں کے فضائل و محامد کے لحاظ سے فرق مراتب قائم ہے اور ہمیشہ سے سادات کرام یعنی بنی فاطمہ کو تمام بنی ہاشم میں امتیازی اور خصوصی شان لحاظ اپنے مورثوں کے حسب و نسب کے حاصل رہی ہے۔ خود آن حضرتؐ کا ارشاد ہے کہ خدا نے اولاد اسمٰعیل کو جمیع اقوام عالم سے برگزیدہ کیا۔ اور ان میں سے قریش کو برگزیدہ کیا۔ اور قریش میں سے بنی ہاشم کو برگزیدہ کیا۔ واصطفانی من بنی ھاشم (الحدیث) یعنی بنی ہاشم میں مجھے برگزیدہ کیا۔ اور بے شک کیوں نہ برگزیدہ ہو وہ ذات ارفع و اعلیٰ جس پر تمام عالم کی خوبیاں ختم ہوگئیں۔ و للہ در ما قال ؎ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

حضورؐ کا ارشاد ہے من بہترین خلقم از روے ذات و بہترین ایشان از روے نسب (مدارج النبوہ) پس کوئی شک نہیں کہ آپ کی اولاد بھی از روے نسب و ذات اقدس حضور صلعم بہترین بنی آدم ہے اور یہ شرف مخصوص ہے۔ جناب سیدۃ النساء العالمین فاطمہ زہرا کی اولاد امجاد کو بنی ہاشم میں سے کسی دوسرے کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔

خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اے فاطمہ میں نے اپنے خاندان میں افضل ترین شخص سے تیرا نکاح کیا ہے۔ (اصابہ و طبقات ابن سعد و سیرۃ النبی وغیرہ) پس اب کیسے

دوسری شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اور خود جناب مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کر دیا کہ بنی ہاشم میں افضل ترین شخص جناب اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔ اور بے شک آپ نے خدا و رسولؐ کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں اور جن کا اعتراف خود جناب باری تعالیٰ اور افضل ترین بنی آدم یعنی جناب سرور کونین صلعم اور تمام امت نے کیا ہے۔ وہ کسی دوسرے فرد بنی ہاشم سے ظہور میں نہیں آئیں۔ تمام علما اس پر متفق ہیں کہ باسانید حسنہ جس قدر احادیث جناب علی مرتضیٰؑ کے حق میں ہیں۔ وہ کسی دوسرے ہاشمی کے حق میں نہیں ہیں اور فی الواقع دیگر تمام بنی ہاشم میں کوئی شخص ان فضائل میں جناب علیؑ کا ہمسر نہیں۔

اتفاق است علما را کہ انچہ کہ فضیلت و نسب حسنینؑ را است کسے دیگر را نیست۔ (سعادۃ الکونین) پس حسنین کی نسبی فضیلت علما امت کی متفقہ قرار پائی ہے دیگر بنی ہاشم حسنینؑ اور ان کی اولاد امجاد سے فضیلت نسب میں ہمسر نہیں قرار دئے جا سکتے اور اس میں کسی چون وچرا اور حجت کی گنجایش نہیں کیونکہ یہ مسئلہ متفقہ علما ہے۔ اور تمام امت نے قولاً و فعلاً تحریراً و تقریراً سراً و علانیۃً غرض ہر طرح سے ہر زمانہ اور ہر زمین میں ہمیشہ سے تعظیم کیا ہے۔

فرق مراتب کے اظہار کے بھی مختلف طریقے متفقہ عمل سے قائم ہو چکے ہیں۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام کی جماعت جو تمام عالم میں سب سے برگزیدہ جماعت ہے باتفاق مسلمانان الفاظ علیہم السلام سے یاد کی جاتی ہے۔ انبیا کی جماعت کے علاوہ یہ الفاظ عظمت و تمجید کسی دوسری جماعت سے متعلق قرار نہیں دئے گئے لیکن اس میں صرف ایک ہی استثنا ہے وہ جماعت دنیا میں صرف سادات عظام کے اجداد کرام کی ہے یعنی جناب علیؑ و جناب فاطمہؑ اور ان کی اولاد امجاد کے اسمار گرامی کے ساتھ باوجود منصب نبوت پر فائز نہ ہونے کے الفاظ علیہ السلام و علیہم السلام

عام طور پر علما و غیر علما سب ہی استعمال کرتے ہیں اور بے شک کسی دوسرے ہاشمی سے یہ الفاظ تمجید و تعظیم آج تک کبھی متعلق نہیں کئے گئے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ شرف حسب و نسب بنی ہاشم میں کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ اکابر بنی عباس بھی جن کی نسبی مفاخرۃ اور نسلی فوقیت کے دعاوی سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جناب حسنین علیہما السلام کی نسبی فضیلت کے معترف رہے ہیں۔ ہارون الرشید کا قول ہے کہ **حسنین اہل سادات اور افضلیت میں سب سے مقدم ہیں**۔ (تاریخ الخلفا سیوطی) ہم نے خاص طور پر یہاں بنی عباس کی مثال اس لیے دی ہے کہ دنیاوی جاہ و جلال کے اعتبار سے یہ تمام بنی ہاشم میں ممتاز اور نسبی فوقیت کے دعاوی میں تاریخ میں سب سے زیادہ مشہور ہیں حتیٰ کہ ان میں سے ایک بھائی نے اپنے دوسرے بھائی کے مقابل بھی نسبی مفاخرہ کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے امین الرشید عباسی نے اپنے بھائی مامون کے مقابل جو برتری کا دعوی کیا ہے وہ تاریخ میں درج ہے۔ ان اشعار کا ترجمہ ہم تاریخ الخلفا سیوطی سے نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے:

تو اپنے اوپر ہرگز فخر نہ کر فخر تو نجیب الطرفین کے واسطے ہے۔ جب لوگ فخر کرنے لگیں تو تو الگ ہٹ جا کیونکہ تو اس قابل نہیں ہے۔ تو منبر پر روزانہ بڑائی مارتا ہے۔ مگر میرے بعد تخت خلافت پر نہ آئے گا۔ جو تیری فضیلت بیان کرتا ہے۔ وہ تجھے عیب لگاتا ہے۔ اور تو میرے حق میں مقابل باطل کرتا ہے۔

اللہ اللہ یہ وہی امین الرشید عباسی ہاشمی ہے کہ جب اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تو قتل ہونے سے چند لمحے قبل تکیے کو اپنی سپر بنا کر بے اختیار رجلا رجلا کر اس نے کہنا شروع کیا:۔

"(انا ابن عم رسول اللہ۔ انا ابن ہارون۔ انا اخو المامون۔ اللہ اللہ فی دمی)۔ اللہ اللہ فی دمی)"۔ انہی امین کا باپ ہارون ہے جو حسنین کے اہل سادات اور افضلیت میں سب سے مقدم ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ اور ہارون و مامون وغیرہ

ہی نہیں۔ تمام عالم اس سیادت و بزرگی پر شہادت دیتا آیا ہے۔ کیا یہ نسبی فضیلت دیگر بنی ہاشم میں ثابت کیجا سکتی ہے۔

اس سیادت اور بزرگی کا اعتراف امت محمدیؐ نے ایک دوسرے طریقہ پر اپنے عمل سے بھی کیا ہے اعتراف لسانی و اعتقادی کے بعد اقرار عملی سے تصدیق بالائے تصدیق اس بزرگی اور محبت کی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اشخاص کے نام ہمیشہ وہ رکھے جاتے ہیں جو محبوب و مرغوب ہوں نہ کہ مردود و مبغوض۔ ہر چند کہ خدا کے گھر محض اعمال کی پرسش ہے۔ اور خدا کے نزدیک اکرم وہی ہے جو اتقیٰ ہے۔ نام کچھ بھی کسی شخص کا ہو خدا کے گھر اعمال ہی دیکھے جائیں گے لیکن متفقہ عمل تمام عالم کا یہ ہے کہ مکروہ ناموں سے احتراز واجبی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابلیس و فرعون و ہامان و شدّاد وغیرہ ناموں سے احتراز کیا گیا ہے کہ یہ سب خدا کے دشمن تھے۔ کیا دنیا میں کسی مسلمان کا کوئی نام ان ناموں پر رکھا جاتا ہے ہرگز نہیں۔ نام وہی رکھے جاتے ہیں۔ جو عزیز و محبوب ہوں۔ جن بزرگوں کے ناموں کی بقا مقصود ہو انہیں کے ناموں پر ہمیشہ نام رکھے جاتے ہیں کہ اس تقریب سے اس بزرگ کا نام بار بار زبان پر آنے کا ایک بہانہ ہاتھ آتا ہے۔ جس سے بقاء نام بھی مقصود ہے۔ اور اس محبت کا اظہار بھی مقصود ہوتا ہے جو اس بزرگ کی ذات سے ہے۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ تمام عالم میں اسی طرح عمل رہا ہے اور اب بھی یہی عمل ہے اور آئندہ بھی یہی رہے گا۔ یہ ایک ایسا متفقہ عمل تمام دنیا کا ہے جس سے نہ آج تک کسی نے انکار کیا ہے۔ نہ اب کسی کو مجال انکار ہو سکتی ہے اسی عمل کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں فرعون شیطان۔ ابوجہل وغیرہ نام قطعاً معدوم ہیں۔ برخلاف اس کے جو ہستی سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہے۔ اس کے نام پر مسلمانوں کے جس قدر نام ہیں اتنے کسی دوسری ہستی کے ہرگز نہیں۔ یعنی وہ محبوب ترین اور عزیز ترین ہستی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے جس قدر نام احمد و محمدؐ کے نام پر رکھے گئے ہیں اور جس کثرت سے یہ نام نامی مسلمانوں کی جماعت میں پایا جاتا ہے کوئی دوسرا نام اس کثرت سے نہیں ہے۔ اس کے بعد ہستیاں ہیں جن سے حضور صلعم کی قرابت قریبہ اور محبت و الفت کا تعلق ہے اور جو اپنے خادم خدا و رسول و سابقون الاولون میں ہیں۔ اس دعوت کی صداقت پر تمام عالم اسلام گواہ ہے کہ ہر اس مقام پر جہاں چند مسلمان بھی پائے جائیں ناممکن ہے کہ ان اسمار گرامی میں سے سب یا چند کے نام نہ پائے جائیں۔

دنیائے اسلام کا کوئی شہر کوئی گاؤں کوئی محلہ کوئی گلی حتی کہ کوئی گھر ایسا نہ نکلے گا جس میں ان ناموں کا وجود نہ پایا جائے کہ جن اشخاص کے یہ نام ہیں خود رسول کریم صلعم کو ان سے بے حد الفت تھی اور بارگاہ رسالت میں انکی ذات مکرم تھی۔ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ سادات عظام کے اجداد کے اسمار گرامی جس کثرت سے دنیائے اسلام میں ملتے ہیں دیگر بنی ہاشم کے نرگوں کے نام نہیں ملتے دنیائے اسلام اس پر گواہ ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ کے نام جس کثرت سے ہیں عقیل و حارث و جعفر و عباس و ابن عباس کے نام اسی قدر قلت سے ہیں۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ یہ چار تن علیہم السلام اپنی حسبی و نسبی خصوصیات میں دیگر بنی ہاشم سے اعلیٰ و افضل مانے جاتے ہیں۔ اور جو بزرگی بنی ہاشم میں ان چہار تن سے وابستہ ہے دیگر افراد سے ہرگز نہیں ہماری اس تحریر سے ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم دیگر اکابر بنی ہاشم کی (معاذ اللہ) توہین یا تنقیص کر رہے ہیں حاشا ثم حاشا یہ تمام اکابر بنی ہاشم ہمارے نزدیک نجوم ہدایت و سرچشمہ سعادت ہیں۔ مگر فرق مراتب کے اعتبار سے ان میں کوئی شمس ہے اور کوئی قمر ہے۔ اور ہر فرد اپنے فضائل و محاسن کا حامل و جامع ہے اور کیوں نہ ہو کہ انہیں میں وہ فدائے اسلام جناب سید الشہدا حمزہؓ شہید احد کی ذات اقدس ہے جن کی شہادت پر بار بار جناب رسول اللہ صلعم نے گریہ فرمایا۔ یہ وہی جناب حمزہؓ ہیں جو حضور کے خیر اعمام ہیں۔ (الحدیث)۔

مقصد اس تحریر سے صرف اس قدر ہے کہ بنی ہاشم میں جو امتیازی شان بنی فاطمہ کو حاصل ہے اس کا اظہار عالم اسلام میں منجملہ دیگر طریقوں کے اس طریقہ سے بھی کیا گیا ہے کہ ان کے ناموں پر جس کثرت سے امت محمدی میں نام رکھے گئے ہیں کسی دوسرے ہاشمی کے نام پر نہیں رکھے گئے۔ اور بیشک اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لحاظ حسب ونسب امت محمدی میں یہ ہستیاں جس قدر عزیز ومحبوب ہیں۔ دیگر بنی ہاشم کی ہستیاں اس قدر عزیز ومحبوب نہیں ہیں۔ تمام عالم اسلام کی اس متفقہ شہادت عملی سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اس کی تائید دوسرے طریقے پر عالم اسلام کے متفقہ ترک عمل سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ جن افراد نے ان چہار تن نامدار سے عداوت رکھی اور مخالفت کی یا ان کے یا ان کی اولاد کے دشمن کہلائے ان کے نام پر باوجود ان کی عظمت وشوکت وشہرت کے کوئی شخص اپنا یا اپنے متعلقین کا نام رکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کیونکہ ایسی تمام ہستیاں جو سادات کی مخالفت میں مشہور ہیں امت محمدی کے نزدیک مبغوض ونامحمود ہیں اور جس طرح مقبول ومحمود ہستیوں کے نام پر نام رکھنے کا عمل جاری ہے۔ اسی طرح مبغوض ونامحمود ہستیوں کے ناموں کے متعلق ترک عمل اور مقاطعہ کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ یزید وشمر وغیرہ کے نام کیوں نہیں رکھے جاتے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ یہ ہستیاں سادات کرام کی دشمنی میں خاص طور پر بدنام ہیں۔ کیا کوئی مثال ایسی بیان کی جاسکتی ہے کہ فلاں مقام پر اس وقت محمد شمر یا یزید احمد وغیرہ نام رکھے جاتے ہیں۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔ بخلاف اس کے ان چہار تن نامدار کے ناموں سے کوئی گوشہ خالی نظر نہ آئے گا۔ اس وقت نو دس کرور مسلمان سرزمین ہند پر بھی آباد ہیں اور ان میں ہر خیال اور ہر طبقہ کے مسلمان کم وبیش موجود ہیں لیکن غور طلب یہ ہے کہ ان نو دس کروروں میں سے کسی ایک کا نام بھی ان مشہور مگر نامقبول ہستیوں

میں سے اتفاقاً کسی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ سب سے بڑی جماعت جو اس وقت ہندوستان میں قرآن و حدیث تعلیم کی علمبردار ہونے کی مدعی ہے۔ وہ اہل دیوبند کی ہے۔ اور عقیدۃً اہلسنت میں اشد و شدید ہونے کیلئے خاص طور پر مشہور بلکہ وہابی جماعت کہی جاتی ہے۔ دیکھیے کہ اس جماعت میں محمود حسن (شیخ الہندؒ) و اشرف علی و حسین احمد و مرتضیٰ حسن و شبیر احمد وغیرہ اس جماعت کے اکابر کے نام موجود ہیں۔ اور بکثرت و بتواتر موجود رہے ہیں لیکن آج تک کسی بندہ خدا کا نام ہم نے بجائے محمود و حسین وغیرہ کے محمود یزید و اشرف یزید و یزید احمد و محمد شمر وغیرہ ہرگز نہیں سنا۔ بلکہ ان نامقبول ناموں کا پیوند ہی ان متبرک ناموں کے ساتھ سامعہ خراش معلوم ہوتا ہے۔ ان چہار تن نامدار کے نام جس قدر مقبول ہیں اسی قدر ان کے اعدا کے نام نامقبول و مردود ہیں اور بے شک بنی ہاشم میں سے یہ شرف صرف سادات ہی کو حاصل ہوا ہے۔ کہ ان کے بزرگوں کے نام امت محمدی میں اس قدر عزیز و محبوب و مقبول ہیں کہ کسی دوسرے ہاشمی کے نہیں ہیں۔ اور اسی قدر ان کے اعدا کے نام مبغوض و نامقبول بھی ہیں۔ دیگر ہاشمی جماعتوں کا عمل بھی قابل دید ہے کہ ان میں بھی سادات کے ناموں کی کثرت ملے گی۔ شاذ ہی عباسیوں میں ایک دو کے نام ہارون الرشید و مامون الرشید کے نام پر پائے جائیں لیکن سادات کے مورثوں کے ناموں پر اس جماعت میں بھی بکثرت و بتواتر نام ملیں گے۔ انیسویں صدی عیسوی میں امروہہ کی مشہور ترین ہستی اس جماعت میں جو عباسی کہی جاتی ہے صاحب آئینۂ عباسی کی ہے ان کا نام نامی محب علی خاں ہے لیکن ان میں سے شاذ ہی کسی کا نام محب منصور خاں یا محب متوکل خاں نظر آئے۔ اور کیوں نظر آئے کہ یہ سلاطین اولاد رسول کے قتل و خون ریزی کی وجہ سے خاص طور پر تاریخ اسلام میں ننگ نام نہیں ہیں۔ اکابر اہل اسلام ان خون ریزیوں اور اولاد رسول کے ظالمانہ قتل پر خون کے

آنسو روتے آئے ہیں۔ اب تک یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور شائد ان مظلومین کے خون ناحق پر
محبان آل رسول قیامت تک آنسو بہاتے رہیں گے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ہم یہاں ایک
دو راسخ العقیدہ اور مستند و مقبول زمانۂ حال کے مصنفین کے کلام کی نقل پر بس کرتے ہیں۔
ورنہ ان کے مظالم کے تفصیلی حالات سے کتب تاریخ و سیر کے دفتر بھرے پڑے ہیں ہم کہاں تک
ان کی نقل کر سکتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی منصور کے مظالم کا حال نظماً بیان فرماتے ہیں:۔

مدتوں حضرت عباس بھی تھے شامل کفر
کم سے کم یہ کہ رسالت پہ تھا ان کو یقین

بدر میں آکے لڑے اور گرفتار ہوئے
بس کہ تقدیر میں تھی خانہ زنداں کی زمین

قیدیوں کے لیے جو گھر کہ ہوا تھا تیار
اتفاقات سے تھا خانۂ مسجد کے قرین

رات کو حضرت عباس کراہے اکثر
قید کرتے ہوئے لوگوں نے جو شکلیں تھیں کسیں

دیر تک سرور عالم کو رہی بے خوابی
کروٹیں لیتے تھے اور نیند نہ آتی تھی قرین

وجہ پوچھی جو صحابہ نے تو یہ فرمایا
آتی ہے کان میں عباس کی آواز حزین

جب سنا یہ تو وہیں کھول دئے ہاتھ انکے
چین سے حضرت عباس نے راتیں کاٹیں

تھا انہیں حضرت عباس کا پوتا منصور
جو کہ ایوان خلافت میں ہوا تخت نشین

ایک دن حکم دیا اس نے کہ اولاد رسول
ایک جا جمع کئے جائیں جو مل جائیں کہیں

پھر دیا حکم کہ ان سب کو پنھا کر زنجیر
کہہ دو ان سے کہ بنیں خانۂ زنداں کے مکین

ایک دن سیر کو اس شان سے نکلا منصور
پابہ زنجیر تھے سادات یسار اور یمین

ساتھ ساتھ آتے تھے پیدل جگر و جان رسول
اور منصور تھا زیب حرم خانۂ زین

ایک نے مجمع سادات سے بڑھ کر یہ کہا — گرچہ اس لطف کے ممنون ہیں ہم خاک نشین
غزوہ بدر میں لیکن جو کیا ہم نے سلوک — وہ تو کچھ اور تھا ہے یاد بھی تم کو کہ نہیں

زمانہ حال کے ہندوستان کے سب سے بڑے اور مستند زندہ مورخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مدظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں :-

مضور نے اس تحریر کو پڑھتے ہی محمد بن عبد اللہ عمرو بن عثمان کو قید خانے سے بلا کر جلاد کے سپرد کیا اور ان کا سر اتروا کر خراسان بھیج دیا اس سر کے ساتھ چند آدمی ایسے بھیجے گئے جنہوں نے جا کر قسم کھا کر شہادت دی کہ یہ سر محمد بن عبد اللہ کا ہے اور ان کی دادی کا نام فاطمہ بنت رسول اللہ تھا۔ اس طرح اہل خراسان کو دھوکا دیا گیا کہ محمد مہدی قتل ہو گئے اور یہ انھیں کا سر ہے۔ پھر منصور نے محمد بن ابراہیم بن حسن کو زندہ ایک ستون میں چنوا دیا۔ اس کے بعد عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علیؑ اور علی بن حسن بن علی کو قتل کیا گیا۔ پھر ابراہیم بن حسن بن حسن بن علیؑ اور عباس بن حسن بن حسن بن علیؑ وغیرہ کو سخت اذیتوں کے ساتھ قتل کیا گیا منصور کی یہ سنگدلی اور قساوت قلبی نہایت حیرت انگیز ہے۔ بنو امیہ علویوں کے مخالف اور دشمن تھے اور عباسی تو اب تک علویوں کے ساتھ شیر و شکر چلے آتے تھے۔ بنو امیہ کی علویوں سے کوئی قریبی رشتہ داری نہ تھی لیکن عباسیوں اور علویوں کا تو بہت ہی قریبی رشتہ تھا۔ علویوں نے بنو امیہ کی سخت مخالفت کی تھی اور بارہا بنو امیہ کے خلاف تیر و تلوار کا استعمال کر چکے تھے لیکن بنو عباس کے خلاف ابھی تک انھوں نے کوئی جنگی مظاہرہ بھی نہیں کیا۔ ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھو اور سوچو کہ بنو امیہ نے کسی علوی کو محض

شہ میں گرفتار کر کے قتل نہیں کیا۔ بلکہ ان کے ہاتھ سے وہی علوی قتل ہوے جو میدان جنگ میں لڑتے ہوے مارے گئے۔ مگر منصور نے بالکل بے گناہ اولاد حسن کے کتنے افراد کس قساوت قلبی اور بے دردی کے ساتھ قتل کئے ہیں منصور کا یہ قتل سادات جرم وگناہ کے اعتبار سے یزید بن معاویہؓ کے قتل حسینؓ سے بڑھ چڑھ کر نظر آتا ہے۔ شاید اسکا نام دنیا ہے۔ جس کی ہوس میں انسان اندھا ہو کر ہر ایک ناشدنی کام کر گذرتا ہے۔

(تاریخ اسلام اکبر خانی)

یہ وہی منصور خلیفہ عباسی ہیں جن سے محمد مہدی نفس زکیہ الحسنی سے مشہور تاریخی مراسلت ہوی ہے۔ ہم اسے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے یہاں تاریخ اسلام اکبر خانی سے نقل کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ کس طرح منصور نے اولاد رسول کی اہانت و ایذا پر کمر باندھ رکھی تھی۔ جب اولاد رسول کے بے گناہ قتل اور منصور کے مظالم کی کوئی حد باقی نہ رہی اور اولاد رسول کی عافیت ہر طرح خطرہ میں پڑگئی تو آخر یہ بیچارے کیا کرتے انھوں نے بھی بمصداق تنگ آمد بجنگ آمد باوجود اپنی بے کسی اور بے بسی کے تلوار ہاتھ میں لی اور عزت کی موت کو ذلت اور خدشہ کی زندگی پر ترجیح دی۔ منصور نے ابتداً مہدی نفس زکیہ سید حسنی کو یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا ویصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لھم خزی فی الحیوۃ الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔

میرے اور تمہارے درمیان اللہ اور اس کے رسول کا عہد و میثاق اور ذمہ ہے

میں تم کو تمہارے خاندان کو اور تمہارے متبعین کو جان اور مال و اسباب کی امن دیتا ہوں۔ نیز اب تک تم نے جو خونریزی کی ہو یا کسی کا مال لے لیا ہو اس سے بھی درگذر کرتا اور تم کو ایک لاکھ درم اور دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ جو تمہاری اور کوئی حاجت ہوگی وہ بھی پوری کر دی جائے گی جس شہر کو تم پسند کرو گے اسی میں مقیم کئے جاؤ گے۔ جو لوگ تمہارے شریک ہیں۔ اس امن دینے کے بعد ان سے کبھی مواخذہ نہ کروں گا۔ اگر تم ان باتوں کے متعلق اطمینان کرنا چاہتے ہو تو اپنے معتمد کو میرے پاس بھیجکر مجھ سے عہد نامہ لکھوالو اور ہر طرح مطمئن ہو جاؤ۔

یہ خط جب محمد مہدی نفس زکیہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ:۔

طسم۔ تلك ایات الکتاب المبین نتلوعلیك من انباءِ موسیٰ وفرعونَ بالحق لقومٍ یومنون ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعاً یستضعف طائفة منهم یذبح ابناءهم ویستحی نساءهم انه کان من المفسدین ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثین ونمکن لهم فی الارض و نری فرعون وهامان وجنودهما منهم ما کانوا یحذرون۔

ہم تمہارے لیے ویسا ہی امان پیش کرتے ہیں جیسا کہ تم نے ہمارے لئے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہمارا حق ہے۔ تم ہمارے ہی سبب سے اس کے مدعی ہوئے اور ہمارے ہی گروہ والے بن کر حکومت حاصل کرنے کو نکلے اور اسی لیے کامیاب ہوئے۔ ہمارا باپ علی وصی اور امام تھا۔ تم اس کی ولایت کے وارث کس طرح ہو گئے۔ حالانکہ ان کی اولاد موجود ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم جیسے شریف و صحیح النسب لوگوں نے حکومت کی خواہش

نہیں کی ہم ملعونوں اور مردودوں کے بیٹے نہیں ہیں۔ بنو ہاشم میں کوئی قرابت و نسبت
فضیلت میں ہمارا ہمسر نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ہم فاطمہ بنت عمرو کی اولاد میں
سے ہیں اور اسلام میں فاطمہؓ بنت رسول اللہ کی اولاد میں ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے
ہم کو تم سے برتر و بہتر بنایا ہے۔ نبیوں میں ہمارے باپ نبی صلعم ہیں جو سب سے افضل ہیں
اور سلف میں علی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اور ازواج مطہرات
میں سب سے پہلے خدیجۃ الکبریٰ نے قبلہ کی طرف نماز پڑھی۔ لڑکیوں میں فاطمہ سیدۃ النساء
دختر رسول اللہ ہیں۔ جن کو تمام جہاں کی عورتوں پر فضیلت ہے۔ مولودین اسلام میں حسن
و حسین ہیں جو اہل جنت کے سردار ہیں۔ ہاشم سے علیؓ کا دوہرا سلسلۂ قرابت ہے۔ اور حسنؓ کا
عبدالمطلب سے دوہرا سلسلۂ قرابت ہے۔ میں باعتبار نسب کے بہترین بنی ہاشم ہوں۔
میرا باپ بنی ہاشم کے مشاہیر میں سے ہے۔ مجھ میں کسی عجمی کی آمیزش نہیں۔ اور نہ کسی لونڈی
یا باندی کا اثر ہے۔ میں اپنے اور تمہارے درمیان خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ اگر تم
میری اطاعت اختیار کرلوگے تو میں تم کو تمہاری جان و مال کی امان دیتا ہوں۔
اور ہر ایک بات سے جس کے تم مرتکب ہو چکے ہو درگذر کرتا ہوں مگر کسی حد کا حد و اللہ
سے یا کسی مسلمان کے حق یا معاہدہ کا میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔ کیونکہ اس معاملہ میں جیسا
تم جانتے ہو میں مجبور ہوں۔ یقیناً میں تم سے زیادہ مستحق خلافت اور عہد کا پورا کرنے والا
ہوں۔ تم نے مجھ سے پہلے بھی چند لوگوں کو امان اور قول دیا تھا پس تم مجھے کونسی امان
دیتے ہو۔ امان ابن ہبیرہ کی یا امان اپنے چچا عبداللہ کی۔ یا امان ابومسلم کی۔

منصور کے پاس مہدی نفس زکیہ کا یہ خط پہونچا تو اس نے بہت پیچ و تاب کھایا اور اس کا
یہ جواب لکھ کر نفس زکیہ کے پاس روانہ کیا:۔

میں نے تمہارا خط پڑھا۔ تمہارے فخر کا دار و مدار عورتوں کی قرابت پر ہے جس سے بازاری لوگ دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چچاؤں۔ اور ولیوں کی طرح نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے چچا کو باپ کا قائم مقام بنایا ہے۔ اور اپنی کتاب میں اس کو قریب ترین ماں پر مقدم کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ عورتوں کی قرابت کا پاس و لحاظ کرتا تو آمنہ (مادر رسول اللہ صلعم) جنت میں داخل ہونے والوں کی سردار ہوتیں۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی مرضی کے موافق جس کو چاہا برگزیدہ کیا۔ اور تم نے جو فاطمہ ام ابی طالب کا ذکر کیا ہے تو اس کی حالت یہ ہے کہ خدا نے اس کے کسی لڑکے اور کسی لڑکی کو اسلام نصیب نہیں کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ مردوں میں سے کسی کو بوجہ قرابت برگزیدہ کرتا تو عبداللہ بن عبدالمطلب کو اور بیشک وہ ہر طرح بہتر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لیے جس کو چاہا اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشآء وھو اعلم بالمھتدین۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو مبعوث کیا تو اس وقت آپ کے چار چچا موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل فرمائی چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو عذاب سے ڈرایا۔ اور دین حق کی طرف بلایا۔ ان چاروں میں سے دو نے اس دین کو قبول کیا جن میں سے ایک تو میرا باپ تھا۔ اور دو نے دین حق قبول کرنے سے انکار کیا ان میں سے ایک تمہارا باپ ابوطالب تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا سلسلۂ ولایت آپ سے منقطع کر دیا اور آپ میں اُن دونوں میں کوئی عزیز داری اور میراث قائم نہ کی جس کی بابت جو تم نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب سے ان کا دوہرا سلسلہ قرابت ہے اور پھر تم کو رسول اللہ سے دوہرا رشتہ قرابت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم خیرالاولین والآخرین ہیں

ان کو ہاشم اور عبدالمطلب سے صرف ایک پدری تعلق تھا۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ تم بہترین بنو ہاشم ہو۔ اور تمہارے ماں باپ ان میں زیادہ مشہور تھے اور تم میں عجمیوں کا میل اور کسی لونڈی کا لگاؤ نہیں ہے میں دیکھتا ہوں کہ تم نے کل بنو ہاشم نے اپنے آپ کو زیادہ مفتخر بنا دیا ہے۔ ذرا غور تو کرو تم پر تف ہے کل خدائے تعالیٰ کو کیا جواب دو گے۔ تم نے حد سے زیادہ تجاوز کیا اور اپنے آپ کو اس سے بہتر بنایا جو تم سے ذات و صفات میں بہتر ہے یعنی ابراہیم بن رسول اللہ باخصوص تمہارے باپ کی اولاد میں کوئی بہتر و اہل فضل سوائے کنیزک زادوں کے نہیں ہے۔ بعد وفات رسول اللہ صلعم تم میں علیؑ بن حسینؑ یعنی امام زین العابدین سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ کنیزک کے لڑکے ہیں۔ اور وہ بلاشبہ تمہارے دادا حسن بن حسن سے بہتر ہیں۔ ان کے بعد کوئی شخص پیدا محمد بن علی کے مانند نہیں ہوا۔ ان کی دادی کنیزک تھیں۔ اور وہ تمہارے باپ سے بہتر ہیں۔ اور ان کی دادی کنیزک تھیں۔ تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلعم کے بیٹے ہیں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے (ماکان محمد ابا احد من رجالکم) اور ہاں تم ان کی لڑکی کے لڑکے ہو اور بیشک یہ قرابت قریبہ ہے۔ مگر اس کو میراث نہیں پہنچ سکتی اور نہ یہ ولایت کی وارث ہو سکتی ہے۔ اور نہ اس کو امارت جائز ہے۔ پس اس قرابت کے ذریعہ تم کس طرح وارث ہو سکتے ہو۔ تمہارے باپ نے ہر طرح اس کی خواہش کی تھی۔ فاطمہ کو دن میں نکالا ان کی بیماری کو چھپایا اور رات کے وقت ان کو دفن کیا۔ مگر لوگوں نے سوائے شیخین کے کسی کو منظور نہ کیا۔ تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ نانا۔ ماموں اور خالہ وارث نہیں ہوتے۔ پھر تم نے علی اور ان کے سابق بالاسلام ہونے کی وجہ سے فخر کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے وفات کے وقت دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا

بعد ازاں لوگ ایک کے بعد دوسرے کو امام بناتے گئے اور ان کو منتخب نہ کیا۔ حالانکہ یہ بھی ان چھ شخصوں میں تھے۔ لیکن سبھوں نے ان کو اس امر کے قابل نہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور اس معاملہ میں ان کو معتمد نہ سمجھا۔ عبدالرحمٰنؓ نے تو ان پر عثمان کو مقدم کر دیا اور وہ اس ملک میں متہم بھی ہیں۔ طلحہؓ و زبیرؓ ان سے لڑے سعدؓ نے ان کی بیعت سے انکار کیا۔ بعد ازاں معاویہ کی بیعت کی۔ بعد اس کے تمہارے باپ نے پھر خلافت کی تمنا کی اور لڑے۔ ان سے ان کے ساتھی جدا ہو گئے۔ اور حکم مقرر کرنے سے پہلے ان کے ہوا خواہ ان کے مستحق ہونے کی بابت مشکوک ہو گئے۔ پھر انھوں نے رضامندی سے دو شخصوں کو حکم مقرر کیا ان دونوں نے ان کی معزولی پر اتفاق کر لیا۔ پھر حسنؓ خلیفہ ہوئے۔ انھوں نے خلافت کو معاویہ کے ہاتھ کپڑوں اور درہموں کے عوض فروخت کر ڈالا۔ اور اپنے ہوا خواہوں کو معاویہ کے سپرد کر دیا۔ اور حکومت نااہل کو سونپ دی پس اگر اس میں تمہارا کوئی حق بھی تھا تو تم اس کو فروخت کر چکے اور قیمت وصول کر لی۔ پھر تمہارے چچا حسین نے ابن جانہ (ابن زیاد) پر خروج کیا۔ لوگوں نے تمہارے چچا کے خلاف اس کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے تمہارے چچا کو قتل کیا۔ اور ان کا سر کاٹ کر اس کے پاس لے آئے پھر تم لوگوں نے بنو امیہ پر خروج کیا۔ انھوں نے تم کو قتل کیا۔ خرما کی ڈالی پر سولی دی۔ آگ میں جلا دیا۔ شہر بدر کر دیا۔ یحییٰ بن یزید کو خراسان میں قتل کیا۔ تمہارے ذکور کو قتل کیا۔ لڑکوں اور عورتوں کو قید کر لیا۔ اور بغیر پردہ کے اونٹوں پر سوار کر کے تجارتی لونڈیوں کی طرح شام بھیج دیا۔ یہاں تک کہ ہم نے ان پر خروج کیا۔ اور ہم نے تمہارا معاوضہ طلب کیا۔ چنانچہ تمہارے خونوں کا بدلہ ہم نے لے لیا۔ اور ہم نے تم کو ان کی زمین و جائداد کا مالک بنایا۔ ہم نے تمہارے بزرگوں کو فضیلت دی اور معزز بنایا کیا

تم اس کے ذریعہ ہم کو ملزم بنانا چاہتے ہو۔ شائد تم کو یہ دھوکا لگا ہے کہ تمہارے باپ حمزہؓ و عباسؓ و جعفرؓ پر مقدم ہونے کی وجہ سے ہم ذکر کیا کرتے تھے۔ حالانکہ جو کچھ تم نے سمجھا ہے وہ بات نہیں ہے۔ یہ لوگ تو دنیا سے ایسے صاف گئے کہ سب لوگ ان کے مطیع تھے اور ان کے افضل ہونے کے قائل تھے۔ مگر تمہارا باپ جدال و قتال میں مبتلا کیا گیا جس کو ان پر اس طرح لعنت کرتے تھے۔ جیسے کفار پر نماز فرائض میں کی جاتی ہے پس ہم نے جھگڑا کیا۔ ان کے فضائل بیان کئے۔ بنو امیہ پر سختی کی اور ان کو سزا دی۔ تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں کی بزرگی جاہلیت میں حجاج کے پانی پلانے کی وجہ سے تھی۔ اور یہ بات تمام بھائیوں میں صرف عباس ہی کو حاصل تھی۔ تمہارے باپ نے ان کے متعلق ہم سے جھگڑا کیا عمر فاروقؓ نے ہمارے حق میں فیصلہ کیا۔ پس اس کے مالک جاہلیت اور اسلام میں ہم ہی رہے جن دنوں مدینہ میں قحط پڑا تھا تو عمر فاروقؓ نے اپنے رب سے پانی مانگنے میں ہمارے ہی باپ سے توسل کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا تھا۔ حالانکہ تمہارے باپ اس وقت موجود تھے۔ ان کا توسل نہیں کیا۔ تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم نے وفات پائی ہے تو بنی عبد المطلب میں سے کوئی شخص سوائے عباس کے باقی نہ تھا۔ پس وراثت چچا کے طرف منتقل ہوگئی۔ پھر بنی ہاشم میں سے کئی شخصوں نے خلافت کی خواہش کی مگر سوائے عباس کی اولاد کے کوئی کامیاب نہ ہوا۔ سقایت تو ان کی تھی ہی۔ نبی کی میراث بھی ان کی طرف منتقل ہوگئی اور خلافت ان کی اولاد میں آگئی غرض دنیا و آخرت و جاہلیت و اسلام کا کوئی شرف باقی نہ رہا جس کے وارث و مورث عباسؓ نہ ہوئے ہوں جب اسلام شائع ہوا ہے تو عباس اس وقت ابوطالب اور ان کی اولاد کے کفیل تھے۔ اور قحط کی حالت میں ان کی دستگیری کرتے تھے۔ اگر بدر میں عباس کو باکراہ نہ نکالا جاتا تو طالب بھوکے مرجاتے

اور عتبہ وشیبہ کے برتن چاٹتے رہتے لیکن عباس ان کو کھانا کھلا رہے تھے۔ انھوں نے
ہی تمہاری آبرو رکھی غلامی سے بچایا۔ کھانے کپڑے کی کفالت کرتے رہے۔ پھر جنگ بدر میں
عقیل کو فدیہ دیکر چھڑایا۔ پھر تم ہمارے سامنے کیا تفاخر جتاتے ہو۔ ہم نے تمہارے عیال
کی کفر میں بھی خبر گیری کی تمہارا فدیہ دیا۔ تمہارے بزرگوں کی ناموس کو بچایا۔ اور ہم
خاتم الانبیا کے وارث ہوئے۔ تمہارا بدلہ بھی ہم نے لیا۔ اور جس چیز سے تم عاجز ہو گئے تھے
اور حاصل نہ کر سکتے تھے۔ اس کو ہم نے حاصل کر لیا۔ والسلام۔

دنیا میں بفضلہ تعالیٰ اب بھی بکثرت رجال علم وفضل موجود ہیں۔ اور محمد مہدی نفس
زکیہ کی یہ ایک تحریر اور منصور کی یہ دو تحریریں پڑھ کر بجائے خود رائے قائم فرما سکتے ہیں۔ کہ
منصور کا یہ جواب کس قدر واقعات اور حقائق پر مبنی ہے ہم اپنی طرف سے اس پر زیادہ لکھنا
لحاظ حالات مناسب نہیں سمجھتے۔ اور نہ اس کی کوئی خاص ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ بارہ سو
سال کے زمانہ میں عالم اسلام نے منصور اور مہدی نفس زکیہ کے دعاوی وبیانات پر کافی غور
وخوض کے بعد قولاً وفعلاً اچھی طرح اظہار رائے کر دیا ہے۔ اور دنیا کو اچھی طرح معلوم ہے کہ
منصور کا یہ جواب تلخ وترش بھی ہے۔ اور واقعات اور حقائق پر بھی مبنی نہیں ہے۔ عالم اسلام
بلکہ تمام عالم میں بنی فاطمہ ہی سید وسادات سے نسباً مخاطب ہوئے۔ قرابت رسول اللہ صلعم
میں بنی فاطمہ ہی جناب رسول کریم سے قریب ترین قرار پائے۔ جس کا اعتراف خود اکابر بنی
عباس نے بار بار کیا ہے۔ ہارون الرشید کا قول ہے کہ حسنین اہل سادات اور افضلیت میں سب سے
مقدم ہیں (تاریخ الخلفا) اور بنی عباس اچھی طرح جانتے تھے کہ جمہور کا میلان طبع بہ نسبت ہمارے
بنی فاطمہ کی طرف زیادہ ہے کیونکہ قرب رسول جس کی بنیاد پر ہم نے خلافت حاصل کی ہے اس
میں ان کا رتبہ ہم سے بڑھ کر ہے (تاریخ الامت) وراثت اور خلافت کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے دو بڑے

گروہوں نے یعنی شیعہ وسنی نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے فیصل کر لیا شیعوں کا جو عقیدہ ہے وہ عیاں ہے سُنی لا نورث ولا نورث کے ارشاد نبوی کو نافذ وجاری سمجھتے ہیں۔ خلافت غیر راشدہ اور ملک عضوض سنیوں اور شیعوں کے معیار پر کامل العیار نہیں ہیں۔ جن خلفاء غیر راشدین نے بڑے بڑے دعوے وارث رسول اور جانشین رسول ہونے کے کیئے۔ وہ سب اسی جگہ نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے (سیرۃ النبی) اہل سنت کے نقطۂ نظر سے خلافت راشدہ کا شرف بیشک ایک شرف عظیم ہے۔ اور بحمد اللہ اس میں بھی سادات کو دوہرا حصہ ملا جو کسی دوسرے ہاشمی کو نہ مل سکا سقایت حجاج جس کا ذکر زور وشور کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کلام اللہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو آیہ کریمہ اجعلتم سقایۃ الحاج ... الخ اس پر جو کچھ صاحبان تفاسیر ودیگر اکابر نے تحریر فرمایا ہے۔ اس فخر کے تصفیہ کے لیے کافی ہے۔ یہاں تفصیل کی حاجت نہیں منصور نے حضرت عباس کا یہ عمل آل علی علیہ السلام کے مقابل ملنزاً بیان کیا ہے۔ کہ حضرت عقیل کی پرورش حضرت عباس نے کی۔ مگر منصور کو یہ لکھتے وقت خیال نہ رہا کہ چند قدم اگے چلکر بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ اگر حقیقی برادروں اور برادرزادوں کے یہ تعلقات باہمی زبانوں پر آنے لگیں تو اغیار واجانب کیا رائے قائم کریں گے خود شہنشاہ کونین وسبلتنا ذالدا رسول الثقلین صلے اللہ علیہ وسلم کی پرورش وکفالت کا شرف عظیم بھی آخر کسی ہستی کو حاصل ہوا ہے یا نہیں اور خود جناب ختم المرسلین۔ افضل النبیین۔ رحمۃ للعالمین نے بھی اپنی آغوش رحمت وشفقت میں کسی کی کفالت وپرورش کی ہے یا نہیں۔ جاننے والے سب جانتے ہیں۔ مگر ان باتوں کو بے محل زبان پر لانا مناسب نہیں سمجھتے۔ کہ یہ سب مقدس ہستیاں ایک جان وچند قالب کی مصداق ہیں۔ اس قسم کے طعنے دینا یقیناً حضرت عباسؓ جیسے عالی ظرف کی سخت ناگواری کا باعث ہوتا اور اگر آنجناب کو اپنے اخلاف کے ایسے بیانات کا علم ہوتا

تو یقیناً اظہار ناراضی فرما کر بیان کرتے کہ حضرت عقیلؓ کے فدیہ ادا کرنے کا یا اور کوئی اس قسم کا فرضہ اگر باقی بھی تھا تو بار بار اس اصل کو مع شئ زائد ادا کیا جا چکا ہے صدہا تاریخی شہادتیں اس کی تائید میں پیش ہو سکتی ہیں۔ مگر یہاں طول کلام کی ضرورت نہیں۔ بر سبیل مثال ملاحظہ فرمائیے (در صحیح بخاری از حدیث انسؓ آمدہ کہ او را وہ شد نزد آنحضرتؐ اے از بحرین فرمود بریزید آنرا در مسجد۔ پس بیرون آمد بسوے مسجد و نگاہ کرد جانب آن و چون برگشت از نماز بنشست بر آن مال و ندید ہیچکس را گر آنکہ داد بسوے از ان مال و آمد عباسؓ بن عبد المطلب و گفت بدہ مرا یا رسول اللہ از یں مال کہ من فدیہ دادہ ام نفس خود را و عقیل را۔ پس رخصت در جامۂ او چندانکہ نتوانست برداشت و گفت یا رسول اللہ بفرما کسے را کہ بردارد آنرا برائے من فرمود لا یا عم و این برائے قطع مادہ طمع عباس و تہذیب و تادیب او بود پس برداشت عباس بدوش خود و روان شد و انحضرت صلعم می نگریست بسوے وے و تعجب میکرد از حرص وے (مدارج النبوۃ) و در صحیح است کہ عباسؓ گفت مرا مدد دے فرما (رسول) گفت نے۔ گفت کسے را بفرمائے تا بردارد و کند۔ (رسولؐ) فرمود نے عباس از آن چیزے کم کردہ برداشت و نزدیک بود کہ بر ندارد از بار آن و روان شد (حاشیہ مدارج النبوۃ)

منصور نے اپنے مکتوب میں واقعات کا اظہار صحیح طور پر نہ کر کے جناب مظہر العجائب والغرائب امام المشارق والمغارب اسد اللہ الغالب سیدنا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے مدارج بلند کو پست دکھانے کی سعی نامحمود ضرور کی ہے لیکن خدا جس کا مرتبہ بلند کرے اسے کوئی پست نہیں کر سکتا افضل ترین بنی آدم جس شخص کے متعلق اپنی عزیز بیٹی سے مخاطب ہو کر کہے کہ اے فاطمہ میں نے تیرا نکاح اپنے خاندان کے افضل ترین شخص سے کیا ہے (اصابہ) کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کے رتبۂ بلند کو پست کر سکے۔ یہاں ایک دو شہادتیں مشہور مصنفین کی بلحاظ تاریخی

دلچسپی کے ایسی پیش کی جاتی ہیں جن پر کسی طرح بھی نادان اور ضعیف العقیدہ سنی ہونے کا اطلاق نہیں ہوسکتا اور ناظرین کو ان سے اچھی طرح اندازہ ہوسکیگا کہ محمد مہدی نفس زکیہ مفسدوں۔ فاسد عقیدہ پھیلانے والوں۔ ملحدوں اور بے دینوں میں داخل تھے یا نہیں۔ یا یہ کہ منصور ظالم اور عہد شکن تھا یا نہیں اور اس کے ظلم و ستم کے یہ قصے مصنوعی اور فرضی ہیں یا نہیں۔ ہزارہا کتب تاریخ و تذکرہ ان مظالم کی اصلی اور حقیقی حالت دکھانے کے لیے موجود ہیں لیکن ہم نے زمانۂ حال کے دو اور منصور کے زمانے کے دو گواہاں غیر جانب دار کا انتخاب ادائے شہادت کے لیے از انجملہ کیا ہے۔ علامہ اکبر شاہ خاں مورخ اسلام جو زمانہ حال میں ہندوستان کے بڑے اور راسخ العقیدہ سنی مورخ اور عالم ہیں تحریر فرماتے ہیں :۔

تفاخر نسبی کے معاملہ میں بے شک محمد مہدی کی طرف سے ابتدا ہوئی تھی اور منصور نے جو کچھ لکھا جواباً لکھا۔ مگر منصور اس میں حد سے بڑھ گیا ہے۔ محمد مہدی نے حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نسب پر کچھ نہیں لکھا تھا منصور نے بلا وجہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شان میں گستاخانہ الفاظ لکھے۔ منصور نے یہ سخت بہتان باندھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے حضرت فاطمہ الزہرا کو خلافت حاصل کرنے کے لیے دن کے وقت باہر نکالا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بھی منصور نے بڑی بے تمیزی اور گستاخی کی ہے۔ انھوں نے خلافت کو فروخت نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے دو گروہوں میں جو آپس میں لڑ رہے تھے اتفاق اور صلح کو قائم کرکے آنحضرت صلعم کی ایک پیشین گوئی کو پورا کیا تھا۔ حضرت عباس نے ضرور ابی طالب کی امداد کی تھی اور عقیل کو اپنے پاس رکھ کر پرورش کرتے تھے لیکن ایسی باتوں کا زبان پر لانا اور طعنہ دینا شرفا کا کام نہیں۔ بلکہ اس قسم کے احسانات کو زبان پر لانا کمینہ پن کی علامت سمجھی جاتی ہے منصور نے ان باتوں کو زبان پر لاکر اپنی

پرستار زادگی کا اظہار کر دیا ہے (تاریخ اسلام اکبر خانی)۔

صاحب تاریخ الامت تحریر فرماتے ہیں۔

وفا عہد اہل عرب کا نمایاں خلق تھا جس پر وہ زمانہ جاہلیت سے اپنے اشعار میں فخر کرتے چلے آتے تھے۔ اسلام نے اس کو اور بھی موکد اور پختہ بنا دیا خلفاء راشدین رض کی تاریخ میں کہیں عہد شکنی کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ .... مگر خلفاء عباسیہ نے جنہوں نے غیر عربی عنصر پر اپنی خلافت کی بنیاد رکھی تھی۔ بدعہدی کو اپنا شیوہ بنا لیا۔ اور آغاز سے لیکر خاتمہ تک ان کے نزدیک پیمان کی کوئی قیمت نہیں تھی۔

منصور نے سفاح کی زندگی ہی میں ابن ہبیرہ کو قطعی امان دیدینے کے بعد جس میں کسی حیلہ کی گنجائش نہیں تھی ابو مسلم کے حکم پر قتل کر دیا۔ پھر اسی کا اعادہ خود ابو مسلم کے ساتھ کیا اپنے چچا عبداللہ کو امان دے کر بلایا اور قید کر دیا۔ چنانچہ نفس زکیہ کو جب اپنے خط میں امان دی تو انہوں نے طنزاً لکھا کہ تم نے مجھے کون سی امان دی۔ ابن ہبیرہ والی یا وہ جو ابو مسلم یا اپنے عم محترم عبداللہ کو دی تھی حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کے لیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہونے کا دعویٰ رکھتا ہو اس سے بڑھ کر اور کیا شرم کی بات ہو سکتی ہے کہ اس کی بدعہدی کی وجہ سے کوئی اس پر اعتماد نہ کرے۔

ان مثالوں کا اثر یہ ہوا کہ خلفاء عباسیہ کو پیمان شکنی کی جرأت ہو گئی خود ان کے اسلاف جو عہد نامے لکھ جاتے تھے وہ ان کو رد کر دیتے تھے۔ اور اپنی اس باطل کارروائی کو حق کے پردے میں چھپانا چاہتے تھے۔ (تاریخ الامت)۔

یہ دو آزاد شہادتیں زمانہ حال کی بخوبی اشہادتوں کے منصور اور مہدی نفس زکیہ

کی مراسلت کے متعلق پیش ہوئیں۔ اور ایسی ہزارہا شہادتیں پیش ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ ہم وہ شہادتیں پیش کرنا چاہتے ہیں جن پر کسی کو بھی نادان اور ضعیف العقیدہ سنی ہونے کا وہم و گمان نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے ایک شہادت حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ہے۔ اور دوسری امام مالک رح کی۔ یہ دونوں سنی مذہب کے دو مضبوط ستون ہیں۔ اور جس قدر محامد و مناقب ان کے بیان کئے جاتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ یہ دونوں بزرگ منصور اور نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کے حالات و دعاوی کا معائنہ کرنے کے لیے موقع پر بذات خود موجود تھے۔ اور ہر دو کے عیب و صواب سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور سب کو ان دونوں بزرگوں کی ذات پر کامل اعتماد ہے کہ انھوں نے ان دونوں کے جھگڑوں میں نہایت آزادی سے از روے مذہب ایمان رائے قائم فرمائی تھی۔ اگر ان بزرگوں کی دیانت و غیر جانب داری کو مجروح خیال کیا جائے تو شائد دنیا بھر میں بھی کوئی آزاد شہادت نہ مل سکے گی۔ البتہ کھلے اور چھپے ناصبیوں کی شہادت شاید مل سکے بیشک وہ ہم سب سے ان دونوں کی عظمت نسب اور دیگر دعاوی کو بہتر طریقہ پر سمجھ سکتے تھے اور انہوں نے جو رائے قائم فرمائی۔ وہ ہمارے نزدیک عین صواب اور سراسر انصاف پر مبنی ہے جس فریق کا انہوں نے اس نزاع میں ساتھ دیا۔ ہر عقیدتمند کو چاہیے کہ ان کی تقلید میں رائے قائم کرے کیونکہ ان کی دیانت و غیر جانبداری میں کسی شک و شبہہ کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ دیکھئے ان دو بزرگوں نے مظلوم سادات کا کس طرح ساتھ دیا، اہ آل رسول مظلوم کا ساتھ وہ کیوں نہ دیتے۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے الفاظ میں ان ائمہ مجتہدین کی حمایت و نصرت آل رسول کا حال بیان کریں۔ مناسب ہے کہ مشہور و معروف مورخین و مصنفین کے الفاظ میں ان واقعات کو یہاں نقل کیا جائے۔ علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النعمان میں تحریر فرماتے ہیں۔

صرف بدگمانی پر منصور نے سادات و علویوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی۔ جو لوگ ان میں

ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کیں محمد بن ابراہیم حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے۔ ان کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انھیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس زکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا۔ اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی۔ بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتّٰی کہ امام مالک رحمہ نے فتوی دیدیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی ہے خلافت نفس زکیہ کا حق ہے۔ نفس زکیہ اگرچہ نہایت دلیر قوی بازو فن جنگ سے واقف تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑ کر میدان جنگ میں مارے گئے۔ ان کے بعد ابراہیم ان کے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سروسامان سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرہانے سے تکیہ اٹھا لیتا تھا۔ اور کہتا تھا میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔ انہیں دنوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں۔ ان سے بات تک نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا تو کہا یہ فرصت کے کام ہیں اس وقت تو یہ دھن ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جائے۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے۔ ان کے دعوے خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو طیار ہو گئے۔ مذہبی گروہ خاص کر علما و فقہا نے عموماً ان کا ساتھ دیا۔ امام ابوحنیفہ رح شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے تھے۔ سفاح ہی کے زمانہ میں ان کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے

شاگرد نہیں۔ ابراہیم بن میمون جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان مظالم پر کیا ہم کو چپ رہنا چاہیے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ "امر بالمعروف بے شبہ فرض ہے۔ مگر اس کے لیے سامان شرط ہے" لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لاسکے۔ ابومسلم خراسانی کہ ان ظلموں کا بانی تھا۔ اس کے پاس گئے اور نہایت بے باکی کے ساتھ اس امر کے متعلق گفتگو کی۔ اس نے ان کی گستاخی یا فساد پسند ہونے کے احتمال سے ان کو قتل کرا دیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت روئے لیکن کیا کر سکتے تھے یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے۔ ۱۳۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب کے ساتھ امام صاحب نے بھی ان کی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہو سکے۔ جس کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامہ و نشوراں میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے۔ جو انہوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اس کے یہ الفاظ ہیں۔ (انا بعد فانی قد حھزت الیک اربعۃ الاف درھم ولم یکن عندی غیرھا ولولا امانات عندی للحقت بک فانا لقیت القوم وظفرت بھم فافعل کما فعل ابوک فی اھل صفین اقتل مدبرھم واجھز علی جریحھم ولا تفعل کما فعل ابوک فی اھل الجمل فان القوم لھم فئۃ) یعنی میں آپ کے پاس چار ہزار درم بھیجتا ہوں کہ اس وقت اسی قدر موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ رکھی ہوتیں تو ضرور آپ سے آملتا۔ جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو آپ کے باپ (حضرت علیؓ) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا۔ زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں وہ طریقہ نہ اختیار کیجیے گا جو آپ کے والد نے حرب جمل میں جائز رکھا تھا کیونکہ مخالف بڑی

جمعیت رکھتا ہے) نامہ دانشوران میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہیں بتایا اس لئے ہم اس کی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔ یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اس میں شبہہ نہیں کہ امام صاحب ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور بجز اس کے کہ خود شریک جنگ نہ ہو سکے اور ہر طرح پر ان کی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑ کر مارے گئے۔ اس مہم سے فارغ ہو کر منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں امام صاحب بھی تھے۔ اس وقت منصور کا پایہ تخت ہاشمیہ ایک مقام پر تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ منصور نے ایک دوسرے دارالخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچ کر امام ابوحنیفہ رحمہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایہ تخت میں حاضر ہوں۔ وہ بنو امیہ کی تباہی کے بعد سے مفلسانہ سے چلے آتے تھے منصور نے گو پہلے ہی ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم بہانہ ڈھونڈھتا تھا۔ دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے جو حجابہ کا عہدہ رکھتا تھا ان لفظوں کے ساتھ ان کو دربار میں پیش کیا "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے" منصور نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی۔ امام نے استادوں کے نام بتائے جن کا سلسلۂ شاگردی بڑے صحابہ تک پہنچتا ہے .....

منصور نے امام کو ۱۴۶ھ میں قید کیا لیکن اس حالت میں بھی اس کو ان کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ بغداد دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشے سے اٹھ کر بغداد ہی کا رخ کرتے تھے۔ امام صاحب

کی شہرت اور دور پہنچ چکی تھی۔ قید کی حالت نے ان کے اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی۔ ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے ان کو نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امر ان کے ادب اور تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ قید خانہ میں ان کا سلسلۂ تعلیم بدستور برابر قائم رہا۔ امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں۔ قید خانے ہی میں ان سے تعلیم پائی۔ ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا۔ وہ قید خانے کی حالت میں بھی باقی رہا جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں زہر دلوا دیا جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا۔ اور اسی حالت میں قضا کی (تمام یہ عبارت سیرۃ النعمان کی ہے) میرزا حیرت دہلوی بھی جو اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں لکھتے ہیں:

امام اعظم بھی شاہان عباسیہ کے مظالم دیکھ دیکھ کر تھک گئے تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو اور ابراہیم تخت خلافت پر متمکن ہو جائیں جب ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے منصور پر حملہ کرنا چاہا ہے تو امام ابوحنیفہ رہنے بھی ان کی مدد کی تھی لیکن چند در چند وجوہات سے بذات خود شریک نہ ہو سکے۔ ..... اس فتح کے بعد منصور کی توجہ سب سے پہلے ابوحنیفہ رح کی طرف مبذول ہوئی۔ کیونکہ اسے دم دم کی خبریں لگ رہی تھیں۔ کہ ابوحنیفہ رہنے ابراہیم کو اتنا سامان بھجوایا۔ اور کل اتنا نقد روپیہ بھجوایا وہ دانت پیس رہا تھا کہ کوئی موقع لگے تو ان کی گردن ماروں۔ اس کی مراد بر آئی اور اس نے ایک فرمان کوفہ روانہ کیا کہ فوراً بغداد حاضر ہو ..... منصور کو اندیشہ تھا کہ ابوحنیفہ رہ کی قید رنگ نہ لائے اور بے تعداد طلبہ میں اپنے استاد کی اس حالت سے کہیں جوش نہ پیدا ہو جائے۔ اب اس کو بڑا فکر رہنے لگا۔ آخر اپنے فکر کی یہ دوا کی کہ بنے

کی حالت میں۔ امام صاحب کو زہر دلوا دیا۔ جب زہر نے خون میں اثر کیا اور سنسناہٹ ہونے لگی تو آپ سمجھ گئے کہ مجھے زہر دیا گیا ہے۔ چنانچہ فوراً نماز پڑھنی شروع کی اور سجدہ کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ (حیات اعظم جلد اول صـ۶۶)۔

اللہ اللہ اس امام عالی مقام کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ جس نے حق و باطل کی تلخ آزمائش میں پڑ کر اپنی جان شیریں شمع خاندان نبوت پر پروانہ وار فدا کر دی۔ اور مرتے مرتے حق کی طرف سے منہ نہ موڑا۔ اور دنیا کو دکھا دیا کہ دیکھو فدائیان آل رسولؐ ایسے ہوتے ہیں جو تخت بغداد کے قہر و استیلائے شدید سے مرعوب نہ ہو کر محبت آل رسولؐ میں اس طرح آخر تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور آل رسول کی محبت و اعانت میں اپنی جان کام آنے پر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے عقیدہ میں ان فی قتلی جنوۃ لا مہاۃ کا مضمون راسخ تھا یہی حال امام مالک رح کا بھی تھا۔ انھوں نے مدینہ میں محمد مہدی نفس زکیہ کی بیعت کرنے کی لوگوں کو ترغیب دی تھی اس لیے منصور نے امام موصوف کو کوڑوں سے پٹوایا (تاریخ اسلام وغیرہ۔

ان دو جلیل القدر اماموں کی شہادت پیش ہونے کے بعد ہر مسلمان اچھی طرح مہدی نفس زکیہ۔ اور منصور کے ان جھگڑوں اور دعاوی پر بخوبی رائے قائم کر سکتا ہے اور بیشک ان کی رائے مسلمانوں میں نہایت درجہ واجب احترام اور لائق تقلید ہے۔ اتفاقاً یہ ایک ضمنی بحث پیش ہو گئی جسے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ہم نے درج کر دیا اس پر نہایت تفصیل سے بھی لکھنا ممکن ہے لیکن ہم اس بحث کو یہاں ختم کرتے ہیں۔ مہدی نفس زکیہ کی اس مراسلت کے کے ایک حصہ پر تفصیلی بحث جلد دوم میں درج ہے۔

گفتگو اس پر تھی کہ لحاظ شوکت نسب و عظمت حسب مسلمانوں میں بغرض اظہار محبت سادات عظام کے اجداد کے ناموں پر جس قدر نام رکھے گئے ہیں۔ کسی دوسرے ہاشمی خانداں

کے اجداد کے ناموں پر نہیں رکھے گئے۔ اور بیشک یہ ایک عمدہ دلیل ان کی عظمت نسب وحسب کی ہے۔ اسی طرح دشمنان آل رسول کے ناموں سے جو بیزاری اور مقاطعہ مسلمانوں نے عملاً اپنے ترک عمل سے کیا ہے۔ وہ بھی مخفی نہیں ہے اور یہ بھی ایک دلیل سادات کی عظمت نسب وشوکت حسب کی ہے۔ کسی بڑی قوم یا جماعت کا متفقہ عمل نہایت درجہ باوقعت شہادت ہوتی ہے جو اہل نظر سے ہرگز مخفی نہیں ہے۔

ان تمام کھلی کھلی شہادتوں کے علاوہ دیکھئے کہ سادات کے اجداد کرام خصوصاً چہارتن نامدار کے حق میں کیسی کھلی کھلی بشارتیں اور محامد ومناقب کتب معتبرہ احادیث وتواریخ وسیر میں بکثرت موجود ہیں کہ جن کا ثانی بنی ہاشم کی کسی دوسری شاخ میں ممکن نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شمار اہلسنت کے نقطۂ نظر سے عشرۂ مبشرہ میں ہے۔ کوئی دوسرا ہاشمی اس شرف میں شریک نہیں اسی طرح خلافت راشدہ میں سے دوہرا حصہ سادات کے اجداد کو ملا۔ کوئی دوسرا ہاشمی اس شرف میں ان کا شریک نہیں۔ اور یہ ایک ایسا شرف مخصوص ہے کہ بنی امیہ وبنی عباس کی صدہا سالہ حکومت وسلطنت کی عزت وشوکت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے تبعاً شبلی نعمانی خلفاء بنو امیہ وعباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیئے تھا۔ (سیرۃ النبی)۔

امام الہند تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

بنی امیہ کے بعد ان کی ہر چیز کے وارث عباسی ہوئے۔ اور گو حکومت کے استیلاء ابتدا سے "امر بالمعروف" کا نشو ونما رک گیا تھا۔ اور روز بروز اس کی قوت ضعیف سے ضعیف تر ہوتی جاتی تھی لیکن تاہم اسلام نے قوم کے اندر اس اصول کی روح جس قوت کے ساتھ پھونک دی تھی اس کی ہلاکت کے لیے ایک مدت مدید درکار تھی۔ باوجود عجمی حکومت مستبدہ کی تقلید اور قہر واستیلاء شدید۔ جو آل عباس کو حاصل تھا (مامون

الرشید) جیسے عظیم الشان اور (متوکل) جیسے ظالم کے دربار میں آپ کو سدہا اشخاص نظر آئیں گے جن کو تخت بغداد کی شوکت و عظمت بھی مرعوب نہ کر سکی۔ اور اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھکر انھوں نے امر حق کا اعلان کیا ہے۔ (الہلال)

مورخ اسلام علامہ اکبر شاہ خان تحریر فرماتے ہیں:۔

یزید کے زمانے تک بھی حکومت و خلافت میں وراثت کے اصول کو مسلمانوں نے تسلیم نہیں کیا تھا۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ امیر معاویہؓ کے بعد یزید کا خلیفہ مقرر ہو جانا ایک سخت غلطی ہے۔ اور اس غلطی کی اصلاح ہونی چاہئے۔ چنانچہ حصین بن نمیر اسی لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا خواہش مند تھا۔ لیکن یزید کے بعد بتدریج اس وراثت کے خیال کو بنی امیہ کے کوششوں کے سبب تقویت پہنچی۔ اور بالآخر اس سم نے ایسی جڑ پکڑی کہ آج تک مسلمانوں کو اس سے رستگاری حاصل نہیں ہوی۔ (سُنّی نقطۂ نظر سے) خلافت اسلامیہ کو جو قوم یا خاندان وراثتہً اپنا حق سمجھے وہ سخت غلطی اور ظلم میں مبتلا ہے بنو امیہ نے اگر حکومت اسلامی کو اپنی ہی قوم اور خاندان میں باقی رکھنا چاہا تو یہ ان کی غلطی تھی۔ بنو عباس یا بنو ہاشم۔ اگر اس کو اپنا خاندانی حق سمجھتے تو یہ بھی ان کی غلطی و ناانصافی تھی۔ مگر چونکہ دنیا میں عام طور پر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ لہذا سلطنت اور حکومت میں بھی حق وراثت کو جاری سمجھا جاتا ہے۔ اس بناء پر جو شخص کسی غاصب سلطنت سے اپنا حق یعنی سلطنت واپس لیتا ہے۔ وہ اکثر قتل و تشدد سے کام لیا کرتا ہے لیکن اس قتل و تشدد کو بنی عباس نے بنو امیہ کے حق میں جس طرح روا رکھا ہے اس کی مثال کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ (سُنّی نقطۂ نظر سے) خلافت اسلامیہ میں باپ کے بعد بیٹے کے

ولی عہد ہونے اور وراثت کے قائم ہونے کی لعنت تمام مفاسد تمام مصائب تمام معائب کی بنیاد ہے۔ اور اسی بدعت نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہونچایا۔ اور حکومت اسلامیہ کے روشن وخوبصورت چہرے کو ہمیشہ گرد آلود رکھا۔ امین کی خلافت کے زمانے کی بدتمیزیاں بھی اس وراثت خلافت کی لعنت کا نتیجہ تھیں (تاریخ اسلام اکبر خانی)۔

الغرض بنی امیہ و بنی عباس کی سلطنت کی مذہبی و دینی حیثیت مسلمانوں سے مخفی نہیں جب تک یہ حکومتیں قائم رہیں دنیا میں بہت کچھ ان کی مدح و منقبت کے راگ گائے گئے اور یہی دنیا کا قاعدہ بھی ہے۔ بنی امیہ و بنی عباس کی حکومتیں مٹ جانے کے بعد جتنے خاندان اس غیر مذہبی خلافت کے مدعی رہے۔ ان کا بھی یہی حال رہا۔ اور اپنی قوت و شوکت کے باعث اپنی معاصر سلطنتوں سے خراج عقیدت و تحسین وصول کرتے رہے لیکن یہ سب اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ان میں سے بعض سلاطین نے قابل تعریف کام بھی کئے ہیں بعض نے علوم و فنون کی تدوین و اشاعت میں مستحسن کوششیں کی ہیں۔ اور برائی اور بھلائی میں یہ سب مساوی درجہ پر ہرگز نہیں ہیں بلکہ انہیں میں بعض ہستیاں ایسی بھی نظر آجاتی ہیں جو مسلک مروانی کے خلاف عمل کرنے اور دودمان حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے الفت و محبت رکھنے میں خاص طور پر نیک نام ہیں انہیں میں وہ ذات اقدس و مقدس ہے جن کا نام نامی عمر ابن عبد العزیز خلیفہ اموی ہے۔ امام الہند حضرت علامہ ابو الکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں:۔

پھر کیوں نہ وہ لوگ مستثنیٰ ہوں کہ ایسے مستثنیٰ لوگوں میں سے وہ بزرگ حق و مجدد شریعۃ البیضاء محی السنۃ السنیۃ قامع بدعات مروانیہ و نبی امیہ یعنی حضرت عمر ابن عبد العزیز رضہ

تھے۔ جن کو حکمتہ الٰہیہ نے اسی خاندان میں پیدا کیا۔ تاکہ ان کے دست حق پرست پر شریعتہ اسلامیہ کا احیا ہو اور ملک مقبوض کے اباطیل و محدثات کا استیصال فرمائیں پس اس وجود گرامی نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تجدید کی۔ اور ایک ایک کر کے بنی امیہ و آل مروان کی پیدا کی ہوئی ان محدثات و بدعات و منکرات شنیعہ کا انسداد کیا۔ جنہوں نے خیر القرون کی شریعت خالص کو آلودہ و مکدر فسق و معاصی شتی کر دیا تھا۔ اور اس طرح سنت شیخین جلیلین رضی اللہ عنہما کی (کہ سنت رسول اکرم تھی) احیات بعد الممات ہوئی۔ نور اللہ مضجعہ و شکر اللہ مساعیہ۔ ازان جملہ بنی امیہ و آل مروان کی ایک سب سے بڑی ہادم شریعت اور پر معصیت و فسق و عدوان بدعت شنیعہ وہ تھی جس کا انتقامانہ اتباع بر اوران شیعہ نے شروع کیا۔ اور افسوس ہے کہ شاید آج تک کرتے ہیں۔ یعنے سب سے پہلے سرزمین اسلام میں جو رحم و محبت اور صلح و اخوت ہی کی تخم ریزی کے لیے بنی تھی سب و شتم و لعن و تبرے کا تخم بنی امیہ نے بویا اور مقدس مساجد اسلام میں جو صرف عبادت و طاعت الٰہی و افکار و اشغال مقدسہ کے لیے بنائی گئی تھیں۔ اپنے اغراض نفسانیہ منکرہ سیاسیہ سے۔ اہل بیت نبوت اور حضرت امیر علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجنا شروع کی اور جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں اس فعل شنیع و منکر کو (کہ نہیں جانتا اس کو کن لفظوں سے تعبیر کروں) داخل کر دیا۔ چنانچہ تکبیر و تسبیح کی صداؤں میں خطیب منبر پر چڑھتے تھے تحمید و تقدیس و صلوٰۃ و تسلیم کے بعد آخر میں حضرت علی علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجتے تھے اور پھر شریر ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو اس طرح لرزان و ترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسق عظیم و معصیت کبریٰ و منکر شرعیتہ الٰہیہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ الا ماشاء اللہ وھم الذین لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون لیکن تاریخ

اسلام حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہمیشہ رہین منت رہے گی کہ انھوں نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس بدعت کا انسداد کیا اور مساجد اسلام کو ان کی کھوئی ہوئی عزت وحرمت واپس دلادی۔ چنانچہ لعن وتبرے کی جگہ خطبۂ ثانیہ میں ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذوی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔ داخل کیا۔ یہ آیۃ کریمہ آج تک خطبہ جمعہ کا جزو آخری ہے۔ اور ہر ہفتہ سیکڑوں بنی امیہ اور حسنات عمر بن عبدالعزیز پر گواہی دیتی ہے۔ (الہلال)۔

یہ سب کچھ ہوا دنیا نے اموی وعباسی اور آنے والی خلافتوں کے دور اچھی طرح دیکھ لیے۔ اب نہ بنی امیہ کی حکومت باقی ہے اور نہ بنی عباس کی۔ این ہم رفت وآن ہم رفت۔ صرف ان کے نام ہی نام باقی رہ گئے ہیں۔ اب نہ مہدی نفس زکیہ وابراہیم زندہ ہیں۔ اور نہ منصور ومتوکل۔ البتہ ان کے اعمال ضرور زندہ ہیں۔ اور ان کے اعمال کے خیر وشر کے اعتبار سے دنیا انھیں یاد کر رہی ہے۔ اور کرتی رہے گی۔ لشکر یزید نے امام حسین علیہ السلام پر میدان کربلا میں کامل فتح پائی اور جنگی اور سیاسی نقطۂ نظر سے امام حسین علیہ السلام کی کامل شکست میں کیا شبہہ ہے لیکن صورت حال کیا ہے۔ اگر دنیا بھر کی تمام فتوحات یک جا جمع کی جائیں تو امام علیہ السلام کی اس ایک ظاہری شکست پر قربان ہیں۔ اور آپ کی اس ایک موت کو بے شمار زندگیوں پر فوقیت حاصل ہے۔ کلام الملک ملک الکلام ملاحظہ ہو۔

ہزار چشمۂ حیوان نثار تشنہ لبت ہزار زیست بمرگت فدا سلام علیک

(آصفجاہ سلمہ اللہ خلد اللہ ملکہ)

اللہ اللہ کیا شان ومرتبہ ہے۔ اس امام عالی مقام وسادات کے جد واجب الاحترام کا کہ

آج تک باوجود اس کی کامل ظاہری شکست کے بادشاہ و فقیر و صغیر و کبیر سب ہی اس کی مدح و منقبت کا خراج از روئے عقیدت حقیقی ادا کرتے اور اس کی حقیقی و روحانی فتح کا اعتراف کئے جاتے ہیں حقیقی و قلبی مدح و منقبت کی شان یہی ہوتی ہے۔ ورنہ کتنے اموی و عباسی و دیگر بادشاہان ظالم و جابر ایسے ہو چکے ہیں۔ جن کے محامد و مناقب بہت کچھ بیان ہوئے لیکن وہ سب غیر واقعی اور خوشامد پر مبنی تھے۔ دنیا نے ان کو یکسر بھلا دیا۔ اب اگر ان محامد و مناقب کی یاد تازہ کرنے کے لیے ان کو دہرائیے تو سراسر ایک سرد و بے ہنگام اور بے جا کلام معلوم ہوتا ہے۔ شاعر بے مثال علامہ اقبال نے جناب امام حسین علیہ السلام کی منقبت نگاری کرتے ہوئے کیا ہی خوب لکھا ہے:۔

شوکت شام و فر بغداد رفت — سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز — تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیک دور افتادگاں — اشک ما بر خاک پاک او رساں

تذکرہ بزرگان سادات

حضرت اسمٰعیل کے بارہ فرزند تھے جن کا ذکر تورات میں بھی موجود ہے۔ از انجملہ قیدار کی اولاد کی سکونت سرزمین حجاز میں رہی اور انہیں کی اولاد میں عدنان بن ادبن اود تھے محدثین و مورخین اسلام کا بیان ہے کہ حضور سرور کائنات اپنے شجرۂ نسب کا اتصال عدنان تک ظاہر فرماتے تھے حضور سرور عالم کا سلسلہ نسب حضرت

ابراہیم علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام تک ہزار ہا کتب تذکرہ و تاریخ میں درج ہے اور کوئی شک نہیں کہ حضور کا نسب دنیا کا بہترین اور صحیح ترین نسب ہے لیکن مرور ازمنہ بعیدہ کے باعث اس سلسلہ کے تمام ناموں کا محفوظ رہنا اس لیے قابل غور ہو جاتا ہے کہ اہل عرب اپنے مشہور و بعید مورث سے سلسلۂ نسب متصل کرنے میں اکثر درمیانی پیڑھیوں کو ترک کر دیتے تھے۔ پس ہم اپنے اس مختصر تذکرہ کو عدنان سے شروع کرتے ہیں۔

(عدنان) صاحب جامع التواریخ ان کی وجہ تسمیہ کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ان کے اسی سوار دشمن تعاقب میں تھے کہ غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور ایک صاعقہ تیز و تند نے آپ کے ان دشمنوں کو ہلاک کر دیا عرب میں آپ کی اولاد آل عدنان مشہور ہے اور حضور صلعم اسی خاندان سے ہیں۔ ان کے بیٹے (معد) ہوئے جو بہت عقلمند و حسین و وجیہ تھے اور ان کی کنیت ابو قضاعہ تھی ان کے بیٹے (نزار) ہوئے۔ جن کی کنیت ابا ایا دتھی ان کی ولادت کے وقت ان کے والد نے ہزار اونٹ قربانی کیے ان کے فرزند (مضر) ہوئے جو اپنے حسن و جمال کے لیے مشہور ہیں ان کے فرزند (الیاس) ہوئے ان کی کنیت ابا عمرو تھی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بحالت ناامیدی آپ کی پیدائش ہوئی تھی ان کے فرزند (مدرکہ) ہوئے جن کا نام عامل بھی تھا ان کے فرزند (خزیمہ) اور ان کے فرزند (کنانہ) ہوئے یہ تمام اصحاب اپنے اپنے وقت میں سردار قبیلہ اور ممتاز ہستیوں میں سے تھے۔ اور کوئی شک نہیں کہ حضور صلعم کا خاندان ابا عن جد معزز و ممتاز رہا ہے۔

سب سے اول اس خاندان کی جس ممتاز ہستی نے اس خاندان کو لقب قریش سے ملقب کرایا وہ (نضر) بن کنانہ مذکور ہیں۔ ان کی کنیت ابا مخلد ہے۔ بعض مصنفین نے بیان فرمایا ہے کہ لقب قریش سب سے اول فہر کو بلا جو ان کے پوتے ہیں۔ حافظ عراقی کی

سیوطی کا مشہور شعر ہے

اما قریش فالاصح فہر جماعہا والاکثرون النضر

قریش کی وجہ تسمیہ بھی متعدد طور پر بیان ہوئی ہے از انجملہ یہ کہ تقرش بمعنی جمع کردن دگرد آمدن آیا ہے اور آپ نے اپنے آبا و اجداد کی اولاد کو یک جا جمع کیا جس سے قریش نام ہوا مکہ معظمہ میں آپ کی جس قدر اولاد ہوی قریش کہلائی اور سرداری مکہ آپ کی اولاد میں متوارث رہی نضر بن کنانہ مذکور کے فرزند (مالک) سردار مکہ ہوے ان کے بعد ان کے فرزند (فہر) ہوے جن کا نام عامر بھی تھا۔ اور یہ قریش کے سردار تھے ان کے بعد ان کے فرزند (غالب) سردار قریش ہوے۔ ان کے بعد ان کے جانشین اور سردار قوم ان کے فرزند (لوی) ہوے ان کے بعد ان کے فرزند (کعب) سردار قوم ہوے اور ان کے بعد ان کے فرزند (مرہ) سردار قوم ہوے ان کے بعد ان کے فرزند (کلاب) پر سرداری منتقل ہوی۔ ان کے نامور فرزند (قصی) ہوے جو اپنی عزت و اقتدار کے لحاظ سے خاص طور پر مشہور ہیں اور دار الندوہ کے بانی بھی یہی ہیں۔ تولیت حرم بھی ان سے متعلق ہوی سقایہ اور رفادہ کا منصب انہوں نے قائم کیا۔ مشعر حرام بھی انھیں کی ایجاد ہے۔

قصی کے بعد ریاست قریش (عبد مناف) کو ملی ان کے ایک فرزند (ہاشم) نامی گرامی سردار ہوے اور بالآخر منصب سقایہ و رفادہ بھی ان سے متعلق ہو گیا۔ انھوں نے حرم کعبہ میں نہایت عمدہ انتظامات کئے قیصر روم و شاہ حبش سے اور دیگر قبائل عرب سے انہوں نے باغراض تجارت معاہدات کئے۔ وجہ تسمیہ ان کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ انھوں نے زمانہ قحط میں لوگوں کو شوربہ میں روٹیاں چورا کر کے کھلائی تھیں ہشم چورا کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ ان کے فرزند (عبد المطلب) ہوے چاہ زمزم انھیں کی سرداری کے زمانہ میں

دوبارہ دریافت ہو کر صاف کیا گیا۔ ان کے فرزند (عبداللہ) ہوئے جو حضرت صلعم کے والد ماجد ہیں۔ جناب عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ خدا ان کو دس فرزند عطا کرے تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں ذبح کریں گے۔ جب ان کے دس بیٹے جوان ہو گئے تو قربانی کے لیے قرعہ ڈالا جو جناب عبداللہ کے نام آیا۔ انہوں نے اپنے اس بیٹے یعنی عبداللہ کو ذبح کرنا چاہا۔ مگر بالآخر ان کے بدلے دو سو اونٹ قربان کیے گئے حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ میں دو قربانیوں کا فرزند ہوں یعنی حضرت اسمٰعیل اور دوسرے حضرت عبداللہ پدر رسول مقبول صلعم۔

حضرت عبداللہ کا عقد حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف سے ہوا۔ استقرار نطفۂ زکیہ مصطفویہ کے بعد حضرت عبداللہ کو شام کا سفر درپیش ہوا جس میں بمقام مدینہ آنجناب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد جناب عبدالمطلب نے حضرت آمنہ کو اپنی خاص سرپرستی میں رکھا اور بالآخر وہ ساعت نزدیک آ گئی جس کے انتظار میں ابتدائے آفرینش سے زمانہ لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ بہت جلد اس باران رحمت کا نزول ہونے والا تھا جس کے لیے زمین خشک سال صدہا سال سے مضطر اور تشنگان عالم متحیر و چشم براہ تھے یعنی وہ ظہور قدسی جناب افضل کائنات و سید موجودات کا اور وہ ولادت باسعادت جناب سید النبیین خاتم المرسلین محمد مصطفیٰ صلعم کی صلوات اللہ وملئکتہ والنبیین والصدیقین والشہداء والصالحین علی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب وبرکاتہ وسلامہٗ۔

شب میلاد محمدؐ چہ شب انور بود — کز درش مکہ الی الشام منور گردید
مکہ و شام چہ باشد کہ ز مشرق تا غرب — ہمہ را گشت محیط و ہمہ جا در گردید
ہمہ آفاق ز انوار منور گشتہ — ہمہ اکناف ز اخلاق معطر گردید
چو ز گنجینۂ اعطا مدِ شش کوثر شد — دشمنش سوختہ داغ ہوا بتر گردید

عاقبت بر فلک مزد علاجا دارد — ہر کہ از صدق و یقین خاک بریں گوردید
ہرگز از ہیچ سومے نہ پذیرد خشکی — ہر گیاہے کہ ز ابر کرمش تر گردید
للہ الحمد کہ از دنیا و دین حقی را — ہمہ از دولت آں شاہ میسر گردید

رحمۃ اللہ الجامی حیث قال

السلام اے قیمتی تر گوہر دریائے جود — السلام اے تازہ تر گلبرگ صحرائے وجود
السلام اے آنکہ تا از جبہۂ آدم نتافت — نور پاکت کس نبرد از قدسیان او را سجود
السلام اے آنکہ زنگ ظلمت و کفر و نفاق — صیقل تیغ تو از آئینہ گیتی زدود
السلام اے آنکہ نا مد در ہمہ کون و مکان — تیز بینا ز ابجز نور تو در چشم شہود
السلام اے آنکہ بہر فرش راہت بافت مہر — اطلسے را کس ز شب کردند تا راز روز پرد
السلام اے آنکہ ابواب شفاعت روز حشر — جز کلید لطف تو بر خلق نتواند کشود
السلام اے آنکہ تا بودم درین محنت سرا — در سرم سودا و در جانم تمنائے تو بود

صد سلامت می فرستم ہر دم اے فخر رسل
بو کہ آید یک علیکم در جواب صد سلام

ذکر شریف آنحضرت صلعم

تاریخ ولادت تاریخ ولادت کے تعین میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ ماہ ربیع الاول کے ہفتہ دوم کی ابتدائی چار تاریخوں میں سے دوشنبہ کے دن ولادت باسعادت ہوئی اور جیسا کہ سیرۃ النبی میں تحریر ہے۔ مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے دلائل

ریاضی سے قطعی طور پر ثابت کیا ہے کہ ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ واقع ہوا پس یہی تاریخ ولادت باسعادت ہے یعنی ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی۔

رضاعت سب سے پہلے حضور اقدس نے اپنی والدہ مکرمہ کا دودھ پیا۔ دو تین روز کے بعد ثویبہ نے اور اس کے بعد حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ شرفاء عرب میں دستور تھا کہ شیر خوار بچوں کو اطراف کے دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ بادیہ نشینوں کی صحبت میں فصاحت و بلاغت کا جوہر پیدا ہو۔ باختلافات روایات آنحضرت صلعم چھ سال تک حلیمہ سعدیہ کے پاس قبیلۂ بنی ہوازن میں رہے۔ جو اپنی فصاحت کے لیے خاص طور پر عرب میں مشہور تھا بنی سعد اسی قبیلہ کا نام ہے۔

ابتدائی حالات آنحضرت صلعم کی عمر جب چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ مکرمہ آپ کو ہمراہ لے کر مدینہ تشریف لے گئیں۔ وہاں ایک ماہ قیام کر کے واپس ہوئیں تو اثنائے راہ میں مقام ابوار پر وفات پائی حضور کی دایہ ام ایمن حضور کو مکہ میں واپس لائیں والدہ مکرمہ کے انتقال کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش و کفالت کی۔ دو سال کے بعد جناب عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت آنحضرت صلعم کو اپنے بیٹے ابوطالب کی کفالت و سرپرستی میں دیا جو حضرت عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ جناب ابوطالب نے جو آنحضرت صلعم کے عم اعیانی تھے اور آنحضرت سے بے حد محبت رکھتے تھے۔ باحسن وجوہ آنحضرت کی پرورش کی (ابوطالب یا قصی الغایت واحسن وجوہ محافظت آنحضرت قبل از ظہور نبوت و بعد از آں بتقدیم رسانید و بے وے طعام نمی خورد و جامہ خواب آنحضرت پہلو بخود راست می کرد و درون و بیرون خانہ اور اہمراہ داشتے و ابوطالب در مدح آنحضرت اشعار بسیار دارد و از انجملہ

یکے این است بیت وشق لہ اسمہ لجلہ۔ فذوالعرش محمود وہذا محمد (مدارج النبوۃ)۔

اوائل عمر میں حضور صلعم نے باغراض تجارت شام بصری و یمن کے سفر کئے اور حضور کی دیانت وامانت وصدق وطہارت کی شہرت عام طور پر ہوگئی عام وخاص آپ کو امین کے لقب سے یاد کرنے لگے حضرت خدیجہ کی طرف سے باغراض تجارت آنحضرت نے شام کا سفر کیا واپس آنے سے تقریباً تین ماہ بعد حضرت خدیجہ نے آپ کے پاس نکاح کا پیغام دیا۔ نکاح کی قرار داد ہوگئی اور تاریخ معین پر بعوض پانسو طلائی درہم زر کابین عقد ہوگیا جناب ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ آنحضرت صلعم کی عمر شریف اس وقت ۲۵ سال تھی۔

آنحضرت صلعم کی پیدائش کے زمانہ میں مشرکین مکہ نے مکہ کو بت پرستی کی منڈی بنا رکھا تھا خود خانہ کعبہ میں بقول مورخین تین سو ساٹھ بت موجود تھے۔ جن کی پرستش خداوند قدوس کے اس (اول بیت وضع للناس) میں شب و روز علانیہ کی جاتی تھی۔ اس دارالاصنام کے متولی اور کلید بردار خود حضور کے اہل خاندان ہی تھے۔ مگر آنحضرت صلعم نے ان بتوں کے آگے کبھی سر نہ جھکایا اور نہ دیگر رسوم جاہلیت میں کبھی شرکت کی جب آنحضرت صلعم دیکھتے تھے کہ کعبہ کے بتوں کے سامنے حاجی لوگ باجے بجاتے وہ اور ان کی عورتیں بتوں کے سامنے ناچتے گاتے ہیں تو اس سے آپ کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ آنحضرت صلعم کا معمول تھا کہ غار حرا میں جاکر مصروف عبادت الٰہی رہتے تھے۔ اور غور و فکر و عبرت پذیری آپ کا مشغلہ صبح و شام تھا۔ ایک دن غار حرا میں آپ حسب معمول مصروف مراقبہ و عبادت تھے کہ فرشتۂ غیب نے آپ سے کہا (اقرا باسم ربك الذی خلق.....الخ) الغرض سلسلۂ وحی جاری ہوا۔ حضور نے اس واقعہ کو سب سے اول حضرت خدیجہ پر ظاہر کیا اور اس کے بعد دیگر محرمان بارگاہ نبوی مسلمان ہوتے گئے۔ یہ سب کچھ پوشیدہ طور پر ہوا اور خاص طور پر اس کا اہتمام تھا۔ کہ محرمان خاص کے

سوائے اس کا اعلان نہ ہونے پائے۔ نماز کے ادا کرنے کے لیے حضور صلعم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے تھے۔ تین سال تک اسی طرح فرض تبلیغ رازداری سے ادا ہوتا رہا۔ بالآخر حکم خداوندی نازل ہوا (فاصدع بما تومر) نیز (وانذر عشیرتک الاقربین) آنحضرت نے کوہ صفا پر چڑھ کر اہل قریش کو بلایا اور فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے لشکر آرہا ہے تو کیا تم اسے صحیح سمجھو گے جواب ملا ہاں کیونکہ تم صادق القول ہو آنحضرت صلعم نے فرمایا اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر شدید عذاب خداوندی نازل ہوگا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد حضور صلعم نے جناب علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ دعوت کا سامان کرو آنحضرت صلعم کے اقربا قریب جمع ہوئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر آنحضرت نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کو کفیل ہے اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعتہً حضرت علی نے اٹھ کر کہا گو مجھ کو آشوب چشم ہے گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں۔ تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ وہ شخص جن میں ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی لیکن آگے چل کر زمانے نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔ (سیرۃ النبی)۔

الغرض سابقین اسلام کی ایک جماعت رفتہ رفتہ تیار ہوگئی کفار قریش نے اس طرح طرح کی سختیاں کیں۔ زور و زر سے ان کو اسلام سے باز رکھنا چاہا لیکن یہ سب ایسے راسخ الایمان تھے کہ کوئی چیز ان کو متزلزل نہ کر سکی۔ ابتداءً جب آنحضرت صلعم نے علی الاعلان دعوت اسلام کا آغاز کیا اور بت پرستی کی ممانعت کے احکام دئے تو کفار مکہ کو بہت ناگوار گزرا قریش کے چند معززین نے جمع ہو کر حضرت ابو طالب سے اس کی شکایت کی ان کو جناب ابو طالب نے

نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ چونکہ آنحضرت صلعم کی طرف سے تبلیغ و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا مکرر وساے قریش کی ایک جماعت جناب ابوطالب کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کی توہین کرتا ہے اور ہمیں گمراہ بتاتا ہے۔ پس یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ کہ ہم محمدؐ سے خود فیصلہ کر لیں اور یا تم خود محمدؐ کے ساتھ ہمارے مقابلہ کو آؤ کہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کرے۔ جناب ابوطالب نے جب یہ نزاکت پیدا ہوتی دیکھی تو آپ نے آنحضرتؐ سے فرمایا کہ جان عم میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال جسے میں نہ اٹھا سکوں۔ حضور نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ بخدا اگر میرے ایک ہاتھ میں شمس اور دوسرے میں قمر یہ لوگ لا کر دیں تب بھی میں اپنے فرض کے ادا کرنے سے باز نہ آؤنگا۔ یا خداوند عالم اپنا وعدہ پورا کرے گا اور یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤنگا جناب ابوطالب اس جواب سے سخت متاثر اور آبدیدہ ہوے اور کہنے لگے کہ اب کوئی شخص تیرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا جا اور اپنا فرض پورا کر۔

الغرض انواع و اقسام کی اذیتیں کفار قریش نے آنحضرتؐ اور آپکے جان نثاروں کو پہنچائیں اسی لیے حبشہ کی ہجرت کی تجویز پیش ہو کر زیر عمل آئی۔ کفار قریش نے آنحضرت اور آپ کے رفقاے خاص سے کامل مقاطعہ کر لیا اور آنحضرت صلعم کے قتل کا مطالبہ تحریر ہو کر در کعبہ پر آویزاں کیا گیا مجبوراً مدینہ جناب ابوطالب نے اس سختی اور مجبوری کی حالت میں مع اپنے خاندان کے شعب ابوطالب میں پناہ لی اور تین سال تک جس سختی اور تکلیف سے وہاں بسر کی اس کی تفصیلات کتب تاریخ میں درج ہیں سنہ ۱۰ میں یہ اقامت ختم ہوی اسی سال نماز پنجگانہ فرض ہوی اسی سال حضور کو معراج ہوئی اسی سال حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا جس کے باعث یہ سال عام الحزن مشہور ہوا اہل مکہ نے جب انتہائی سختیاں مسلمانوں کی قلیل جماعت پر جاری رکھیں تو حضور صلعم نے دعوت اسلام کی غرض سے طائف کا سفر کیا مگر وہاں بھی یہی صورت درپیش ہوی اور وہاں کے لوگوں نے طرح طرح آنحضرت صلعم کو

ایذا دہی اور اہانت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ آنحضرت صلعم نے طایئف سے واپسی میں چند روز نخلہ وحرا میں قیام کیا اور بالآخر مطعم بن عدی کی حمایت وحفاظت میں آپ مکہ میں تشریف لائے کفار قریش کے ظلم وجور میں کوئی کمی واقع نہ ہوی حضور سرور عالم نے بعض موافق حالات وقرائن کی بنا پر مسلمانوں کو یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی کہ کسی طرح کفار قریش کے مظالم سے نجات مل سکے رفتہ رفتہ اکثر مسلمان مدینہ میں پہنچ گئے کہ میں معدودے چند صحابہ اور بعض وہ اشخاص جو مفلسی کی وجہ سے مجبور تھے رہ گئے۔ قرآن شریف میں بھی ان مفلس و مجبور مسلمانوں کا ذکر ہے۔ (والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا) جب کفار قریش نے معلوم کیا کہ مسلمان مدینہ میں امن وآرام کے ساتھ جڑ پکڑتے جاتے ہیں تو انہوں نے دارالندوہ میں باہم مشاورت کے ساتھ قرار دیا کہ محمدؐ کے قتل کے لیئے ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص کا انتخاب کیا جائے اور یہ سب اشخاص ملکر ایک ساتھ آنحضرت کو قتل کر دیں۔ یہ نبوت کے تیرہویں سال کے واقعات ہیں کفار نے باہم حضور کے قتل کرنے کی قرار داد کی۔ ادہر احکام ربانی کی تعمیل میں حضور نے مدینہ کی طرف ہجرت کا عزم فرمایا۔ جماعت کفار نے آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ بعزم قتل کیا جب رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے انھیں غافل کر دیا اور آنحضرت صلعم مکان سے باہر تشریف لائے اور حسب قرار داد ہجرت فرمائی مدینہ طیبہ میں پہنچ کر کلثوم بن الہدم کے مکان میں نزول اجلال فرمایا۔ مدینہ منورہ میں آنحضرت کا داخلہ ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوی مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ عیسوی کو ہوا۔ اور یہاں پہنچکر سب سے پہلے آنحضرتؐ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر کلام پاک میں ہے (لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم..... الخ) اسی مسجد کے متصل حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان تھا جس میں حضور نے قیام فرمایا اسی مسجد کے ایک گوشہ میں

ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا اور ان لوگوں کی یہ اقامت گاہ تھی جو اسلام لاتے تھے اور اپنا ذاتی گھر بار نہ رکھتے تھے۔ اسی سال اذان کی ابتدا ہوی۔ اسی سال مہاجرین و انصار میں حضور صلعم نے مواخاۃ کرائی کہ بے خانمان مہاجرین کی بود و باش کا عارضی انتظام ہو جائے اسی سال یہود مدینہ سے آنحضرتؐ نے معاہدہ قائم کیا۔

سنہ ۲ھ میں تحویل قبلہ عمل میں آئی۔ اب تک نماز بیت المقدس کی طرف پڑھی جاتی تھی آیندہ سے مسلمانوں کو حرم کعبہ کی طرف منہہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور اسی سال قتال فی سبیل اللہ کا حکم نازل ہوا (قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم) یعنے خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ ادہر قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کر دیا تھا بالآخر بدر کا معرکہ بتاریخ ۱۷ رمضان سنہ ۲ھ پیش آیا۔ لشکر اسلام کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جن میں سے ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے کفار قریش کے لشکر میں ہزار آدمیوں کی جمعیت تھی اور سو سواروں کا رسالہ تھا۔ خداوند عالم نے اس سخت آزمایش میں لشکر اسلام کو فتح و نصرت عطا فرمائی عتبہ اور ابوجہل قتل ہوے اس کے بعد اسی سال غزوہ سویق درپیش ہوا جس میں ابوسفیان نے واقعہ بدر کا بدلہ اپنی قیادت میں لینا چاہا مگر نتیجہ صرف یہ نکلا کہ مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر بھاگا اور اپنا سامان رسد یعنے ستو کے تھیلے پھینکتا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے اسی لیے یہ غزوہ سویق سے موسوم ہے اسی سال یعنے سنہ ۲ھ میں سیدۃ النساء العالمین کا عقد جناب امیرؑ سے ہوا۔ اس کے حالات جناب فاطمہ زہرا کے ذکر میں بیان ہوں گے۔ اسی سال رمضان کے روزے فرض ہوے اور صدقہ عید دینے کا حکم ہوا۔ نماز عید بھی پہلی بار ادا کی گئی۔ اسی سال غزوہ بنی قینقاع واقع ہوا۔

وقائع سنہ ۳ھ اس سال میں غزوہ غطفان و غزوہ بنی سلیم واقع ہوے اسی سال

تاریخ ۱۵ رمضان حضرت امام حسنؑ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ مشہور ترین و اہم ترین واقعہ اس سال کا غزوۂ اُحد ہے جو ماہ شوال میں ہوا کفار مکہ نے بدر کا انتقام لینے کیلئے عزم بالجزم کر لیا تھا حتیٰ کہ خاتونان قریش بھی جنگ میں شرکت کے لیے آئی تھیں۔ لشکر اسلام میں مہاجرین کی تعداد صف جنگ میں ۷۰ تھی مصعب بن عمیر صاحب علم تھے۔ زبیر بن العوام رسالے کے افسر تھے اور حضرت حمزہ غیر زرہ پوش حصۂ فوج کے سردار مقرر ہوئے عبداللہ بن جبیر عقبیٰ تیر اندازوں کے افسر تھے اول اول لشکر اسلام کو فتح کامل حاصل ہوی لیکن عقبیٰ تیر اندازوں کی جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی سے لڑائی کا رخ بدل گیا اور لشکر اسلام میں انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مصعب بن عمیر کو ابن قمیہ نے شہید کر دیا اور غل ہوا کہ خود جناب رسول مقبول بھی شہید ہو گئے جس سے بیحد سراسیمگی لشکر اسلام میں پیدا ہو گئی۔ اسی ہنگامۂ دار و گیر میں ابن قمیہ نے چہرۂ مبارک نبوی پر تلوار کا وار کیا جس کے صدمہ سے دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ بالآخر جناب رسول کریم صلعم چند جان نثاران خاص کے ساتھ پہاڑی پر چڑھ گئے ابوسفیان نے اس طرف بڑھنے کا ارادہ کیا مگر روک دیا گیا حضرت حمزہؓ اسی معرکہ میں وحشی حبشی کے حربہ سے شہید ہوئے۔ الغرض غزوۂ احد کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ اسے نہ مسلمانوں کی کامل فتح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ شکست سے۔ اسی سال وراثت کے احکام بھی نازل ہوئے اور نکاح مشرکہ حرام قرار دیا گیا۔

سنہ ۴ ھ وقائع اس سال سرایائے ابی سلمہ ابن انیس و بیر معونہ و واقعہ رجیع و رجیع پیش ہوئے شعبان میں جناب امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ شوال میں آنحضرت نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا اور بقول بعض حرمت شراب کے احکام بھی اسی سال نازل ہوئے۔ غزوۂ بنی نضیر ماہ ربیع الاول میں واقع ہوا۔

وقائع سنہ ۵ اس سال غزوہ بنی مصطلق واقع ہوا۔ حارث بن ابی ضرار خاندان ابو مصطلق کا رئیس تھا۔ اس نے مدینہ طیبہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور بالآخر لشکر اسلام کی آمد کی خبر سن کر مرسیع سے فرار ہو گیا ساکنان مرسیع نے لشکر اسلام سے مقابلہ کیا ان کے دس آدمی مارے گئے اور قریباً ۶۰۰ گرفتار رہوے باقی فرار ہو گئے اسی سال حضرت جویریہ سے آنحضرت صلعم نے شادی کی۔ اسی سال کا مشہور ترین و اہم ترین واقعہ جنگ احزاب ہے جس میں اہل عرب و یہود کے متفقہ لشکر نے جن کی تعداد چوبیس ہزار تھی مسلمانوں سے مقابلہ کیا ان کا قائد عظم اس جنگ میں ابو سفیان تھا حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے حضور صلعم نے مدافعانہ جنگ کے لئے خندق تیار کرائی جسمیں دن میں تین ہزار متبرک ہاتوں نے کھود کر تیار کیا اس ابتلاء عظیم کا ذکر کلام اللہ میں آیا ہے۔ (ھنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالاً شدیداً) ایک ماہ تک محاصرین نے اس شدت سے محاصرہ کیا کہ محصورین یعنے مسلمانوں پر تین تین وقت کے فاقے گذر گئے۔ بالآخر مخالفین اسلام کے سرداروں اور عرب کے مشہور بہادروں نے عام حملہ کیا۔ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود سے جناب امیرؑ کا دست بدست مقابلہ ہوا جس میں عمرو مارا گیا تمام دن لشکر اسلام پر تیر اور پتھروں کا مینہ برستا رہا۔ بالآخر محاصرہ کے طول اور دیگر مشکلات سے عاجز آکر لشکر مخالفین اسلام منتشر ہو گیا بنی قریظہ نے چونکہ جنگ خندق کے دوران میں مسلمانوں کی مخالفت کی لہذا ان کا محاصرہ لشکر اسلام نے قریباً ایک ماہ تک کیا بالآخر ان کی درخواست پر سعد بن معاذ حکم قرار دیے گئے اور انہوں نے محاربین یعنی بنی قریظہ کے قتل کا حکم دیا نماز خوف اور پردہ نسوان کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔ تبنیٰ کی زوجہ سے جواز نکاح اور تیمم و ظہار و لعان کے احکام بھی اسی سال دئے گئے۔

وقائع سنہ ۶ اس سال آنحضرت صلعم نے بعزم مکہ سفر فرمایا عمرہ کا احرام باندھا چودہ سو اصحاب ہمرکاب تھے۔ عسفان پہنچکر معلوم ہوا کہ کفار قریش آمادہ پیکار

ہیں۔ بالآخر آنحضرتؐ نے مقام حدیبہ میں قیام کیا حضرت عثمانؓ کو بغرض گفتگوئے صلح مکہ میں بھیجا گیا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیے گئے۔ حضرت عثمانؓ کے خون کے قصاص کی غرض سے تمام حاضرین سے بیعت جان نثاری لیگئی جس کا نام **بیعت رضوان** ہے بعد میں معلوم ہوا کہ قتل ہو جانے کی روایت غلط تھی بالآخر چند شرائط سے صلح ہو گئی یہ شرائط مسلمانوں کے لئے نہایت سخت تھیں ان میں سے منجملہ یہ کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔ اگلے سال جب آئیں تو صرف تین دن قیام کر کے واپس ہو جائیں اور ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ مکہ سے جو آدمی مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے اس کو واپس کر دیا جائے۔ اور مدینہ سے جو آدمی بھاگ کر مکہ میں آئے اسے واپس نہ دیا جائے گا۔ یہ واقعہ **صلح حدیبیہ** سے موسوم ہے۔ اس طرف سے مسلمانوں کو قدرے اطمینان ہوا تو متعدد سفارتیں تبلیغ اسلام کی غرض سے شاہان وقت کے پاس روانہ کی گئیں مثلاً قیصر روم و نجاشی شاہ حبش و عزیز مصر و شاہ ایران و امیر غسان وغیرہ۔

وقائع ۷ھ اس سال کے اہم واقعات یہ ہیں کہ قبیلہ غطفان اور یہود نے مشترکہ طور پر ایک لشکر جرار مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مرتب کیا قبل اس کے کہ یہ لشکر مدینہ طیبہ پر حملہ کرے مسلمانوں نے خیبر پر حملہ کیا۔ چودہ سو پیدل اور دو سو سوار لشکر اسلام میں تھے خیبر میں چھ قلعے تھے جن کے نام سالم قموص نطاۃ قصاء شق اور مرطبہ ہیں۔ پانچ قلعے یکے بعد دیگرے فتح کر لیے گئے۔ صرف ایک قلعہ قموص جو سب سے زیادہ مضبوط و محفوظ تھا باقی رہا۔ اور جس کی فتح جناب امیر شاہ خیبر گیر کے ہاتھوں ہوئی۔ مرحب جو عرب کا مشہور زبردست آزما تھا۔ جناب امیرؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اسی سال حضرت صفیہؓ سے آنحضرتؐ نے عقد کیا۔ اسی سال ایک یہودیہ نے آنحضرتؐ کو کھانے میں زہر کھلایا اسی سال (بقول اہلسنت) متعہ حرام ہوا۔ اسی سال وادی القریٰ

میں مسلمانوں سے یہود کا مقابلہ ہوا جس میں یہود ناکام رہے۔ حضور صلعم نے مع جماعت صحابہ عمرہ ادا فرمایا

وقائع ۸ھ

اس سال کا اہم ترین واقعہ غزوۂ موتہ ہے۔ مسلمانوں کا لشکر جس میں تین ہزار لشکری تھے۔ حارث بن عمیر قاصد رسول اللہ صلعم کے قتل کے قصاص کی غرض سے شرجیل بن عمرو بادشاہ بصریٰ پر حملہ کرنے کو روانہ ہوا جس کا مقابلہ ایک لاکھ لشکر جرار سے ہوا زید بن حارثہ حضرت جعفر طیارؓ و عبداللہ بن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور بعد میں حضرت خالد بن ولید لشکر اسلام کو ناکام واپس لیکر آئے۔ دوسرا مشہور واہم واقعہ اس سال کا فتح مکہ ہے اس کے واقعات یہ ہیں کہ قبیلہ خزاعہ پر جو مسلمانوں کا حلیف تھا بنو بکر نے باعانت رؤسائے قریش حملہ کیا خزاعہ نے بدرجہ مجبوری حرم میں پناہ لی اور حالانکہ حرم محترم میں قتال ممنوع تھا حدود حرم کے اندر خزاعہ کا خون بہایا گیا۔ حضور صلعم کو یہ واقعات سن کر سخت رنج ہوا اور آپ نے بذریعہ سفارت پیام بھیجا کہ مقتولین کا خون بہا دیا جائے اور قریش بنو بکر کی حمایت سے دستکش ہو جائیں۔ نیز معاہدۂ حدیبیہ کے کالعدم ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ قریش نے صرف آخری شرط منظور کی اور اس کے بعد ابوسفیان کو مدینہ کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لی جائے مگر یہ کارروائی بے سود رہی۔ آنحضرت صلعم نے ۱۰ رمضان کو لشکر اسلام کے ہمراہ جس میں دس ہزار لشکری تھے مکہ معظمہ کی جانب عزیمت فرمائی ابوسفیان جاسوسی کے لیے مکہ سے باہر آیا اور گرفتار ہو گیا۔ بالآخر حضرت عباسؓ کے کہنے سننے سے اس نے قبول اسلام کا اظہار کیا۔ لشکر اسلام بغیر کسی قابل ذکر مخالفت کے داخل مکہ ہوا۔ اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص غیر مسلح رہے گا یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا۔ یا جو شخص اپنا دروازہ بند رکھے گا اسے امن دیا جائے گا۔ خانۂ کعبہ کے تمام بت نکلوا دیے گئے۔ جب حرم ان اصنام کی آلائش سے پاک ہو گیا تو حضور صلعم حضرت بلالؓ و طلحہؓ کے ہمراہ حرم میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی اور وہ خطبۂ سلطنت پڑھا جو تاریخ

اسلام بلکہ تاریخ عالم میں ایک زندہ یادگار ہے کفار سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہیں معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں کفار نے جواب دیا کہ انت اخ کریم وابن اخ کریم بیشک ہیں اپنی زیادتیوں کے بدلے میں امید ہے کہ تو ہمیں معاف کرے گا۔ اس کے جواب میں رحمۃ اللعالمین نے وہی جملہ کہا جو تاریخ اسلام میں بے حد مشہور ہے لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا وانتم الطلقاء۔ یعنی جاؤ تم آزاد ہو۔ تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ یہ سال تاریخ اسلام میں عام الفتح سے موسوم ہے۔

فتح مکہ کے بعد ہی معلوم ہوا کہ قبیلہ ہوازن وثقیف نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مہیب سامان کئے ہیں۔ آنحضرت صلعم اس خبر کو سن کر بارہ ہزار فوج کے ساتھ آگے بڑھے لیکن اس تعداد میں بکثرت طلقا اور جدید الاسلام ناتجربہ کار اشخاص تھے وادی حنین میں مقابلہ ہوا پہلی ہی بھڑ میں لشکر اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے اور سوائے چند جان نثاران خاص کے آنحضرتؐ کے پہلو میں کوئی باقی نہ رہا۔ بالآخر خداوند عالم نے مسلمانوں کے قلوب میں سکینہ نازل فرمایا۔ اور از سر نو مجتمع ہو کر مسلمانوں نے لشکر کفار کو شکست دی۔ یہ وہی منظر ہے جس کا ذکر سورۂ توبہ میں اس طرح ہوا ہے (ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم ..... ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین)۔ کفار کی شکست خوردہ فوج طائف وادطاس میں جمع ہوئی۔ ان دونوں مقامات پر بھی مقابلہ ہوا اگرچہ کہ اسلامی جنگ مدافعت کا پہلو لیے ہوئے ہوتی تھی اور ان سے کچھ زیادہ اندیشہ بھی مسلمانوں کو نہ تھا۔ بیس دن کے بعد طائف کا محاصرہ برخاست کر دیا گیا۔ اسی سال ابراہیم بن رسول اللہ صلعم کی ولادت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئی۔

وقائع ۹ھ بعض ذرائع سے خبریں پہنچیں کہ رومیوں نے ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں

حملہ کرنے کے لیئے مرتب کیا ہے۔ یہ خبریں سنکر آنحضرت صلعم نے تیس ہزار فوج کے ساتھ کوچ کیا تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی آنحضرت نے وہاں بیس روز قیام کیا اور عیسائی سرداروں سے معاہدات دوستانہ کئے جکم زکوٰۃ بھی اسی سال نازل ہوا۔ اور نجاشی بادشاہ حبش کی نماز جنازہ غائب بھی اسی سال پڑھی گئی۔

وقائع سنہ ۱۰ھ فتح مکہ کے بعد سے اسلام میں فوج در فوج اشخاص شامل ہونے لگے۔ دینی اور دنیوی اصلاحات کے متعدد احکام دیے گئے۔ اسی سال آنحضرت صلعم نے حج وداع ادا فرمایا اور خطبہ فصیح و بلیغ ارشاد فرمایا جس میں بہ فصائح مسلمانوں کو کئے دین حق کی تکمیل کا مژدہ سنایا گیا۔

وقائع سنہ ۱۱ھ اس سال کا اہم ترین واقعہ حضور اقدس صلعم کی وفات ہے۔ ماہ صفر کے آخر میں دردسر اور بخار کی شکایت شروع ہوئی بالآخر تاریخ ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ مطابق سنہ ۶۳۲ء بعمر ۶۳ سال روح اقدس نے جسم اطہر سے مفارقت کی۔ جناب امیرؓ نے غسل دیا ابو طلحہؓ نے قبر کھودی اور جس بستر پر حضور نے وفات پائی تھی وہی قبر میں بچھا دیا گیا جسم اطہر کو حضرت علیؓ و فضل بن عباسؓ و اسامہ بن زید و عبد الرحمن بن عوفؓ نے قبر شریف میں اتارا

اس حد تک ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ بعض اہم وقائع کا اندراج کر دیا ہے۔ ایسے مختصر مضمون میں ان مہتم بالشان واقعات کا تفصیلی اور جامع بیان نہ تو ممکن ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہماری اس مختصر کتاب کا موضوع اصلی یہ ہے بزرگان سادات کے بیان کے سلسلہ میں اس قدر بیان ضروری سمجھ گیا۔ اب اس مختصر مضمون کو چند ضروری امور آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات عمولات کے متعلق بیان کر کے ختم کیا جاتا ہے۔ سیرۃ نبوی کو تفصیل لکھنے کے لئے جن امور و حالات کی ضرورت ہے وہ یہاں موجود نہیں۔ اور سب سے اول کے

اس عظیم الشان فرض کی تکمیل کے لیے ہم کیا اور ہمارا قلم کیا۔ یہی جو کچھ لکھا جا رہا ہے محض تبرکاً تزئین اوراق ہذا کے لئے ہے۔ ورنہ کہاں ہم اور کہاں سیرۃ نبوی کی تحریر و ترتیب۔

من کیم و بزم تو لیکن زدور دیدن آن انجمن آرزوست

سطور ما بعد میں کتب معتبرہ مقبولہ مثلاً مدارج النبوۃ و شمائل ترمذی و سیرۃ النبی وغیرہ سے آنحضرت صلعم کے ذاتی حالات مختصر مختصر تحریر کئے جاتے ہیں۔

حلیۂ مبارک چہرۂ مبارک مرأت جمال الٰہی و مظہر انوار نامتناہی تھا۔ رنگ سفید و سرخ تھا۔ حدیث ابن ابی ہالہ میں ہے (کان رسول اللہ صلعم فخما مفخما یتلاء لأ وجہہ تلأ لؤ القمر لیلۃ البدر) رخسارے صاف تھے۔ نہ ہڈیوں میں اندر کی جانب دبے ہوئے تھے اور نہ پھولے ہوئے تھے۔ آنکھوں کی پتلیاں سیاہ تھیں ان میں سرخ ڈورے بھی رہتے تھے آنکھیں بڑی اور موزوں تھیں بالفاظ دیگر آنحضرت صلعم عظیم العینین و اہل العینین تھے۔ بقول قاضی عیاض گیارہ اور بقول سہیلی بارہ ستارے عقد ثریا میں آنحضرت صلعم اپنی تیزی بصارت سے شمار فرما سکتے تھے۔ آنحضرت صلعم واضح الجبین و صلت الجبین تھے یعنی پیشانی مبارک واضح اور کشادہ تھی۔ طالع نورانیت جبین مبارک سے واضح ہوتا تھا۔ ابرو پیوستہ تھے۔ بروایت بیہقی آنحضرت صلعم احسن الوجہ عظیم الحبۃ دقیق الحاجبین تھے۔ یعنی مبارک بلندی مائل تھی یعنے سرسری طور پر دیکھنے سے قدرے بلند معلوم ہوتی تھی مگر درحقیقت بلند نہ تھی۔ دہن مبارک قدرے کشادہ تھا۔ دندانہائے مبارک زیادہ پیوستہ نہ تھے نہایت صاف شفاف تھے۔ بروایت حضرت ابن عباسؓ جب حضور صلعم تکلم فرماتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ درمیانی کشادگی سے نور باہر آرہا ہے علامہ بوصیری رح کیا ہی خوب تحریر فرماتے ہیں:۔

کانما اللولوء المکنون فی صدف من معدنی منطق منہ و مبتسم

آنحضرت صلعم منبسط الوجہ یعنی ہنس مکھ تھے ہنسی آتی تو آپ مسکرا دیتے تھے گر قہقہہ تک کبھی نوبت نہ آتی تھی آواز مبارک بلند شیریں اور دور رس و دلاویز تھی۔ عارف رومی فرماتے ہیں:- در دلِ ہر امتی کز حق مزہ است روی و آواز پیمبر معجزہ است

موے مبارک اکثر شانوں تک لٹکتے رہتے تھے اور کبھی کم بھی کرا دیتے تھے۔ ریش مبارک سیاہ اور گنجان تھی۔ دونوں شانوں کے درمیان قدرے گوشت کا ابھرا ہوا ایک حصہ تھا جس پر تل تھے۔ اور بال اُگے ہوئے تھے اس کی جسامت کبوتر کے انڈے کے برابر تھی یہی ہے جو مہر نبوت کے نام سے موسوم ہے۔ مشہور ہے کہ اس میں کلمہ طیبہ تحریر تھا مگر بقول حافظ ابن حجر وغیرہ یہ روایات قابل اعتنا نہیں ہیں۔ (لم یثبت منہا شیئ زرقانی بر مواہب) اسی طرح یہ بھی مشہور ہے کہ جسم مبارک کا سایہ نہ تھا اس روایت کی بھی کوئی سند نہیں ہے (سیرۃ النبی)۔

آنحضرت صلعم میانہ قد موزوں اندام تھے جسم نہ فربہ خا اور نہ لاغر۔ سینہ مبارک فراخ اور بھرا ہوا تھا۔ سینہ کی ظاہری کشادگی کے ساتھ باطنی کشادگی بھی اہل بصیرت سے مخفی نہیں ہے جس پر خود کلام الٰہی ناطق ہے (الم نشرح لك صدرك) میں اسی طرف اشارہ ہے ہاتھ پاؤں نہایت موزوں اور کلائیاں خوب چوڑی تھیں۔ گردن لمبی اور صراحی دار تھی۔ سر مبارک بڑا تھا جو سرداری کی علامت ہے۔

رفتار و گفتار و دیگر حالات

رفتار میں دلکشی زیادہ تھی جب چلتے تھے تو قدم جما کر رکھتے تھے گویا کوئی شخص ڈھلوان زمین پر اتر رہا ہے تمام جسم کا بوجھ پاؤں پر دے کر اور قدم جما کر پاؤں اٹھاتے تھے۔ رفتار تیز تھی گفتگو نہایت شیریں و دل آویز تھی جس سے سننے والے پر رعب طاری ہو جاتا تھا۔ ٹھیر ٹھیر کر گفتگو فرماتے تھے اور جس بات پر زیادہ زور دینا منظور ہوتا

بار بار اس کا اعادہ فرماتے تھے ایک ایک فقرہ الگ اور صاف ہوتا تھا تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے اور اثنار گفتگو میں جب مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتی تھیں۔ بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے تھے۔

لباس مبارک میں کوئی خاص التزام تو نہ تھا البتہ آپ ایسا لباس عموماً استعمال فرماتے تھے جو نہ زیادہ تنگ ہوتا تھا اور نہ ڈھیلا تہبند قمیص و عمامہ و چادر روزانہ کا لباس تھا۔ پاجامہ نہیں استعمال فرمایا مگر اسے دیکھکر پسند فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ لباس سا تر ہے عمامہ کا شملہ کبھی دونوں شانوں کے درمیان رہتا تھا اور کبھی تحت الحنک کے طور پر لپیٹ لیتے بعض اوقات شامی و نو شیروانی قبائیں بھی استعمال فرمائی ہیں بعض اوقات حلہ حمرا بھی استعمال فرمایا ہے یہ ایک قسم کی یمنی چادر ہوتی تھی جس میں سرخ دھاریاں ہوتی تھیں نعلین مبارک اس طرز کے تھے جسے اس ملک میں چپل کہتے ہیں۔ میدان جنگ میں زرہ اور مغفر بھی استعمال فرماتے تھے۔

غذا نہایت سادہ تھی۔ جو کا آٹا بے چھنا اکثر استعمال فرماتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو بندۂ خدا خود خدا کا شب و روز مہمان اور خود خدائے قدوس جس کا میزبان ہو اس کے لیے دنیوی لذائذ ماکولات و مشروبات کی نہ کوئی خاص ضرورت ہے اور نہ کسی بیش قیمت و لذیذ طعام کی حاجت ارشاد نبوی ہے۔ ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی) واللہ در ما قال۔

ترا نوالہ و مادم خوان یطعمنی — ترا پیالہ مدام از شراب یسقینی
مرا تو قبلہ دینی از اں سبب گفتم — بمردماں۔ کہ۔ لکم دینکم ولی دینی

آنحضرت کی معمولی غذا اونٹ بھیڑ بکری کا گوشت تھی۔ دودھ شہد اور سرکہ بھی نوش فرماتے تھے اکثر روزہ رکھتے اور فاقہ بھی کرتے تھے شوربہ میں چوری ہوئی روٹی بھی استعمال فرماتے تھے چونکہ اس زمانہ میں امراء ذی مقدرت اشخاص کا مخصوص شعار یہ تھا کہ زمین سے بلند خوان یا میز رکھکر کھانا کھاتے تھے اور یہ فخر و امتیاز

کی ایک خاص علامت تھی آپ نے اس پر کھانا پسند نہیں فرمایا معمولاً تین انگلیوں سے طعام تناول فرماتے تھے صحیح بخاری میں بھی روایت موجود ہے کہ کبھی کبھی آپ گوشت چھری سے کاٹ کر تناول فرماتے تھے مزاج اقدس نضافت پسند تھا۔ ہر کام میں صفائی پسند خاطر مبارک تھی حکم تھا کہ پیاز لہسن اور مولی کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں۔

آنحضرت صلعم مرد متوکل و عابد و زاہد و ذاکر و شاغل تھے۔ انواع و اقسام کے ابتلا و شدائد میں بھی آپ نے سررشتہ توکل و قناعت کو ہاتھ سے نہیں دیا اور سخت سے سخت آزمائش کے موقع پر بھی انتشار و مایوسی سے آپ آشنا نہ ہوئے ہر جگہ توکل و اعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ یکساں نظر آتا رہا ہنگامہ جنگ کی گرما گرمی اور خاص معرکہ دار و گیر کے ہجوم میں بھی آپ یاد الٰہی سے غافل نہ ہوئے اور غایت خضوع و خشوع و اطمینان قلب کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے خشیت الٰہی کی وجہ سے اکثر آپ پر رقت طاری ہوتی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے صحیح روایتوں میں ہے کہ راتوں کو نماز میں کھڑے کھڑے پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ رات کے سناٹے میں آپ کبھی دعا و زاری میں مصروف ہوتے اور کبھی کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے تھے محبت الٰہی کے سامنے تمام دنیوی نعمتوں کو ہیچ سمجھتے تھے۔

آنحضرت صلعم کی عادت شریف کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ برائی کے بدلے میں برائی نہ کرتے تھے بلکہ درگذر کرتے اور معاف فرما دیتے تھے آپ نے کبھی کسی خادم غلام لونڈی یا عورت یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ نہ آپ نے کسی کی کوئی جائز درخواست رد فرمائی صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ آنحضرت صلعم کو زمانہ آغاز وحی میں جب کہ مصائب و شدائد کا ہجوم تھا اس طرح تسکین دیا کرتی تھیں (خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا آپ صلہ رحم کرتے ہیں مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں مفلسوں اور

غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر کرتے ہیں حق کی حمایت کرتے ہیں اور مصیبت میں غیروں کے کام آتے ہیں)۔

علامہ شبلی نعمانی مرحوم و مغفور سیرۃ النبی میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ جو آنحضرتؐ کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک کم از کم ۲۳ برس آپ کی خدمت اقدس میں رہے تھے ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے اُن سے آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا جناب امیرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلعم خندہ جبین نرم خو مہربان طبع تھے سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے بات بات پر شور نہ کرتے تھے کوئی برا کلمہ منہ سے کبھی نہ نکالتے تھے عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کے ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے کوئی آپ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے یعنی صراحتاً انکار و تردید نہ کرتے تھے بلکہ خموش رہتے تھے اور مزاج شناس آپ کے تبور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے۔ اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دور کر دی تھیں بحث و مباحثہ ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے کسی کو برا نہیں کہتے تھے کسی کی عیب گیری نہ کرتے تھے کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا جب آپ کلام کرتے تو صحابہ اس طرح خموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں جب آپ خموش ہو جاتے تو وہ آپس میں بات چیت کرتے کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا چپ سنا کرتے لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے جن پر لوگ تعجب کرتے آپ بھی کرتے باہر کا کوئی آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ تحمل فرماتے دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہ فرماتے تھے لیکن اگر کوئی آپ کے

احسان وانعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے تھے جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپ اس کی بات درمیان سے نہ کاٹتے تھے نہایت فیاض نہایت راست گو نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتہً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔ (شمائل ترمذی)۔

جود وسخا آپ کی فطرت تھی بقول حضرت ابن عباسؓ آنحضرت صلعم سب سے زیادہ سخی تھے خصوصاً رمضان کے مہینے میں آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے تمام عمر کسی کے سوال پر نہیں کا لفظ جواب میں نہیں فرمایا ارشاد نبوی ہے السخی حبیب اللہ ولو کان فاسقاً والبخیل عدو اللہ ولو کان زاھداً۔ باوجود کمال سخاوت وجود وعطا آپ کو گداگری اور بلاوجہ جاہنمادی سوال کرنے والوں سے نفرت تھی ارشاد نبوی ہے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لادلائے اور اسے فروخت کرکے اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے (صحیح بخاری) فیاضی میں کافر و مسلمان کا کوئی خاص امتیاز نہ فرماتے تھے مسلمان و کافر سب آپ کے مہمان ہوتے اور بلا امتیاز مذہب و ملت آپ کے خوان کرم سے متمتع ہوتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ بھی ہوتا وہ سب ان کی نذر ہو جاتا اور گھر والوں کو فاقہ کی نوبت پہنچتی تھی آپ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ (ابوداؤد) اپنے اور اپنے خاندان والوں کے لئے صدقہ کا لینا باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔ ایک بار امام حسن علیہ السلام نے نادانستہ ایک صدقہ کی کھجور اپنے منہ میں ڈال لی۔ آپ نے سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا اور وہ کھجور صاحبزادہ کے منہ سے اگلوادی (صحیح بخاری)۔

امارت پسندی سے آنحضرت صلعم سخت اجتناب فرماتے تھے۔ سادگی اور بے تکلفی

کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے اور معمولات یومیہ میں خاص طور پر نمایاں تھی۔ رہبانیت اور تقشف کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ غایت درجہ متواضع تھے بیماروں کی مزاج پرسی مفلسوں اور فقیروں کی دستگیری آپ کا شعار خاص تھا اپنی غیر معمولی تعظیم اور مدح مفرط سے لوگوں کو روکتے تھے۔

آنحضرت صلعم میں شجاعت بھی غیر معمولی تھی جس کا مظاہرہ بارہا صف قتال میں ہوا ہے سخت سے سخت ابتلا و خدشہ کے اوقات میں بھی آنحضرت صلعم کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی (حضرت علیؓ جن کے دست بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں کہتے ہیں کہ بدر میں جب زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ہی کی آڑ میں آکر پناہ لی تھی۔ آپ سب سے زیادہ شجاع تھے مشرکین کی صف سے اس دن آپ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔ (سیرۃ النبی)۔

جس طرح دیگر انبیا علیہم السلام کو معجزات عطا ہوئے آنحضرت صلعم کو بھی مختلف معجزات دئے گئے۔ دیگر انبیاء کے معجزات کا اب کوئی اثر بجز ان کے ذکر کے باقی نہیں ہے۔ مگر آنحضرت صلعم کو ایک زندہ معجزہ بارگاہ ایزدی سے ملا ہے جو ہمیشہ کے لیے اپنی جامع اعجاز نمائی کے لئے زندہ یادگار رہے اور جس کے متعلق خود اس کا دعوی ہے کہ (قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا) اس دعوی پر ساڑھے تیرہ صدی کا مستقبل اب تک ماضی بن چکا ہے اور دنیا کے اکابر علما و عقلا و فصحا اس پر مہر تصدیق ثبت کر چکے ہیں اور آج تک بھی نہ کبھی اس دعوی کی تردید ہو سکی اور نہ آیندہ کبھی ہو سکتی ہے۔ جس حیثیت سے غور کیجئے قرآن حکیم سراسر اعجاز ہی اعجاز ہے اس کا طرز بدیع و اسلوب بیان اس کی بے مثل فصاحت و بلاغت۔ اس کے زور کلام کی از اول تا آخر یکسانی۔ اس کا جمیع استقام سے پاک صاف ہونا اس کی قوت تسخیر قلوب غرض متعدد ایسی صفات سے یہ کتاب متصف ہے جس کی نظیر ممکن نہیں۔ پھر علم و حکمت

کے جیسے جیسے بیش بہا جواہر اس میں موجود ہیں ان کا بھی کوئی ثانی دوسری جگہ ملنا ممکن نہیں ہے الغرض اپنی مختلف حیثیات کے لحاظ سے قرآن کریم ایک زندہ معجزہ کامل واکمل ہے۔

غور کرو کہ ایک امی محض جو امیوں ہی کی گودوں میں پلا اور پل کر جوان ہوا اس نے ہوش سنبھالا تو گرد و پیش تاریکیوں اور ظلمتوں کے سوا اُسے کچھ نظر نہ آیا علوم و فنون اور تمدن و تہذیب سے ایک عاری ملک عاری شہر اور عاری خاندان کے اندر نشو و نما پائی جہاں اہل فکر اور ارباب علم کا وجود نہ تھا وہ خود اس کا خاندان اور اس کا وطن نوشت و خواند کے نقوش و حروف سے آشنا نہ تھا گذشتہ صحف انبیا اور افکار عالیہ کا ایک حرف اس کے کان میں کبھی نہیں پڑا علما اور دانشوروں کی صحبت اس نے نہیں اٹھائی اصول قانون مبادی اخلاق محاسن علم و عمل کی کوئی ظاہری تعلیم اسے نہیں ملی بلکہ مدرسۂ علم و حکمت کے سایۂ دیوار تک کبھی اس کا گذر نہیں ہوا اور اسی طرح وہ اپنی زندگی کے چالیس دور سے ختم کرتا ہے کہ دفعتہً فاران کے ایک ویرانہ سے اجالا ہوتا ہے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ابلتا ہے ظاہری نوشت و خواند کے نقوش و حروف کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے صحف انبیا اور افکار عالیہ کے اوراق اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں اس کے پرتو صحبت سے اُمی اور جاہل علما و ہر اور دانشوران روزگار ہو کر نکلنے لگتے ہیں اصول قانون مبادی اخلاق اور محاسن علم و عمل کی تعلیم کا غلغلہ اس کی بزم فیض کے گوشہ گوشہ سے بلند ہوتا ہے کلام ربانی کے پردہ میں علم و حکمت کے پوشیدہ اسرار فاش ہونے لگتے ہیں۔ اس سے زیادہ قرآن کے معجزہ ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے (سیرۃ النبی) بے شک امت محمدی کے لئے یہ ایک دائمی سعادت ہے کہ ان کی آسمانی کتاب کیا باعتبار اپنی ظاہری خصوصیات یعنی بے مثل فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار اپنی داخلی خصوصیات یعنی باعتبار اپنی تعلیم اوسط وغیرہ کے بے مثل

وبے نظیر اور ایک زندہ اعجاز ہے جس کا کوئی ثانی اقصائے عالم میں موجود نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

آنحضرت صلعم کی ذات قدسی صفات کا جامع بیان نہ اس مختصر مضمون میں ممکن ہے اور نہ درحقیقت اس کا کوئی حق ادا کرنے کے لیے ہم اہل ہیں وہ ذات گرامی جو خلق آدمؑ ومعرفت شیثؑ وشجاعت نوحؑ وخلت ابراہیمؑ ولسان اسمٰعیلؑ ورضائے اسحاقؑ وفصاحت صالحؑ وحکمت لوطؑ وبشری یعقوبؑ وحسن یوسفؑ وشدت موسیٰؑ وصبر ایوبؑ وطاعت یونسؑ وجہاد یوشعؑ وصوت داؤدؑ وحب دانیالؑ ووقار الیاسؑ وعصمت یحییٰؑ وزہد عیسیٰؑ کی جامع ہو اس کی صفات کا بیان کرنا آسان کام نہیں اور ابراہیم بصداق خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست۔

اپنے اس مختصر مضمون کو سرگروہ صوفیائے کبار حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ کا کلام نقل کرکے اور اسے اپنا وسیلہ قرار دیکر ختم کرتے ہیں وہو ہذا۔

یارسول اللہ منم درماندہ ام — باد برکف خاک بر سر ماندہ ام
بیکساں را کس توی در ہر نفس — من ندارم در دو عالم جز تو کس
یک نظر سوے من غمخوارہ کن — چارۂ کار من بیچارہ کن
گرچہ ضائع کردہ ام عمر از گناہ — توبہ کردم عذر من از حق بخواہ
اے شفاعت خواہ امت تیز روز — لطف کن شمع شفاعت برفروز
دیدۂ جاں را لقائے تو بس است — ہر دو عالم را ضیائے تو بس است

(عطار رح)

والصلوٰۃ السامیہ والتحیات النامیہ علےٰ افضل رسل ونبی منجینا من جمیع الاھوال والآفات فی الدنیا ودیننا ملجانا وموجب تشفینا۔ نور من نور اللہ وسکینا۔ سید سادا تنا ووالینا۔ شافعنا وشافینا۔ قائدنا

وھادینا۔ الروف بنا من امھاتنا وابینا حبیب اللہ الاجمل فی الاجلینا حجۃ اللہ علینا وعلی الفائزین من خلفنا وما بعدنا وبین ایدینا وعلی آلہ وصحبہ الغائزین فوزا مبینا۔ واولیاءہ المتصوفین المتصرفین فی العالم باذنہ تمکینا وعلینا بھم ولھم اجمعینا ویرحم اللہ من قال امینا۔

جناب ابو طالب

جناب ابو طالب جناب عبد المطلب کے بیٹے اور جناب شیر خدا کے باپ ہیں۔ آنحضرتؐ کی پرورش اول جناب عبد المطلب نے کی اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو جناب ابو طالب کی تربیت وکفالت میں آن حضرت صلعم کو سپرد کر دیا کیونکہ جناب عبد اللہ پدر جناب رسول خدا اور جناب ابو طالب دونوں ماں جائے بھائی تھے۔ جناب ابو طالب نے کمال شفقت و محبت سے اپنے اس فرض کو باحسن الوجوہ انجام دیا اور ہمیشہ آنحضرت صلعم کے سامنے اپنے بچوں کی بھی کبھی پرواہ نہ کی ایک بار جناب ابو طالب اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ جب شام کو جانے لگے تو بخیال تکلیف آنحضرت کو ہمراہ لے چلنے سے انکار کیا مگر جب زیادہ اصرار دیکھا تو اپنے یتیم بھتیجے کی دلشکنی گوارا نہ کی اور اپنے ہمراہ لے لیا۔ بقول مورخین بحیرہ راہب کا واقعہ اس سفر میں پیش آیا آنحضرت صلعم کی عمر اس وقت تقریبًا دس بارہ سال تھی۔

حضور صلعم سے جس قدر محبت آپ کو تھی اس کا اندازہ خود جناب سرور کائنات ہی کر سکتے تھے۔ اللہ اللہ کیا محبت اس چچا کو اپنے بھتیجے سے تھی اور وہ کیسی مبارک گود تھی

جس میں سرور عالم نے پرورش پائی تفصیلی واقعات سے تمام کتب تاریخ مملو ہیں۔

آنجناب کے متعلق عقیدہ شیعہ یہ ہے کہ آپ مومن کامل تھے اور آپ کی وفات بھی بحالت ایمان ہوئی اہل سنت کا عقیدہ آنجناب کے متعلق باہم مختلف ہے اور ایمان ابوطالب بھی ایک زبردست اختلافی مسئلہ اہل تسنن میں ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ اہل سنت میں مالکی گروہ کا عقیدہ جناب ابوطالب کے متعلق وہی ہے جو شیعوں کا ہے اور ان کے عقیدہ میں حضرت ابو طالب کو بُرا کہنے والا اگرچہ توبہ بھی کرلے واجب القتل ہے۔ وعند المالکیہ وان تاب یجب قتلہ (شرح شفاء قاضی عیاض تلمسانی)۔ ثقۃ الحفاظ مستقصی میں فرماتے ہیں۔

اتفق ائمۃ اھل البیت ان اباطالب ما تمسلم وخلاف اھل البیت فی الاسلام غیر معتبر۔

اسی طرح ابن عساکر کا قول ہے (انہ اسلم) نیز ملاحظہ ہو تاریخ ابو الفداجس میں تحریر ہے۔

فلما تقارب من ابی طالب الموت جعل یحرک شفتیہ فاصغی الیہ العباس باذنہ وقال واللہ یا ابن اخی لقد قال الکلمۃ التی امرتہ ان یقولھا فقال رسول اللہ الحمد للہ الذی ھدیٰک یا عم ھٰکذا روی عن ابن عباس۔

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جب جناب ابی طالب کی موت کا وقت قریب آیا تو اپنے ہونٹ ہلانے لگے۔ جناب عباس نے کان لگا کر سنا اور کہا کہ اے بھتیجے واللہ اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس کا تم نے حکم دیا تھا پس جناب رسول صلعم نے فرمایا کہ سب تعریف ہے اس خدا کے لئے جس نے اے چچا تمہیں ہدایت کی یہ روایت اس طرح حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے۔

یہ روایت سیرۃ الحلبیہ میں بھی درج ہے نیز دیگر کتب میں بھی موجود ہے۔ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم ابوطالب کے ایام مرض میں ان کے پاس آن کر بیٹھے اور فرمایا کہ اے عم خداوند کریم آپ کو جزائے خیر دے کہ بچپن میں آپ نے میری پرورش کی اور جب میں جوان ہوا تو آپ نے میری حفاظت کی آپ کا حق مجھ پر میرے باپ سے بھی زیادہ ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں۔

ولولا ابی طالب وابنہ　　لما مثل الدین شخصًا وقاما

فذاک بمکۃ اوحی وحامی　　وھذا بیثرب یحمی الحماما

مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر ابوطالب اور ان کا بیٹا (علیؑ) نہ ہوتا تو دین صورت پذیر اور قائم نہ ہوتا کیونکہ ابوطالب نے مکہ میں اسے پناہ دی اور اس کی حمایت کی اور علیؑ نے مدینہ میں اپنے آپ کو سخت خطرات میں ڈالے رکھا :۔

اسی طرح دیگر ایسی روایات معتبر کتب میں موجود ہیں جن سے جناب ابوطالب کا مومن کامل ہونا پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اکابر اہل سنت نے مستقل کتابیں ایمان جناب ابوطالب کے اثبات میں تصنیف فرمائی ہیں جو اشخاص جناب ابوطالب کی موت کفر کی حالت میں مانتے آئے ہیں۔ وہ بھی اس قدر ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ باوجود اس کفر کے جناب ابوطالب نے وہ جان نثاریاں جناب رسول اللہ کیساتھ کی ہیں جن کا اعتراف خود جناب رسول کریم صلعم نے بارہا کیا ہے۔ جناب رسول کریم کو جناب ابوطالب سے بے حد محبت تھی جس کا اظہار بار بار آنحضرت صلعم نے اپنی زبان مبارک سے کیا ہے۔ یہ تمام واقعات سب کے مسلمہ ہیں علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلعم اب شعب ابی طالب سے نکلے تھے اور چند روز قریش کے جور وظلم سے امان ملی تھی کہ ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا ابوطالب کی وفات کے

وقت آنحضرت صلعم ان کے پاس تشریف لے گئے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے موجود تھے۔ آپ نے فرمایا مرتے مرتے لا الٰہ الا اللہ کہ لیجئے کہ میں خدا کے ہاں آپکے ایمان کی شہادت دوں۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا۔ ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے بالآخر ابوطالب نے کہا میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں پھر آنحضرت صلعم کی طرف خطاب کرکے کہا میں وہ کلمہ کہدیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا آپ نے فرمایا" میں آپکے لیے دعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کردے یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباس نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگاکر سنا تو آنحضرت صلعم سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔

اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے۔ اس لئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں۔

لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چندان قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شروح میں لکھا ہے کہ روایت مرسل ہے ابن اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس ہیں یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں۔

ابوطالب نے آنحضرت صلعم کے لیے جو جان نثاریاں کیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن

بنالیا۔ آپ کی خاطر بھوکے رہے فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جوش یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی۔

ابوطالب آنحضرت صلعم سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ صلعم کو ان سے بڑی محبت تھی ایک دفعہ وہ بیمار پڑے آنحضرت صلعم ان کی عیادت کے لیے گئے تو انہوں نے کہا "بھتیجے! جس خدا نے تجھکو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہیں مانگتا تاکہ مجھکو اچھا کر دے" آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہو گئے۔ آنحضرت صلعم سے کہا خدا تیرا کہا مانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے (سیرۃ النبی)۔

سبحان اللہ یہ کفر بھی کیسا کفر تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا مومن کامل (محمد) اس کافر سے عشق رکھتا تھا۔ اور وہ کافر بھی کیسا کافر تھا جو اس مومن کامل پر بہزار جان فدا تھا۔ ؎

ناز م بخبر او کہ بایماں برابر است

کچھ نہ کچھ اس کی وجہ ضرور ہے کہ جو لوگ جناب ابوطالب کو تادم مرگ کافر مانتے ہیں۔ کوئی جملہ یا کوئی لفظ آنجناب کی شان میں ایسا نکالنا گوارا نہیں کرتے جو دیگر کفار کے لئے عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیا بقول شبلی نعمانی یہ محبت یہ جوش یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی۔

صاحب اسنی المطالب تحریر فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ) یہ دعوی کہ اہل سنت کا اتفاق ابوطالب کی عدم نجات پر ہے نہایت درجہ جھوٹا ہے کیونکہ اکابر اہل سنت ایسے موجود ہیں جو ان کی نجات کے قائل ہیں مثلاً امام قرطبی، امام سبکی و امام شعرانی وغیرہم۔ جو بیان کرتے ہیں کہ ابوطالب جناب رسول کریم پر ایمان لائے اور حالت اسلام میں وفات پا گئے۔ حدیث صحیح میں جو ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے وارد ہے کہ جب پیغمبر خدا صلعم کو جناب ابوطالب

کی وفات کی خبر پہنچی تو آپ روئے اور ارشاد فرمایا۔ اذھب فغسلہ وکفنہ ودارہ وغفر اللہ لہ ورحمہ یعنی جاؤ ان کو غسل دو کفن دو اور دفن کرو اللہ تعالیٰ ان کو بخشے اور رحم کرے صاحب سیرۃ الحلبیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہی حدیث بروایت ابوداؤد ونسائی ابن جارود اور ابن خزیمہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت کی گئی ہے شرح الشہاب ابن وحشی میں ابوالطاہر فرماتے ہیں۔ من ابغض ابا طالب فھو کافر یا اللہ عزوجل (انتہی المطالب)

سنہ نبوی میں آنجناب کی وفات واقع ہوئی اور اس سے متصل ہی جناب خدیجہؓ کی وفات واقع ہوئی۔ ان دو حقیقی ہمدردوں کی موت سے جناب رسول صلعم کو سخت صدمہ تھا اور اسی باعث یہ سال تاریخ اسلام میں عام الحزن کے نام سے مشہور ہے۔

اگر جناب ابوطالب کافر بھی ہیں تو کسی مسلمان کی مجال نہیں کہ ایک جملہ بھی آنجناب کے متعلق ایسا ادا کر سکے جو عام طور پر کفار کے لیے ہم سب بولتے ہیں اور باتباع عمل نبوی ہم سب ماموہیں کہ چونکہ خود حضورؐ نے بیحد محبت جناب ابوطالب سے رکھی ہے ہم بھی ان سے محبت رکھیں اور خود حضورؐ نے جب ان کا اعزاز واکرام کیا ہے تو ہم میں سے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی کہہ سکیں حضورؐ نے ان کی وفات پر اگر گریہ فرمایا تو چاہیئے کہ ہماری آنکھیں بھی ان کے غم میں اشک بار رہوں۔ زہے نصیب جناب ابوطالب کے کہ دنیا کے سب سے بڑے شخص کی پرورش انہوں نے اپنی آغوش شفقت میں کی اور ان سے بے حد و نہایت محبت رکھی اور یہ دنیا کا سب سے بڑا شخص اس کی محبت سے بے قرار رہا اس کی وفات پر سوگوار ہوا۔ ان خاص حالات سے متاثر ہوکر اور جناب ابوطالب کے ایمان لے آنے کی روایت لکھنے کے بعد جناب مولٰنا عبدالرب مرحوم مصنف فردوس آ

تحریر فرماتے ہیں کہ خدایا اگر ابوطالب جہنم میں جائیں تو ان کے بدلے میں مجھے جہنم میں ڈال دے اور ان کو رسول صلعم کے پاس جگہ دے مجھے منظور ہے۔

اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضؓ

امیر المومنین امام الاشجعین مظہر العجائب و الغرائب۔ ہزبر الاسالب لیث الغالب آل غالب غالب کل غالب مطلوب کل طالب اسد اللہ الغالب علیؓ ابن ابی طالب کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ علیؓ بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔

ولادت باسعادت آنجناب کی بروز جمعہ مطابق ۱۳ ماہ رجب سنہ ۳۰ عام الفیل خانہ کعبہ میں ہوی۔ آنحضرت صلعم کی آغوش مبارک میں آپ کی تربیت ہوی۔ اور حسب ارشاد آنحضرت صلعم آپ کی کنیت ابوالحسن و ابوتراب قرار پائی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام مبارک فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے۔ اور آپ پہلی ہاشمیہ ہیں کہ بنی ہاشم میں منسوب ہوئیں اسلام سے مشرف ہوئیں اور ہجرت فرمائی۔ جناب علی علیہ السلام آن حضرت صلعم کے حقیقی عم زاد برادر اور داماد تھے جناب سیدہؑ آپ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ قد شریف میانہ بال بسپتی تھا۔ سینہ بھرا ہوا۔ بازو نہایت کشادہ اور قوی تھے۔ رنگ ملیح جبنی باریک اور پیشانی کشادہ خود بکثرت استعمال کرنے کے باعث سر مبارک کے بال کسی قدر صاف ہوگئے تھے (تاریخ الخلفا) اور بقول صاحب تاریخ خمیس چہرۂ انور بدر کامل کی طرح تابان تھا۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ جبین مبارک پر زخموں کے دو نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔ (سیرۃ النبی)۔

آپ کے متعلق عقیدہ شیعہ یہ ہے کہ آپ خلیفہ رسول اللہ بلافصل ہیں اور امت محمدیؐ میں سب سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ آپ کے متعلق یہ ہے کہ آپ آنحضرت صلعم کے چوتھے خلیفہ منصوص و برحق ہیں۔ آنجناب کے محامد و مناقب اس قدر کثیر ہیں کہ ہماری اس مختصر کتاب میں کسی طرح بھی ان کی تحریر کا کوئی حق ادا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جس ذات گرامی کے متعلق امام حنبل و دیگر اکابر فرماتے ہیں کہ ماجاء لاحد من الفضائل ماجاء لعلی کرم اللہ وجہہ یعنی آنجناب کے فضائل و محامد جس قدر ہیں کسی دوسرے کے نہیں ہیں (ازالۃ الخفا و صواعق محرقہ و تاریخ الخلفا وغیرہ)۔ ہم حیران ہیں کہ کس طرح منقبت نگاری کا حق اپنی مختصر نویسی کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں۔ جس کی مدح و منقبت کے لئے دفتر ناکافی ہوں اس مختصر کتاب میں بطور ضمنی بحث کے کس طرح اس مبارک فرض کو کما حقہٗ ادا کیا جا سکتا ہے محض تبرکاً آنجناب کے محامد و فضائل میں سے جستہ جستہ ازالۃ الخفا و مدارج النبوۃ و سیرۃ النبی وغیرہ کتب معتبرہ سے یہاں لکھا جاتا ہے اور بس خود کلام الٰہی جس کی مدح میں ناطق ہو اس کی ثنا و صفت بیان کرنے کے لئے ہم کیا اور ہمارا قلم کیا۔ عارف کلام خداوند جبار سرگروہ اخیار نخبتہ الابرار حضرت فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں۔

خواجہ حق پیشوائے راستین — کوہ حلم و بحر علم و قطب دین
ساقی کوثر امام رہنمائے — ابن عم مصطفےٰ شیر خدائے

مرتضیٰ و مجتبیٰ زوج بتول — خواجہ معصوم داماد رسول
مقتدائے دین باستحقاق اوست — مفتی مطلق علی الاطلاق اوست

آپ کے کثیر المناقب اور رفیع المنزلت ہونے کے متعلق عارف باللہ آیت من آیات اللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) جس قدر حضرت علی مرتضیٰ کے فضائل مروی ہیں اتنے کسی صحابی کے فضائل مروی نہیں ہیں۔ اور یہ بات دو وجوہ سے ہے ایک یہ کہ سوابق اسلامیہ میں آپ کا قدم راسخ تھا جس کا حال ہم نے بقدر امکان بیان کیا۔ دوسرے آن حضرت صلعم سے آپ کی قرابت کیونکہ جناب رسول صلعم سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والے اور حقوق قرابت کے پہچاننے والے تھے۔ پھر خوش قسمتی سے آپ کی تربیت بھی رسول خدا صلعم کے کنار عاطفت میں ہوی اس لئے رشتہ دوبالا ہوگیا اور زیادہ کرامت کے مستحق ہوگئے۔ مزید براں جب آپ کا عقد حضرت فاطمہ سے ہوا عنایت بے غایت آپ کے شامل حال ہوی (ازالۃ الخفا) بقول امام نسائی و ابو علی نیشاپوری وغیرہ با سانید حسنہ جس قدر حدیثیں حضرت علی کرم اللہ وجہ کے حق میں ہیں اتنی کسی دوسرے کے حق میں نہیں ہیں۔

عفیف کہتا ہے کہ ہم مال خریدنے کی غرض سے کہ معظمہ پہنچے اور حضرت عباسؓ کے مکان پر مہمان ہوے ہم نے دیکھا کہ حرم میں ایک جوان آیا اور اس کے بعد ایک لڑکا اور عورت داخل ہوے اور ان تینوں نے نماز پڑھی ہم نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں اور کیا کرتے ہیں حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ اس جوان کا نام محمدؐ ہے جو میرا بھتیجا ہے۔ اور یہ لڑکا میرا بھتیجا علیؓ ہے اور یہ خدیجہ زوجہ محمدؐ ہے۔ یہ اس خیال میں ہیں کہ بموجب حکم خدا ایسا کر رہے ہیں اور خدا کی قسم دنیا بھر میں اس دین پر سوائے ان تین کے

اور کوئی نہیں ہے (تاریخ طبری وخصائص نسائی) نیز تاریخ طبری جلد دوم میں مرقوم ہے کہ آنحضرت صلعم نے بروز دوشنبہ اعلان نبوت کیا (اور دوسرے ہی دن) سہ شنبہ کو حضرت علیؑ نے آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ علیؑ پہلے شخص ہیں جو خدیجہؓ کے بعد مسلمان ہوے (ازالۃ الخفا)

الغرض تمام ارباب سیر وتاریخ وجملہ علماے دین اس پر متفق ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سابق بالایمان ہیں اور سبقت فی الایمان بلاشبہ ایک مرتبہ عظیم ہے۔ خود کلام الٰہی ناطق ہے کہ "السابقون السابقون اولئک ھم المقربون"۔ خلیفہ مامون الرشید نے ایک بار قاضی یحییٰ بن اکثم سے جو اس زمانے میں سب سے بڑے عالم خیال کئے جاتے تھے دریافت کیا کہ سب سے پہلے آنحضرت پر ایمان کون لایا۔ قاضی یحییٰ نے جواب دیا کہ حضرت علیؑ سب سے اول ایمان لائے مگر وہ کمسن تھے اور اس عمر کا ایمان لائق اعتبار نہیں۔ مامون نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت علیؑ کا ایمان تین حالتوں سے خالی نہیں۔ اول یہ کہ کمسنی میں جناب علیؑ نے وحدت باری تعالیٰ اور رسالت کی تصدیق کی پس وہ ان لوگوں سے عقل وفہم میں بڑھے رہے جن کی عمر زیادہ تھی بڑی عمر والے دیکھتے اور سنتے رہے مگر افسوس کہ ایمان سے مشرف نہ ہوے دوم یہ کہ آنحضرت نے جناب مرتضیٰ کی عقل وفراست کا اندازہ اچھی طرح کر لینے کے بعد ہی دعوت اسلام آپ کو دی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ محض بے عقلی کی حالت میں کس طرح اس دعوت کا اہتمام کیا جاتا۔ یقیناً آنحضرت صلعم کو جناب علیؑ کے ذی عقل وذی فہم ہونے کا اندازہ اچھی طرح تھا۔ سوم یہ کہ اگر منجانب اللہ جناب علیؑ کو ایمان لانے کا حکم ہوا تھا تو زہے نصیب اس جناب ولایت مآب کے کہ یہ بھی خاصان خدا کی ایک خاص نشانی ہے یہ واقعہ تاریخ ابن خلکان اور ذہبی کی کتاب العبر وغیرہ میں درج ہے

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ :- (آپ پر کمسنی ہی میں خدا کی عنایت شامل حال ہوی اور رسول اللہ خدا صلعم نے اپنی کفالت میں لے لیا اور آپ نے بلوغ سے قبل اسلام قبول کیا اور رسول صلعم کے ساتھ نماز پڑھنے لگے) روایت ہے حضرت سلمانؓ سے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم میں سب سے پہلے میرے پاس جو حوض پر وارد ہونے والے اور تم میں سے پہلے جو مسلمان ہونے والے ہیں علیؑ ہیں نیز زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا کہ جو سب میں پہلے ایمان لایا وہ علیؑ ہیں اسی طرح دیلمی نے عایشہؓ سے اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا السبق ثلثۃ فالسابق الی موسیٰ یوشع بن نون والسابق الی عیسیٰ صاحب آل یٰسین والسابق الی محمدؐ علیؑ ابن ابی طالب سبقت کرنے والے تین شخص ہیں موسیٰ کی طرف سبقت کرنے والے یوشع بن نون۔ عیسیٰ کی جانب صاحب آل یٰسین اور محمدؐ کی طرف علی بن ابی طالب۔

بہر حال آپ کی سبقت ایمانی ہر طرح مسلم ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ سبقت فی الہجرۃ سبقت فی الجہاد بھی علی التواتر مسلم ہے اور حق الیقین کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ اسی جماعت کے فرد ہیں جن کے متعلق کلام الٰہی میں رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کے الفاظ آئے ہیں۔ صاحب تفسیر درمنثور لکھتے ہیں کہ عباسؓ اور طلحہ بن شیبہ نے ایک دوسرے کے مقابل مفاخرہ کیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے متعلق سقایۃ الحاج کا منصب ہے اس لئے تم سے افضل ہوں۔ اس کے جواب میں طلحہ نے کہا کہ میں کعبہ کا کلید بردار ہوں لہذا تم سے افضل ہوں۔ حضرت علیؑ وہاں تشریف لائے تو فرمایا کہ میں تم دونوں سے افضل ہوں کیونکہ میں نے سب سے اول رسول صلعم کے ساتھ نماز پڑھی اور ایمان لایا اور جہاد کیا اس کے بعد یہ تینوں اصحاب رسول صلعم کی خدمت میں حاضر ہوے اور یہ معاملہ پیش ہوا تو آیہ کریمہ اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام..... الخ بحق جناب

امیر نازل ہوی (تفسیر درمنثور جلد ۴ نیز ملاحظہ ہوں جامع الاصول وسنن نسائی وفضائل الصحابہ وغیرہ) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بتفصیل جناب امیر علیہ السلام کی سوابق اسلامیہ کا ذکر ازالۃ الخفا میں کیا ہے اور وہ احادیث بھی نقل فرمائی ہیں جو متواترات سے بحق جناب امیرؑ تسلیم شدہ ہیں۔

یہ شرف تمام بنی ہاشم میں صرف جناب امیرؑ ہی کے حصہ میں آیا کہ جناب رسول کریمؐ کی جگر گوشہ فاطمہ زہراؑ آپ کی حرم محترم ہوئیں اور جناب رسول کریمؐ کی نسل صلب علی اور بطن مطہرہ فاطمہ سے چلی۔ کما قال النبی صلعم ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب علیؑ اس نکاح کا ذکر مجملاً جناب سیدہؑ کے حالات میں کیا گیا ہے۔

جناب رسول کریم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔ (ترمذی وصواعق محرقہ وازالۃ الخفا وتاریخ الخلفا وغیرہ)۔ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ۔ بے شک یہ ایک شرف عظیم ہے جس سے جناب امیرؑ مشرف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ جو فقیہ امت اور ترجمان قرآن مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو خدا سے علم ملا اور جناب امیرؑ کو رسول خدا صلعم سے علم ملا اور مجھے حضرت علیؑ سے ملا۔ میرا اور تمام صحابہ رسول کا مجموعی علم بمقابلہ حضرت علیؑ کے علم کے ایک قطرہ ہے مثل قلزم کے سامنے (ینابیع المودۃ) یہی روایت علامہ نقاش نے بھی اپنی تفسیر میں نقل فرمائی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ روایت ابن عباسؓ ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم علیؑ کو علم کے نو حصے حاصل ہیں اور دسویں حصہ میں تمام لوگ ان کے شریک ہیں تمام اکابر صوفیہ وعلما جناب امیرؑ کو سرچشمہ علوم باطن اور منبع علوم عرفان الٰہی مانتے آئے ہیں ہم کہاں تک

ان بیانات کی تائید میں منقولات پیش کر سکتے ہیں ہزار ہا نظم و نثر کی کتابیں اکابر علما و صوفیا کی لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اگر ان کتابوں کے صرف نام ہی نقل کئے جائیں تو کافی جگہ کی ضرورت ہے۔ عارف جام حضرت مولنا جامی قدس سرہ السامی جناب مولا علی کی منقبت میں تحریر فرماتے ہیں۔ ؎

زہے علم تو اسرار الٰہی — از و ظاہر شدہ اسما کماہی
توئی شرح معمائے حقائق — توئی شمع شبستان دقائق
کلام حق بود تفسیر علمت — حدیث مصطفیٰ تقریر علمت
ز علمت بود تا علم پیمبر — تفاوت آن قدر کز شہر تا در
بگرد و از تو کس گرد ول آگاہ — باسرار پیمبر کے برد راہ
بیا ساقی مئی زور آورم دہ — بآں ساقی کوثر برقم دہ
برآرم تا زباں چوں ذوالفقارے — نمایم باخوارج کارزارے
علی را با نبی یک نور خوانم — فروغ ماہ را از مہر دانم
چو من گر بندۂ آل علی را — بداں مولای ہر مولا علی را
بحمد اللہ دلم گردید آگاہ — ز رمز نسخۂ من کنت مولاہ
از و چوں لشکر دین را قوی پشت — بلے آید ز بازو زور برمشت
ز برق آفتاب ذوالفقارش — سواد کفر شب شد روزگارش
چو مہر افراشت ہر جا رائت فتح — نمودش جوہر تیغ آیت فتح
نہ منکر جو توحید خدا را — یکے داں پنجتن آل عبا را
ازاں چوں پنجہ خورشید تاباں — برآوردند سر از یک گریباں

سپہر دوش احمد را چو خورشید — از آں پنجہ آں پائی بوسید
کہ یعنی نیست فرق از پائی تا فرق — علی را از نبی چون نور از شرق
ز اجزائے تو طب یک نسخہ باشد — نجوم از دفترت یک صفحہ باشد
بود منطق ز نطقت یک مقالہ — ملول از بیانت یک رسالہ
ہدایہ از فروعت چیست فصلی — اصولت را بود توضیح اصلے
ولے کز مہر تو مہرش زد سر — ز قلبی است در بازار محشر
بلے گر وا کنم ذکرم تو باشی — سرے گر وا کشم فکرم تو باشی
تو بودی از شجاعت حامی دین — تو بودی از ولایت والی دین
ز تو گر ذرہ ام امداد یابد — تو اند پنجہ خورشید تابد
چو یوسف تا بخوابم رخ نمودی — بیک نظارہ ام خود دل ربودی
از آں دم چوں زلیخا بیقرارم — گہے ہشیار گہ بے اختیارم
دماغم نشاۃ جام دگر یافت — ز بانم لذت کام دگر یافت
سبق ناخواندہ حلم علم گردید — خیالم چوں گہر در نظم پیچید
ز اسرار حقائق گشتم آگاہ — بر آمد یوسف او را کم از چاہ
کنوں در مصر دانائی عزیزم — بر اورنگ سخن صاحب تمیزم
بحکمت حاذقم در شعر ناظم — اگر بودے مرا گشتی ملازم
غلام مصطفیٰ ام چوں نہ گشتی — سگ شیر خدایم چوں نگشتی

اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اکابر صوفیہ نے جناب مولا علیؑ کی مدح و منقبت میں کیا کیا درفشانی فرمائی ہے اور اسی جماعت میں وہ ہیں جن کے متعلق مولانا جامی

فرماتے ہیں:۔ سہ نیست پیمبر و لے دارد کتاب۔ یعنی مولانا رومیؒ اور اسی جماعت میں وہ ہیں جن کے متعلق مولانا رومیؒ فرماتے ہیں سہ ہفت شہر عشق را عطار گشت۔ ما ہماں اندر خم یک کوچہ ایم۔

اور انہیں میں فخر صوفیاء کرام جناب شمس تبریز اور دیگر اجلہ صوفیائے کبار و فقہائے نامدار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ جن کے نام بغیر دعا و تحیۃ کے زبان پر لانا بھی سوء ادب سمجھا جاتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو آخر یہ تشنگان معرفت الٰہی کس سرچشمہ سے سیراب ہوئے ہیں یہ سب تو اسی آستانہ کے خادم اور اسی گلشن ولایت کے خوشہ چین ہیں۔ خود جناب مخدوم زمین و زمان سرور عالم و عالمیان سیدنا و سید الکل ہادی سبل مرشد برحق و امام مطلق حضرت محمد مصطفیٰ صلعم اپنے اس فخر خاندان بھائی کے متعلق فرماتے ہیں کہ بارالٰہا تو حق کو اس طرف پھیر جس طرف علیؓ پھریں (تفسیر کبیر رازی و شرح ابن ابی الحدید و مناقب ابن مردویہ و مناقب خوارزمی و ازالۃ الخفاء و ترمذی وغیرہ) کلام کی بلاغت اور اس کے معنی کی لطافت کی شرح بیان کرتے ہوئے عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ واذا تمت العصمۃ کانت افاعیلہ کلہا حقۃ لا اقول انہا تطابق الحق بل ہی الحق بعینہا بل الحق امر ینعکس من تلک الافاعیل کما لضوء من الشمس و اشار الیہ رسول اللہ حیث دعا اللہ تعالیٰ لعلی اللہم ادر الحق معہ حیث ما دار و لم یقل ادر ہ حیث ما دار الحق (تفہیمات الٰہیہ)

اللہ اللہ کیا درجہ ہے اس عالی مقام کا کہ اسے حق کے تابع کرنے کے لیے دعا نہیں فرمائی بلکہ حق کو اس کے تابع رہنے کے لیے درگاہ ایزدی میں التماس کیا بے شک یہ ایک فوز عظیم ہے جو اللہ کے اس نیک بندے کے لیے مخصوص ہوا۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ علیؓ کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے (ینابیع المودۃ) یہی حدیث بروایت عبداللہ بن مسعود ازالۃ الخفا وغیرہ میں بھی درج ہے نیز دیلمی نے حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ خیر اخوتی علی وخیر اعمامی حمزہ و ذکر علیؓ عبادۃ۔ یعنی میرا بہترین بھائی علی ہے اور بہترین چچا حمزہ ہیں اور علیؓ کا ذکر عبادت ہے۔ وللہ در ما قال۔ خاصان خدا خدا نباشد۔ لیکن ز خدا جدا نباشند۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں۔

متواترات میں سے ہے کہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ یہ حدیث سعد بن ابی وقاص اسماء بنت عمیس عبداللہ ابن عباس وغیرہم سے مروی ہے۔

متواترات میں سے ہے کہ انا من علی وعلی منی اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ زید بن ارقم۔ بریدہ۔ عمران بن حصین عمرو بن شاش وغیرہم نے اس کی روایت کی ہے۔

متواترات میں سے ہے کہ جب آیہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (یعنے اے اہل بیت خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کرے اور تم کو خوب پاک کر دے) نازل ہوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار شخصوں کو بلوایا۔ یہ حدیث سعد ام سلمہ۔ واثلہ۔ عبداللہ بن جعفر۔ انس بن مالک سے مروی ہے۔

متواترات میں سے ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فتح خیبر کے دن

نشان دیا اور فرمایا۔ لاعطین الرایت رجلا یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ۔ اس کی روایت عمر۔ علی۔ سعد۔ ابو ہریرہ۔ سہل بن سعد۔ سلمہ بن اکوع وغیرہم نے کی ہے۔ (ترجمہ ازالۃ الخفا)۔

اسی طرح یوم مباہلہ جناب امیرؑ کو جو شرف مخصوص حاصل ہوا۔ وہ بھی سب کا متفقہ ہے۔ اکابر محدثین و مفسرین چہ شیعہ و چہ سنی اس پر متفق ہیں کہ عیسائیان نجران کے مقابل آنحضرت صلعم اپنے ہمراہ حسین و فاطمہ و علی علیہم السلام کو لے گئے۔ جب صراحت مفسرین ابناءنا و نساءنا و انفسنا میں جناب رسول کریم صلعم کی طرف سے علی الترتیب حسنین و فاطمہؑ و علیؑ پیش ہوئے۔ آنحضرت صلعم کے دیگر اقربا بھی موجود تھے مگر یہ شرف کسی دوسرے رشتہ دار کو حاصل نہیں ہوا۔ اور کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلعم کے اس عمل سے جناب علی نفس پیغمبر قرار پاتے ہیں۔ اس کی تائید مودۃ القربیٰ کے حکم ربانی سے بھی ہوتی ہے اکابر مفسرین مثلاً صاحب کشاف علامہ جار اللہ زمخشری و صاحب تفسیر مدارک و بیضاوی و خازن و طبری وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اقربائے آنحضرت جن کی مودت مسلمانوں پر فرض ہے یہی چار تن نامدار علیہم السلام ہیں۔ اور اس شرف میں آنحضرت کے دیگر اقربا میں سے ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

پھر ایک وہ فضیلت ہے جو جناب علیؑ کو بمقام غدیر خم حاصل ہوی۔ ہزارہا معتبر کتابوں میں اس کا ذکر تواتر سے موجود ہے مشکوٰۃ شریف میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ جب آنحضرت صلعم مقام خم پر وارد ہوی تو جناب علیؑ کا آپ نے ہاتھ پکڑا اور مجمع صحابہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ کیا میں تمہاری جانوں سے اولیٰ ہوں صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کیا میں ہر مومن کی جان سے اولیٰ ہوں صحابہ نے جواب دیا

کہاں یا رسول اللہ پھر فرمایا کہ بار خدایا جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔ الٰہی دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ تو اس کو جو علی سے دشمنی رکھے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو اس سرفرازی پر ہدیہ تہنیت پیش کیا۔ بے شک یہ ایک بہت بڑی سرفرازی ہے جسے اکابر امت متواتر نقل کرتے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح عقد مواخاۃ کے دن جناب علی علیہ السلام سے آنحضرت نے فرمایا کہ اے علی تو دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے حضور صلعم نے نکاح جناب سیدہ کے موقع پر جناب سیدہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں افضل ترین شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے (اصابہ و طبقات ابن سعد و سیرۃ النبی صفحہ ۳۳۹ جلد اول)۔

اب ہم یہاں جناب شاہ مرداں شیر یزداں اسد اللہ الغالب کے بعض وہ حالات تحریر کرتے ہیں جو میدان جنگ سے متعلق ہیں جہاد و قتال فی سبیل اللہ ایک ایسا شرف عزیز و جلیل ہے جس کے اظہار کے لیے خود کلام الٰہی جا بجا ناطق ہے۔ جن لوگوں نے ان خدمات حربی کو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں انجام دیا ہے ان کے لیے کلام اللہ میں اولئک اعظم درجۃ عند اللہ کی خوشخبری درج ہے۔ نیز فرمایا جناب باری تعالیٰ نے لھم مغفرۃ و اجر عظیم۔ مقتولین فی سبیل اللہ کے لیے فرمایا بل احیاء عند ربھم۔ اسی طرح بے شمار فضائل مجاہدین و شہدائے اسلام کے کلام اللہ میں درج ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ابتدائی زمانہ اسلام پر نہایت سختی و ابتلا کا تھا جن لوگوں نے ڈگمگاتے ہوئے قدمے سنبھالے اسلام کی نصرت فرمائی۔ ان کے مراتب عالیہ کا بیان جا بجا کلام اللہ میں مرقوم ہے اور ان سب قربانیوں میں سب سے بڑھکر جان کی قربانی تھی اور اس سے بڑھکر اور کیا قربانی ہو سکتی تھی کہ فدائیان رسول نے حفاظت

دین متین کے لیے جس کی حالت بظاہر اس وقت بہت کمزور تھی اپنی عزیز جانوں کو ہلاکت میں ڈالا سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا خداوند عالم فرماتا ہے۔ لقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلہ اللہ اللہ وہ بھی کیا منظر تھا کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت کے مقابل ایک عظیم الشان لشکر صف بستہ آمادہ پیکار تھا حضور سرور کائنات صلعم سے اگرچہ فتح و نصرت کا وعدہ ربانی ہو چکا تھا تاہم قلیل و کثیر کے مقابلہ کے لحاظ سے آپ بھی نفس نفیس صف بندی میں مصروف تھے یہ وہی منظر ہے جس کا ذکر کلام اللہ میں ان الفاظ میں ہے۔

قد کان لکم ایۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ و اخری کافرۃ۔

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں :۔

یہ عجیب منظر تھا آنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلعم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے۔ خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر محویت اور بے خودی کے عالم میں چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی تھی اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ کبھی سجدہ میں گرتے تھے اور فرماتے تھے کہ خدایا اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو پوجا نہ جائے گا۔ (سیرۃ النبی)۔

اس کے بعد مولانا شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا آگے بڑھا مجمع حضرت عمر کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔

عتبہ جو سردار لشکر تھا ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا سب سے پہلے وہی بھائی اور

بیٹے کو لیکر میدان میں نکلا اور مبارز طلبی کی۔ عرب میں دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان میں جاتے تھے۔ عتبہ کے سینے پر شترمرغ کے پر تھے۔ عوف معاذ۔ عبداللہ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے نام و نسب پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصار ہیں تو عتبہ نے کہا ہم کو تم سے غرض نہیں پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف خطاب کر کے پکارا کہ محمد یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہ علی عبیدہ میدان میں آئے چونکہ ان لوگوں کے چہروں پر نقاب تھی۔ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو سب نے نام و نسب بتائے۔ عتبہ نے کہا ہاں اب ہمارا جوڑ ہے۔

عتبہ حضرت حمزہ اور ولید حضرت علی سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا۔ حضرت علی نے بڑھکر شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائے۔ عبیدہ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا؟ آپ نے فرمایا "نہیں تم نے شہادت پائی" عبیدہ نے کہا آج ابوطالب زندہ رہتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں

ونسلمہ حتی نصرع حولہ ونذھل عن ابنائنا والحلائل

یعنی ہم محمد کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں گے اور ہم محمد کے لیے اپنے بیٹوں اور بیبیوں کو بھول جاتے ہیں۔

حضرت مولنا شاہ عبدالحق صاحب دہلوی اسی معرکہ کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

پس اول کسے کہ از لشکر کفار بیرون آمد عتبہ و شیبہ ابن ربیعہ و ولید بن عتبہ بودند

ومبارز طلبید ندوا ز لشکر مسلمانان نیز سه کس برآمدند عوف ومعاذ پسران حارث وعبداللہ
بن رواحہ کفار پرسیدند شما چه کسانید گفتند ما قومی از انصاریم گفتند ما را با شما کارے نیست
ما انباء اعمام خود را میخواهیم وکی از ایشان ندا کرد یا محمد بیرون آر اکفاء ما را از قوم
ما پس فرمود عبیده بن الحارث وعمزه وعلی رض برخیزید وبا ایشان مبارزت نمائید پس آن
سه برآمدند ودرمیان درآمدند پس گفتند شما اکفاء گرامید پس مبارزت کرد عبیده
واین قوم بود وعمر وی از همشتاد گزشته بقیه مبارزت کرد وحمزه شیبه ودر روایتی
بلکس آمده ومبارزت کرد علی بولید بن عتبه پس کشت علی ولید را وقتل کرد حمزه مبارز
خود را وهر دو افتادند عبیده ومبارز او بدو ضرب پس واقع شد ضربه در رزانوی عبیده
ومیل کردند حمزه وعلی نیز مبارز عبیده را واعانت کردند او را بر قتل وی وبرداشته
آوردند عبیده را نزد آنحضرت ومیر تخت مغز از ساق وی گفت یا رسول اللہ من شهید
نیستم فرمود بلے تو شهیدی! (مدارج النبوه)

اللہ اللہ مجاہدین بدر کے مقامات عالیہ یہ وہ دن تھا کہ کفر واسلام وحق وباطل
کا پہلی بار کھلے میدان میں مقابلہ ہوا ان مجاہدین فی سبیل اللہ کے کارنامے قیامت تک
روشن رہیں گے جن کی مدح ومنقبت کا کلام اللہ میں جابجا ذکر ہے۔ حدیث شریف ہے کہ
ان اللہ قد اطلع علی اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم وفی روایة
فقد وجبت لکم الجنة) حضور کا ارشاد ہے کہ اہل بدر فاضل ترین مسلمانوں میں اسی طرح وہ
ملائکہ جو لشکر اسلام میں بدر میں شریک تھے افضل ملائکہ ہیں چونکہ یہاں جناب علیؓ کے حالات
تحریر کئے جارہے ہیں غزوہ بدر ودیگر غزوات کا حال صرف اسی قدر تحریر ہوگا جو آنجناب
کی حد تک ہے تمام حالات جنگ کا از اول تا آخر بیان کرنا ہمارے اس مضمون کی حدود

سے باہر ہے۔

اس کے بعد احد کا معرکہ درپیش ہوا جس میں جان نثاران رسول و فدائیان اسلام نے وہ خدمات انجام دین جو زرین حروف میں تاریخ اسلام میں درج ہیں مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث معرکہ احد کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

چون لشکر اسلام باحد رسید جانبین صف بستند و مسلمانان احد صف بستند و آن شوربختان بشورستانی کہ در آنجا است و آنحضرت خود صفوف صحابہ را راست می کرد و چنان کرد کہ احد در قفا و مدینہ در مقابل وی آمد در آنجاست کہ آن را عینین گویند بصیغہ تثنیہ و بلفظ جمع نیز می گویند بریسار واقع شد و کوہ عینین شگافی داشت کہ محل خطر بود کہ دشمنان کمین کنند و از آنجا بر سر لشکر اسلام افتند۔ عبداللہ بن جبیر را با پنجاہ تیرانداز تعین کرد تا آن راہ را نگاہ دارند و گمذارند کہ از آن راہ کفار بر لشکر اسلام در آیند و تیر باران کنند و ایشان را وصیت کرد کہ بہیچ حال از جای خود نجنبند خواہ مسلمانان غالب شوند یا مغلوب و مبالغہ کرد کہ اگر ببینند کہ ما را طیر ربودند از جای خود نروید تا نفرستیم کسی را تا شما اگر دیدید کہ ہزیمت دادیم ما قوم را ہم نجنبند و اگر کشتند ما را قوم نجنبند و عکاشہ بن محصن اسدی را بر میمنہ و ابوسلمہ بن عبداللہ مخزومی را بر میسرہ و ابوعبیدہ بن الجراح و سعد بن ابی وقاص را بر مقدمہ و مقداد بن عمرو را بر ساقہ داشت و مشرکان نیز صفوف خود را راست کردند۔ خالد بن ولید را در میمنہ و عکرمہ بن ابی جہل را بر میسرہ و ابوسفیان را در قلب تعین کردند و صفوان بن امیہ و برادر ابی عمرو بن العاص را با تباع در برابر رخنہ کوہ داشتند و عبداللہ بن ربیعہ را بر تیراندازان امیر کردند و لواء را طلحہ بن ابی طلحہ دادند کہ او را کبش کتیبہ میخواندند و آوردہ اند کہ ہنگام دست مبارک

آنحضرت بود صلی الله علیه وسلم و مکتوب بود بروی این شعر -

فی الجبن عار فی الاقبال مکرمة والمرء بالجبن لا ینجو من القدر

فرمود کیست که این سیف را بگیرد و حق آنرا ادا کند پس مردان برای گرفتن آن بایستادند پس نگاه داشت آنحضرت شمشیر را از ایشان پس بایستاد ابو دجانه و گفت چیست حق این یا رسول الله فرمود حق این آنست که بزنی آنرا در روی دشمن تا منحنی شود و کج گردد و گفت ابو دجانه من میگیرم این را بحق وی یا رسول الله پس داد آنحضرت آنرا بوی و بود ابو دجانه مردی شجاع که تبختر امید در جنگ و جلوه می کرد و چون آنحضرت دید او را در تبختر باین صفت و حال فرمود این رفتاری است که دشمن میدارد آنرا خدای تعالی مگر در بن موطن پس در آمد ابو دجانه و بست سر خود را بعصابه سرخی که داشت و در آمد در معرکه و گویند که چون وی عصابهٔ سرخ بر سر بستی جنگ سخت کردی و پیش نیامد هیچ مشرک مگر آن که کشت او را و آثار سید در سفوف جیل هند ز وجه ابی سفیان و وی با جماعه از زنان رجز ها می خواندند و دف میزدند و برکشتگان بد نوحه میکردند شمشیر بر آورد تا بر هند زند باز دست خود را نگاه داشت و گفت این شمشیر از آن گرامی ست که بجز این زن آلوده کنم پس جنگ از جانبین در گرفت و گویند اول کسی که از لشکر کفار بروی لشکر اسلام تیر انداخت ابو عامر فاسق بود او را ابو عامر راهب نیز گویند که با پنجاه کس از قوم خود آمد و بانگ زد و گفت منم ابو عامر لعنت الله علیه گفتند مسلمانان لا برحبا بک، و لا اهلا یا فاسق پس با قوم خود تیر اندازی کرد با وی غلامی چند بودند از قریش که بر لشکر اسلام سنگ می انداختند مسلمانان نیز بر ان جماعت تیر و سنگ می انداختند تا بخت آن فاسق با یاران خود و این بدبخت پیش

ازظهور نور نبوت خبر میداد از احوال شریف آنحضرت بعثت و ۷ و بعد از بعثت انکار کرد و برگشت
از قول خود و جدال کرد با آنحضرت صلعم و تمام قصه وی در رباب بشارتها خبار کرکه در کتب سابقه
وامم ماضیه ببعثت آنحضرت واقع شده گذشته است بعد از ان طلحه بن ابی طلحه که صاحب لوا قریش
بود برآمد و فریاد مبارز خواست شیر بیشه هیجا دهزبر میدان وغا علی مرتضی رضی الله عنه وکرم الله
وجهه در میدان رفت و مبارزت نمود و تیغی بر سروی زد که تا مغزش شکافته شد و باز گشت و
نصف خویش آمد یاران گفتند که چرا کار طلحه تمام نساختی جواب داد که چون وی بیفتاد عورتش ظاهر شد
ومرا سوگند داد که از وی درگذرم شرم داشتم که دیگر تعرض بوی کنم و دانستم که عنقریب هلاک خواهد شد
ودر بعضی روایات آمده مصعب بن عمیر او را کشت و کیش کتیبه که پیغمبر صلی الله علیه وسلم کشتن او را در خواب
دیده بود وی بود چنانکه گذشت بعد از ان مومنان بر مشرکان بیاپی حملها آوردند
که صفهای کفار را در شکستند بعد از ان در آمد حمزه بن عبد المطلب و کشت و عثمان بن
ابی طلحه را که علم کفار برداشته بود تیغی بر میان هر دو شانه وی زد که یکدست و شانه اش
بینداخت و شش او ظاهر شد و باز گشت حمزه و میگفت انا ابن ساقی الحجیج من پسر آب
دهنده حاجیانم عبارت از عبد المطلب داشت که سقایه حرم حواله او بود بعد از ان
ابو سعید بن ابی طلحه علم کافران برداشت چون او را سعد بن ابی وقاص برداشت
و میگویند که جماعه زیاده از ده کس علمهای مشرکان برداشتند تا آنکه زنی که نامش
عمره بود دختر علقمه حارثیه علمدار قریش شد و همگشته شدند و هر که از لشکر ایشان
سر برآورد و سرنگون افتاد بعد از آن مومنان بیکبار بر اعدا تنفر گشتند و حمله آوردند
مشرکان از میدان باز گشتند و هزیمت خوردند غنیمت که سر و میگفتند بجای سرود
نوحه و فریاد و واویلا میکردند و دف ها را از دست بینداختند و دامن جامهای

خود را برداشتند چنانکه ساقها و خلخالها می نمود و بجانب کوه میگریختند خالد بن الولید
با جمعی از مشرکان خواست تا از شگاف کوه از عقب لشکر اسلام در آید تیر اندازان
که ایشان را بر شگاف کوه گذاشته بودند بزخم تیر او را باز گردانیدند و خالد چند
نوبت این داعیه کرد و نتوانست کار کرد عاقبت باز گشت و هنوز در کمین بود
القصه مسلمانان بر لشکر کفار غالب آمدند و کافران روی بهزیمت نهادند و فتح و
نصرت بجانب اسلام و هزیمت و غنیمت بجانب کفر مقرر شد ناگاه چشم زخمی بجمال شاه
اقبال رسید و آن چنان بود که چون جماعه تیر اندازان دیدند که لشکر کفار روی بهزیمت
نهادند و مسلمانان بغنیمت گرفتن مشغول شده بنهب و غارت می نمایند ایشان نیز از
جای خود جنبیدند و بیصبری کردند عبد الله بن جبیر که امیر ایشان بود هر چند نصیحت
کرد و سخن آنحضرت را که ببالغه و تاکید تمام در منع از جنبیدن و مرکز گذاشتن فرموده
بود بیاد ایشان داد سود نداشت و اکثر ایشان رفتند بغارت و غنیمت مشغول
شدند او عبد الله بن جبیر با جماعه معدود که بدو نمی گشتند در جای خویش ماندند و ثبات
قدم ورزید خالد بن ولید که چند نوبت قصد رخنه کرده بود تا از ان ممر بر لشکر اسلام
تاختن آورد هر بار از هجوم تیر باران مبارزان خائب و خاسر باز گشته بود.
هنوز مطلق مایوس نشده بود و در کمین گاه بود و ترقب و منتظر فرصت و غفلت و
مساهلت مومنان می بود و با عکرمه بن ابی جهل لعنه الله علیه و جمعی دیگر از مشرکان
بر سر عبد الله بتاخت و او را با یاران او که چند نفر معدود بودند شهید ساخته از
شگاف آن کوه بیرون رفتند و از عقب مسلمانان در آمدند و شمشیرها در نهادند
و بقتل اهل اسلام باز کشادند و اضطراب عظیم در میان لشکر اهل اسلام پیدا شد و

ولشکر تمام از هم فرو ریخت و از غایت شوریدگی حال که بایشان راه یافته بود بقتل
یکدیگر در افتادند و شعور بشعار نداشتند چنانچه گویند اسید بن حضیر را دو زخم از مسلمانان
رسید و بر ابو بردہ نیز دو زخم رسید چون بعرض حضرت رسانیدند فرمود هو فی سبیل الله و
یمان پدر حذیفه را بدست مسلمانان مقتول شد هر چند حذیفه فریاد میکرد که ای بندگان
خدای این پدر منست و از جمله مسلمانان است هیچ جا نرسید و او را کشتند پس گفت حذیفه
بیامرزد خدا تعالی شما را و رحمت کناد و همیشه بود در حذیفه خیر و دعا و استغفار مر قاتلان
پدرش را و چون این حکایت بحضرت رسید فرمود تا دیت یمان بدهید حذیفه دیت
گرفت و تصدق کرد آنرا بر مسلمانان پس اشرار غلبه کردند و اخیار همه گریختند و
بکبار قضیه منعکس گشت کافران قدم در میدان جلادت نهاده بقتل اهل اسلام
مشغول شدند و بشومی بی فرمانی رسول خدا که از ان جماعت صادر گشت طمع
وسیل بحطام دنیاوی که بایشان راه یافت شکست بر لشکر اسلام افتاد انا لله و
انا الیه راجعون و هنوز عنایت الهی جل و علا از ین مسلمانان منقطع نشده
همه را بیامرزید تا معلوم گردد که باهر که نظر عنایت و قبول نمودند دیگر نمیرانند
ور دنیکنند و انهمه اثر ایمان مجدد است صلعم و بلفیل اوست چنانچه منطوق کریمه
ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلهم الشیطان
ببعض ما کسبوا ولقد عفا الله عنهم ان الله غفور رحیم .....
و اگرچه مسلمانان متزلزل شدند و بمصیبتی گرفتند آنحضرت صلی الله علیه وسلم برجای
خود ثابت و قائم بود و جز چهارده نفر هفت از مهاجرین و هفت از انصار باوی
کسی نماند از مهاجران ابو بکر صدیق و علی مرتضی و عبد الرحمن بن عوف و سعد بن

ابی وقاص وزبیر بن العوام وطلحه بن عبد الله وابو عبیده بن الجراح واز انصار
حباب بن المنذر وابو دجانه وعاصم بن ثابت وسهل بن حنیف واسید بن حضیر وسعد
بن معاذ وحارث بن صمه ودر روضة الاحباب آورده که بعضی گویند محمد بن مسلمه نیز
از آنجمله بود ..... دیگر صحابه نیز دریں غزوه کارزار ها کردند وحق محبت و
اخلاص بجا آوردند بشرف شهادت رسیدند وبعضی باقی ماندند واز علی مرتضی کرم الله
وجهه مروی است که چون کفار بر مسلمانان غلبه کردند حضرت از نظر من غائب شدند
درکشتگان رفتم وتفحص کردم درمیان کشتگان ندیدم باخود گفتم که مگر حق تعالی بواسطهٔ
فعل ما بر ما غضب کرده پیغمبر خویش را بآسمان برد گفتم بهتر ازان نیست که قتال کنم
تا کشته شوم شمشیر کشیدم وبر مشرکان حمله کردم واز هم پاشیدند ناگاه حضرت را دیدم که
بسلامت است دانستم که حق تعالی اورا بملائکه کرام خود محافظت نموده است منقول
است که چون مسلمانان روی بهزیمت آوردند وحضرت رسول خدا صلی الله علیه وسلم
تنها گذاشتند حضرت در غضب آمد وعرق پیشانی همایونش متقاطر گشت وشمال مراید
دوید در آن حالت نظر کرد علی ابن ابی طالب را که بر پهلوی مبارکش ایستاده است
فرمود چون است که تو به برادران خود ملحق نگشتی علی گفت لا اکفر بعد الایمان
ان لی بک اسوة آیا کافر شوم بعد از ایمان بدرستی که مرا بتو اقتداست یعنی مرا شما
کار است با یاران وبرادران که در پی غنیمت رفتند وهزیمت نمودند چه کار دارم
درین حین جمعی از کافران متوجه آنحضرت علیه السلام شدند فرمود ای علی مرا ازین جمع
نگهدار وحق خدمت نصرت بجا آر که وقت نصرت ست علی متوجه آن قوم شده دمار از
روزگارشان برآورد وایشان را متفرق گردانید وجمعی کثیر را بدوزخ فرستاد

وآمده است که دران زمان ملائکه نیز حاضر بودند جبرئیل و میکائیل علیهما السلام بر مثال
دو مرد جامه سفید بر مین و یسار آنحضرت ایستاده بودند. و محافظت وی میکردند
و با کفار محاربه می نمودند و مشهور آنست که محاربه ملائکه مخصوص بغزوه بدر است و
در غیر آن حضور و امداد و اعانت ثابت است نه محاربه و مقاتله چنانکه ذکر این
معنی در غزوه بدر گشت و گفتم من الله اعلم تواند که نزول ملائکه هزار بعد هزار بقتال
کفار مخصوص ببدر بوده باشد اما ملازمت جبرئیل و میکائیل که ملازمان خاص درگاه اند
در اینجا باشد و محاربه کرده باشند مناقات ندارد و میگویند که چون علی مرتضی کرم الله
وجه این مرادنگی کرد و نصرت داد جبرئیل با آنحضرت فرمود که این کمال مواسات
جوانمردی است که علی مرتضی کرم الله وجه با توی برد آنحضرت فرمود انه منی وانا
منه یعنی بدرستی علی از من ست و من از ویم کنایت است از کمال اتحاد و اخلاص
و یگانگی و آمده است که چون آنحضرت این کلمه فرمود جبرئیل گفت وانا منکما من از
شما هر دو ام و گویند آوازی شنیدند که گوینده غیبی میگفت لافتی الا علی لاسیف
الا ذوالفقار ..... و بالجمله علی رض حق مبارزت و محاربت و حلادت و شجاعت
بجای آورد که فوق آن تصور نتوان کرد و روایت است از قیس که وی از پدرش
سعد روایت کرد که گفت از علی مرتضی رض شنیدم که فرمود در روز احد شانزده
ضربه بمن رسید که در چهار ضربه از آن بر زمین افتادم و هر بار که می افتادم مردی
خوبروی خوشبوی باز و مرا میگرفت و مرا بر پای کرد و میگفت متوجه کافران شو که
تو در طاعت خدا و رسول وی هستی و ایشان هر دو از تو راضی اند بعد از فراغ جنگ آن
واقعه را بحضرت رسالت عرض کردم آن سرور فرمود صلی الله علیه المبعود که

تو اور ا می شناسی گفتم نے او دحیہ کلبیؓ مشابہ آنست فرمود ای علی خدا تعالیٰ چشم ترا روشن کناد آن جبرئیل بود علیہ السلام (مدارج النبوۃ)۔

مجاہدین و شہدائے احد کے فضائل بے شمار ہیں ہم کتنا ہی مختصر بیان کریں لیکن ناممکن ہے کہ اختصار قائم رہ سکے پس ہم آگے چل کر دیگر غزوات کا حال اور اس میں جناب علیؓ کی شرکت اور نصرت اسلامی کا ذکر نقل کرتے ہیں۔

معرکہ احد کے بعد ۵ھ ہجری میں خندق کا معرکہ درپیش ہوا۔ خندق کے گرد لشکر کفار نے نہایت سختی سے محاصرہ کر رکھا تھا جو ایک ماہ تک قائم رہا محصورین یعنی مسلمانوں پر نہایت سختیاں گذر رہی تھیں علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں کفار کے حملہ کا حال اسطرح بیان فرماتے ہیں:۔

اب مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص ضرار بن الخطاب ہبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا۔ ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج لے کر لڑتا تھا خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا اس لیے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے۔

چونکہ اس طریق میں کامیابی نہیں ہوئی اس لیے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے تمام فوجیں یکجا ہوئیں۔ قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی یہ موقع حملہ کے لیے انتخاب کیا گیا۔ عرب کے مشہور بہادر یعنی ضرار ہبیرہ۔ نوفل۔ عمرو بن عبدود نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو مہمیز کیا تو اس پار تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔

وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا۔ اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا اس وقت اس کی عمر ۹۰ برس کی تھی تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا میں لیکن آنحضرت صلعم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علیؓ بیٹھ گئے عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں آئی تیسری بار آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؓ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے عرض آپ نے اجازت دی خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کرونگا۔ حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے پھر حسب ذیل گفتگو ہوی۔

حضرت علیؓ	میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔
عمرو	یہ نہیں ہو سکتا۔
حضرت علیؓ	لڑائی سے واپس چلا جا۔
عمرو	میں خاتونان قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔
حضرت علیؓ	مجھ سے معرکہ آرا ہو۔

عمرو ہنسا اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائیگی۔ حضرت علیؓ پیادہ تھے عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔

گھوڑے سے اُتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں پھر پوچھا کہ تم کون ہو آپ نے نام بتایا اس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا آپ نے فرمایا ہاں لیکن میں چاہتا ہوں عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا پر تلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا حضرت علیؓ نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی گو زخم کاری نہ تھا تاہم یہ لمعۂ آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔ فاضل تبریزی کھا ہے کہ حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علی نے وار کیا ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمرو کے بعد ضرار اور حبیرہ نے حملہ کیا لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا حضرت عمر فاروق نے ضرار کا تعاقب کیا ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہا عمر اس احسان کو یاد رکھنا۔

نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا صحابہ نے تیر مارنے شروع کئے۔ اس نے کہا مسلمانو! میں شریف زادہ موت چاہتا ہوں حضرت علی نے اس کی درخواست منظور کی اور خندق میں اتر کر تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایاں تھا۔

سند المحدثین واحسن المورخین حضرت شاہ عبدالحق صاحب رح دہلوی تحریر فرماتے ہیں

القصہ محاربہ و مقاتلہ میان دو لشکر واقع شد خصوصاً از علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ دریں غزا مبارزہا و مقاتلہا واقع شد از حد قیاس و عقل بیرون چنانچہ در اخبار وارد شدہ است۔ المبارزۃ علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال

امتی الی یوم القیامۃ کذا فی روضۃ الاحباب و آنحضرتؐ دعا کرد در حق علی مرتضیٰ و شمشیر خود را کہ ذوالفقار نام داشت بوی عطا نمود و آن مقدار مشقت و محنت کہ بجال شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و تعب و رنج بمسلمانان در ین غزوہ راہ یافت در ہیچ غزوہ نبود۔ (مدارج النبوۃ)۔

اس کے بعد خیبر کا معرکہ ہے۔ ہر مسلمان شخص جانتا ہے کہ فاتح خیبر جناب علی علیہ السلام ہی ہیں اور یہاں بھی مثل دیگر مقامات کے بے مثل شجاعت اور بے نظیر دلاوری و جانبازی کا نمونہ جناب علی کرم اللہ وجہ نے پیش کیا کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

علی کی تیغ چمکی بارہا اعدا کے لشکر میں　　احد میں بدر میں صفین میں خندق میں خیبر میں

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

تاہم اس قدر ضرور صحیح ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا جب ہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "کل میں اس شخص کو علم دونگا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دیگا اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول بھی اس کو چاہتے ہیں" یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی صحابہؓ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی دیکھئے یہ تاج فخر کس کے ہاتھ آتا ہے۔ حضرت عمر نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سروری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علی میں مذکور ہے ان کو خود اعتراف ہے کہ اس توقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی صبح کو دفعتہً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علی کہاں ہیں یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور

سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں غرض جب طلب وہ حاضر ہوئے۔
آنحضرت صلعم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی جب ان کو علم عنایت ہوا تو انہوں نے عرض کی کہ "کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنالوں" ارشاد ہوا کہ یہ نرمی ان پر اسلام کو پیش کرو اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہوسکتے تھے۔ مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب — خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔
شاکی السلاح بطل مجرب — دلیر ہوں تجربہ کار ہوں سلاح پوش ہوں۔

مرحب کے سر پر پیتی زرد رنگ کا مغفر اور اس کے اوپر سنگی خود تھا۔ قدیم زمانہ میں گول تیز نیزے سے خالی کرلیتے تھے یہی خود کہلاتا تھا۔

مرحب کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ — میں وہ ہوں کہ میری اماں نے میرا نام شیر رکھا تھا
کلیث غابات کریہ المنظرہ — میں شیر نیستاں کی طرح مہیب و بدمنظر ہوں۔

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوی دانتوں تک اتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا۔ اس لئے عجائب پسندی نے اس کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہیں پھیلا دیں معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت علیؓ نے جب تلوار ماری تو مرحب نے سر پر روکا لیکن ذوالفقار خود اور سر کو کاٹتی ہوی دانتوں تک اتر آئی مرحب کے

مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علیؑ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ گئی اور آپ نے قلعہ کا در جو سرتاپا پارۂ سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا۔ اس واقع کے بعد ابو رافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا۔ (سیرۃ النبی)۔

جناب علامہ محقق دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

وچون قلعہ قموص از قلاع دیگر در استحکام زیادہ بود فتح آن باسانی روی نمود آوردہ اند کہ روزی عمر رضی اللہ عنہ علم برداشتہ باجمعی از حامیان حوزہ اسلام بپای قلعہ آمد و چند انکہ بذل مجہود نمود روی مراد ندید روز دیگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رایت برگرفت و با طائفہ از شجعان و ابطال بقتال و جدال ارباب ضلال مبارزت نمود و مقاتلات عظیمہ درمیان آوردہ بی نیل مقصود باز گشت و نوبت سوم باز عمر بن الخطاب بازمرہ از اصحاب محاصرہ و محاربہ نمودنان مراد بدست نیاورد و مراجعت نمود و مثل چون ارادت ازلی بر آن رفتہ بود کہ این فضل خاص فتح خیبر مثل اختصاص بجناب ولایت مآب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ داشتہ باشد و بود قلعہ قموص از سائر قلاع خیبر سخت تر و مستحکم تر آنرا بر دست وی رضی اللہ عنہ فتح کردہ مقدمہ و اساس فتوح سائر قلاع و دیار خیبر ساخت اگرچہ بعضی از اہنا مثل قلعہ نطاہ و صعب و حصن ابی بشیر ازین ہم مفتوح شدند اما اتمام فتح خیبر و اکمال فتوح بجناب مرتضوی است آوردہ اند کہ شبی بود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود لاعطین الرایۃ غدا ولیاخذن الرایۃ غدا رجل یحبہ اللہ و رسولہ یفتح اللہ علیہ یعنی فرمود بہم رایت را فردا مردی را یا باین عبارت فرمود ہر آئینہ بگیرد مردی فردا رایت

که دوست میدارد او را خدا و رسول خدا فتح میکند خیبر بر دست او و در روایتی زیاده آمده رجل کرار غیر فرار کرار یعنی حمله کننده و برگردنده بر دشمن و در روضة الاحباب تفسیر کرده بردی ستیزه کننده ناگریزنده و چون آنحضرت صلی الله علیه وسلم این خبر بشارت اثر و این نوید سعادت ثمر در داد صحابه همه دیده امید در راه و چشم انتظار بر قبول درگاه نشستند تا این دولت نصیب که گردد و این فضیلت مخصوص بکه شود سعد بن ابی وقاص گوید رضی الله عنه که رفتم و در پیش چشم آن حضرت زانو زدم و برخاستم با امید آنکه صاحب علم من باشم از عمر بن الخطاب رضی الله عنه منقول است که گفت هرگز امارت را دوست نداشتم مگر در آن روز و در روایتی آمده است که جماعه قریش با یکدیگر میگفتند که مقرر است که علی ابن ابی طالب با این مراد فائز نخواهد بود و چشم مبارک وی درد میکند بحدی که پیش پای خود نمی بیند و منقول است که چون حضرت امیر شنید که حضرت صلی الله علیه وسلم این چنین میفرمایند راه از رو و طلب بسته و دل در چشم توکل و امید بر فضل خدا نهاده فرمود - اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت و وی کرم الله وجهه بواسطه درد چشم از سفر خیبر تخلف نموده در مدینه مطهره مانده بود و در مدت غایت صعب داشت با خود گفت من از رسول خدا صلی الله علیه وسلم جدا گشتم و دوری از کار و بار جهاد خوب نیست کارسازی سفر کرده از مدینه بیرون آمد در اثنار راه یا بعد از وصول درگاه خبر آمدن وی بحضرت رسید چون روز شد آنحضرت فرمود کجا است علی بن ابی طالب مردم از هر طرف آواز بلند دادند که همین جا است ولیکن چشم او چنان درد میکند که پیش پای خود نمی بیند فرمود او را نزد من بیارید سلمه بن الاکوع رفت و دست او را می کشید تا نزد آنحضرت

رسانید پس آنحضرت سر او را بر ران مبارک خویش نهاد و آب دهان مبارک
خود در چشم میمونش کشید و دعا کرد فی الحال درد از چشم او زائل گشت و شفا کلی
روی نمود از آن روز باز در چشم و در سر گردوئے نگردید و در روایتی آمده
که این دعا نیز کرد اللهم اذهب عنه الحر والبرد خدایا دور کن از وے
گرما و سرما چون اکثر تشویش آدمی زاد از ین ممر میباشد خصوصاً در معرکهای جنگ
و هوای خیبر در ین ایام بسیار گرم بود پس آن را جمع کرد و بنفی سرما نیز استطراد نمود
ابن ابی لیلی گوید که علی مرتضی در گرما سخت جامه پرنیه در بر میکرد و در سرمای عظیم جامهٔ تنک
پوشید و از آن باک نداشت و چون علی مرتضی کرم الله وجه از ان علت خلاص یافت
حضرت مصطفی صلی الله علیه وسلم زره خاصهٔ خود را در وی پوشانید و ذوالفقار را بر
میانش بسته بوی داد و فرمود برو التفات مکن تا آنکه مفتوح گرداند خدائتعالی بر تو
گفت یا رسول الله بر چه قتال کنم با یشان آنسرور فرمود قتال کن تا گواهی دهند.
لا اله الا الله محمد رسول الله و چون بدهند گواهی را پس تحقیق نگاهداشتند
خون های خود را و مال های خود را مگر بحق آن و محساب ایشان بخدا است و در روایتی آنکه چون
علی علم برگرفته در راه در آمد گفت رسول الله صلی الله علیه وسلم قتال کن با یشان
تا زمانیکه مثل ما شوند یعنی مسلمانان شوند و فرمود یا علی تعجیل مکن و بر و تاز مانیکه بساحت
ایشان فرود آئی انگاه ایشان را باسلام دعوت کن و بر حقوق خداوندی که بر
بندگان خود واجب گردانید واقف گردان و بخدا سوگند که اگر هدایت کند خدا تعالی
بسبب تو یکمرد را بهتر است مر ترا از آنکه باشد ترا هزار شتران سرخ که در راه حق
عز و علا تصدق نمائی و مراد آنست که هدایت کردن که موجب ثواب آخرت است

فاضلتر و بهتر است از متاع دنیا راه نمودن بحق فاضلترین اعمال است و از تصدق
کہ متعلقیست مثل آنکہ واقع شده است کہ ذکر کردن فاضلتر است از انفاق ذهب و
فضه در راه خدا فتد پس علی علم برگرفته روان شد و بپای حصار قوص آمد و علم
را بر تودهٔ از سنگریزه کہ در آنجا بود بنزدیکی از احبار یهود کہ بالای حصار بود پرسید
کہ ای صاحب علم تو کیستی و نام تو چیست گفت منم علی بن ابی طالب پس آن یهودی
با قوم خویش گفت سوگند بتوریت کہ شما مغلوب شدید اینمرد فتح نامکرده برنخواهد گشت
ظاهراً آن خبر صفات علی و شجاعت وی را میدانست کہ در توریت وصف
او را خوانده بود و صفات اصحاب آنحضرت در کتب سابقه مذکور و مسطور بود پس
اول کسی کہ از حصار بیرون آمد حارث یهودی بود برادر مرحب کہ سنان نیزه وی
سه من بود آمد و بجنگ پیوست و چند نفر را از اهل اسلام شهید ساخت پس علی مرتضی
بر سر او راند بیک ضرب وی را بدوزخ فرستاد و مرحب چون بر قتل برادر واقف
شد با جماعه از شجعان خیبر اسلحه پوشیده کمین تمام و رصد و انتقام بیرون آمد و گفتند
کہ وی در میان خیبریان مبارزی بود بغایت دلاور بلند بالا و تنا و رد و در شجاعت
و مبارزت از میان ابطال این اهل بطلان همتا نداشت و آن روز دو زره
پوشیده بود و دو شمشیر حائل کرده و دو عمامه بر سر بسته و خودی بر بالای این نهاد
و این رجز گویان کہ ؎

قد علمت خیبر انی مرحب وشاکی السلاح بطل مجرب

در معرکہ جنگ در آمد و هیچ کس از اهل اسلام را طاقت نشد کہ با وی معارضه
نماید و در میدان قتال در آید پس علی مرتضی رضوان الله علیه نیز رجزی خواند کہ

ان الذی سمتنی امی حیدرة ضرغام اجام ولیث قسورة

رجز خواندن در معرکهٔ جنگ عادت شجعان عرب است و مع لفنن درین مقام کردن جائز است تا میتی در دل خصم بفتد و شوکتی ظاهر گردد و مرحب پیشدستی نموده خواست که تیغی بر سر علیؑ زند پس امیر کبریت جسته ذوالفقار بر سر آن ملعون غدار فرود آورد چنانکه از سر خود دو دستارش گذشته تا بحلق و بر وایتی تا بر انهای وی و بر وایتی تا بقابوس زین اورسید و دو نیم ساخته پس اهل اسلام با مداد حضرت امیر در میدان در آمده و دست بقتل جهودان دراز کردند و هفت کس از رؤسای شجعان یهود را بقتل آوردند و باقی ایشان هزیمت نموده روی بقلعه آوردند وی رضی الله عنه در عقب ایشان میرفت درین حالت یکی از مخالفان ضربی بر دست مبارک وی زد چنانکه سپر از دست بر زمین افتاد یهودی دیگر سپر را ربوده روی بگریز نهاد و حضرت امیرؑ در غضب آمد و یک حالتی از عالم قدرت ربانی بقوت روحانی وارد شد که از خندق جستی نموده بر دروازه حصار افتاد و یک دست این حصار را بر کنده و سپر خود ساخت و بجنگ پیوست و از امام باقر سلام الله علیه و علی آبائه العظام و اولاده الکرام منقول است که گفت چون علی کرم الله وجهه در خیبر را بگرفت و بخسبانید تا از جا بر کند تمامهٔ حصار بجنبید چنانکه صفیه بنت حی بن اخطب از سریر بیفتاد و روی وی مجروح شد و غالباً حکمت در تخصیص سرایت این جنبش در صفیه علامت مناسبتی بود که بدان اسیر شد و در آخر در حبالهٔ آنحضرت در آمد تا تنبه گردد و علاقهٔ با کفر در حرکت آمده اشتداد پذیرفت و مستعد فتحی آن دولت و سعادت گرداند چنانکه بیاید و آورده اند که بعد از فراغ از جنگ

آن در را بمقدار دو وجب برتافت و پس پشت دور انداخت و گویند که هفت تن
از اقویا باتفاق جهد نمودند که آن در را از پهلوی بپهلوی دیگر بگردانند نتوانستند
و چهل تن خواستند که بهم دیگر بردارند عاجز شدند اینچنین است در روضه و
معارج و اکثر کتب سیر . . . . . الغصه چون اهل حصن قموص و سائر حصون
خیبر این قوت و قدرت را از حضرت امیر مشاهده کردند فریاد برآوردند که الامان
الامان پس وی رضی الله عنه باشارتی از حضرت صلی الله علیه وسلم ایشان را
امان داد مشروط بآنکه هر مردی شتر بار طعام برداشته از آن دیار بیرون
روند و نقود و امتعه و اسلحه و سائر اموال اهل اسلام گذارند و هیچ چیز پوشیده و
پنهان ندارند و اگر مالی ظاهر شود که بحقیقت نگفته باشند امان نیز چون ایمان از
ایشان مسلوب گردد و چون خبر فتح خیبر بجناب رسالت رسید شکرانهٔ این نعمت بجای
آورد که سبب ظهور عزت اسلام گشت و چون علی رضی الله عنه مهم کفار قرار داد
بدرگاه متوجه گشت آنحضرت بجهت تهنیهٔ وی رضی الله عنه باستقبال و استبشار راز
خیمهٔ بیرون آمد و وی را در کنار گرفت و میان دو چشم وی بوسه داد و فرمود .
بلغنی ثناؤك المشكور وصنيعك المذكور فسر رضي الله عنه
وارضيت انا عنك - پس حضرت امیر گریه کرد و فرمود آن حضرت این گریه
شادی است یا گریه اندوه فرمود علی بلکه گریه شادی ست و گفت چگونه شاد نباشم
نباشم که تو از من راضی باشی فرمود آنحضرت نه من تنها از تو راضیم بلکه خدا و
جبرئیل و میکائیل و ملئه فرشتگان از تو راضی اند (مدارج النبوة)
دیگر وہ روایات جو جناب علی مرتضیٰ کے متعلق معرکۂ خیبر کی حد تک بیان کی گئی

ہیں اور جو بقول بعض محدثین قابل قبول نہیں ہیں ہم نے یہاں نقل نہیں کیں یہاں صرف وہی واقعات تحریر ہوئے ہیں جو سب کے نزدیک مسلم ہیں ان کے علاوہ دیگر بے شمار لڑائیوں میں جناب شیر خدا نے جس طرح ثبات قدم کے نمونے پیش کئے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کی حمایت وحفاظت میں صف قتال میں جو جوکارہائے نمایاں کئے ہیں۔ ان کی نظیر ملنی ممکن نہیں ہے آنجناب کا نام نامی شجاعت کے لئے خاص طور پر ضرب المثل ہے انوری لکھتا ہے۔

مادر گیتی نزاد ہ زیر چرخ چنبری — بادشاہی چوں غیاث الدین گوا نوری

ختم شد بر تو سخاوت بر من مسکین سوال — چون شجاعت بر علی بر مصطفیٰ پیغمبری

وادی حنین میں جو معرکہ پیش ہوا اور جس میں بعض اکابر ثابت قدم نہ رہ سکے جناب علی کا نام نامی باتفاق جملہ مورخین ثابت قدم اشخاص کی فہرست میں موجود ہے۔ ایسی ایسی زبردست آزمایشوں میں اور خصوصاً ابتدائی غزوات میں جب کہ مسلمانوں کی کمزوری اور قلت تعداد خاص طور پر نمایاں تھی آنجناب نے کیسے کیسے بے مثل مقابلے کئے ہیں یہاں تک کہ خندق کی لڑائی کے موقع پر حضور سرور کائنات صلعم نے اپنی زبان وحی ترجمان سے فرمادیا کہ مبارزۃ علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامہ یعنی میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے علی کی خندق کی مبارزت افضل ہے۔ یہ شرف آنحضرت صلعم کے اقرباء واخیار میں سے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔ ایک طرف اگر جناب علی مرتضیٰ کو اکابر امت محمدی مرکز ولایت وسرچشمۂ علوم عرفان تسلیم کرتے آئے ہیں تو دوسری طرف مرد میدان وفاوشیر بیشۂ ہیجا وشاہ مردان وشیر یزدان بھی باتفاق کہتے چلے آئے ہیں سیف وقلم کی جامعیت

ایسی صفت ہے کہ بندگان خدا میں خال خال ہی اس سے متصف ہوتے ہیں اور آپ کی ذات بابرکات دونوں صفات کی بدرجہ اتم جامع ہے:۔

بقول امام احمد حنبلؒ وغیرہم آنجنابؑ کے فضائل میں جس کثرت سے باسانید حسنہ احادیث وارد ہیں وہ کسی دوسرے کے حق میں نہیں ہیں اور ان میں سے بعض کی نقل ہم نے اس بیان میں کر بھی دی ہے ان کے علاوہ کلام اللہ میں بکثرت وہ آیات ہیں جن کے متعلق اکابر مفسرین ومحدثین بیان کرتے ہیں کہ جناب مولا علیؑ کی شان میں وارد ہیں ان تمام فضائل کا جامع بیان کرنا ہماری اس مختصر کتاب میں ضمناً ممکن نہیں ہے یہ کام ان تذکرہ نویسوں کا ہے جو خاص طور پر جناب علیؑ کی سیرۃ کی تدوین کریں یہاں محض تبرکاً بعض احادیث وغزوات کا ذکر کر دیا گیا ہے پس ہم اس مختصر نویسی کا عذر کرتے ہوئے اس مبارک مگر مختصر مضمون کو ختم کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ جناب مولا علیؑ کی مدح ومنقبت کا کوئی ادنیٰ حق بھی ادا نہ کر سکے۔ آنجناب کے زمانۂ خلافت میں اور اس سے قبل جو جو واقعات درپیش ہوئے وہ کتب تواریخ وسیر وغیرہ میں بتفصیل مرقوم ہیں۔

آنجناب کی وفات ۴۰ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں بتاریخ ۱۷ رمضان بمقام کوفہ ہوئی۔ عبدالرحمٰن معروف بہ ابن ملجم مرادی نے شمشیر زہر آلود سے جو زخم سر مبارک میں پہنچایا تھا بالآخر اسی سے وفات واقع ہوئی۔ مزار رحمت آثار نجف اشرف میں ہے۔

ازواج واولاد حضرت علی کرم اللہ وجہ نے بارہ وقات مختلف نو بیویاں کیں جن سے چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں پیدا ہوئیں آپ کا پہلا نکاح حضرت فاطمہؑ بنت رسول صلعم سے ہوا جن کے بطن سے دو لڑکے حسنؑ وحسینؑ اور دو لڑکیاں زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں حضرت فاطمہؑ کے فوت ہونے کے بعد آپ نے ام البنین بنت حزام کلابیہ سے نکاح کیا جن کے

بطن سے عباسؓ جعفرؓ عبداللہؓ عثمانؓ چار لڑکے پیدا ہوئے۔ تیسرا نکاح آپ نے لیلیٰ بنت مسعود بن خالد سے کیا جن کے بطن سے عبداللہ و ابوبکر پیدا ہوئے چوتھا نکاح آپ نے اسماء بنت عمیس سے کیا جن کے بطن سے محمد الاصغر اور یحییٰ پیدا ہوئے یہ آخر الذکر آٹھوں بھائی معرکہ کربلا میں اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔ پانچواں نکاح آپ نے امامہ بنت ابی العاص بن الربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدالشمس سے کیا جن کی ماں زینب بنت رسول اللہ تھیں ان کے بطن سے محمد الاوسط پیدا ہوئے۔ چھٹا نکاح آپ نے خولا بنت جعفر سے کیا جو قبیلہ حنیفہ سے تعلق رکھتی تھیں ان کے بطن سے محمد الاکبر پیدا ہوئے جن کو محمد بن الحنیفہ بھی کہتے ہیں۔ ساتواں نکاح آپ نے صہبا بنت ربیعہ سے کیا جن کے بطن سے ام الحسن رملۃ الکبریٰ اور ام کلثوم صغرا پیدا ہوئیں نواں نکاح آپ نے بنت امرالقیس بن عدی کلبی سے کیا۔ جن کے بطن سے صرف ایک لڑکی پیدا ہو کر کم سنی میں فوت ہو گئی مندرجہ بالا لڑکیوں کے سوا اور بھی لڑکیاں تھیں جن کے نام نہیں معلوم ہو سکے۔ ایک لڑکے آپ کے عون بن علیؓ بھی تھے جن کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ بھی اسماء عمیس کے بطن سے پیدا ہوئے تھے سلسلہ نسب آپ کا صرف حسنؓ حسینؓ محمد بن الحنفیہ عباس اور عمر سے چلا باقیوں کی نسل باقی نہ رہی۔

انجناب علیہ السلام کی مدح سرای اور منقبت نویسی اکابر علما و صوفیا و شعرا کا شعار رہا ہے۔ اب ہم اپنے اس مقالہ کو زمانہ حال کے سب سے بڑے قومی شاعر و مداح آل رسول کا کلام نقل کر کے ختم کرتے ہیں۔

نظم علامہ اقبال در منقبت جناب امیر علیہ السلام

مسلم اول شہ مرداں علیؓ — عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ

از ولای دودمانش زنده ام
در جهان مثل گهر تابنده ام

نرگسم وارفته نظاره ام
در حیا بانش چو بو آواره ام

زمزم ار جوشد ز خاک من بزد
ای اگر ریزد ز تاک من از دست

خاکم و از مهر او آئینه ام
می توان دیدن نوا در سینه ام

از رخ او فال پیغمبر گرفت
ملت حق از شکوهش فر گرفت

قوت دین متین فرموده اش
کائنات آئین پذیر از دوده اش

مرسل حق کرد نامش بوتراب
حق یداللهش خواند در ام الکتاب

هر که دانای رموز زندگی است
سر اسماء علی داند که چیست

خاک تاریکی که نام او تن است
عقل از بیداد او در شیون است

فکر گردون رس زمین پیمان از و
چشم کور و گوش ناشنوا از و

از هوس تیغ دوره دارد بدست
رهروان را دل بریں رهزن شکست

شیر حق این خاک را تسخیر کرد
این گل تاریک را اکسیر کرد

مرتضی کز تیغ او حق روشن است
بوتراب از فتح اقلیم تن است

مرد کشور گیر از کراری است
گوهرش را آبرو خودداری است

هر که در آفاق گردد بوتراب
بازگرداند ز مغرب آفتاب

هر که زین بر مرکب تن تنگ بست
چون نگین بر خاتم دولت نشست

زیر پاش ایجا شکوه خیبر است
دست او اینجا قسیم کوثر است

از خود آگاهی ید اللهی کند
از ید اللهی شهنشاهی کند

ذات او دروازهٔ شهر علوم
زیر فرمانش حجاز و چین و روم

حکمراں باید شدن بر خاک خویش — تامئے روشن خوری از تاک خویش
خاک گشتن مذہب پروانگی است — خاک را آب شو کہ ایں مردانگی است

سیدۃ النساء العالمین فاطمہ زہراؑ

جناب کا نام نامی فاطمہ ہے لقب مطہرہ جناب خدیجۃ الکبریٰ سے جناب کی ولادت باسعادت ہوئی حضرت سرور عالم صلعم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی آپ ہی ہیں۔ صاحب سیرۃ فاطمہؑ صوفی محمد الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

آخر وہ مبارک اور مقدس دن آگیا جس کے لئے فضائے روحانی بے قرار تھی یہ وہی مولود تھا جس کا خیر مقدم کرنے کے لیے توکل و رضہ بے چین تھے بسعادت نسوان کی پہلی اور آخری بشارت تھی۔ رحمت الٰہی کی عالمگیر نمود تھی عالم صبر و قناعت کی سرسبزی و شادابی کا اعلان عام تھا۔ نسوانی عروج و ارتقا کا اخری پیام تھا قناعت وفاداری اور عفت پرستی کا قانون جدید تھا۔ غرور۔ بے کاری۔ بدی نمائش و اسراف کا خاتمہ تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری خدیجہؓ کی دلاری فاطمہؑ وہ فاطمہؑ جس کی عفت توکل در رضا صبر و قناعت۔ تواضع و انکساری پر دنیائے حق شناس آج تک وجد کر رہی ہے۔ ہاں وہ فاطمہ جو ایک عجیب الطرفین سیدہ تھی جو باوجود اس کے کہ اس کا باپ دو جہان کا بادشاہ اور خاوند شیر خدا تھا ہمیشہ فقر و افلاس کی دولت سے مالا مال رہی۔ شان جلال و جمال کے ساتھ عالم ہستی میں نمودار ہوئی

کر سجدہ اے قلم کہ ادب کا مقام ہے — تیری زباں پہ بنت محمدؐ کا نام ہے

بنت دل خدیجہؓ جگر گوشۂ رسول	یعنی جناب سیدہ خیر النساءؓ بتول
مشہور ہیں جو فاطمہؓ زہرا کے نام سے	بیاہی گئیں جو حیدر عالی مقام سے
بنت رسولؐ شبر و شبیر کی ہیں ماں	بنتے تھے اونٹ جن کے لئے شاہ دو جہاں
یعنی حسنؓ امام سرتاج اتقیا	اور ہیں حسینؓ میر شہیدان کربلا
سرسبز جن سے ملت بیضا کا ہے چمن	جو سرخرو ہیں پیش خداوند ذوالمنن
ہیں امت رسولؐ کی غمخوار فاطمہؓ	جنت کی عورتوں کی ہیں سردار فاطمہؓ
کان حیا ہیں جوہر مہر و وفا ہیں یہ	بحر سخا ہیں گوہر لطف و عطا ہیں یہ

فاطمہؓ کی ولادت سچ پوچھو تو کائنات نسوان کے شرف و احترام کی ولادت تھی اور ہماری ماؤں بہنوں بیٹیوں کی سعادت و فیروزمندی کے حقیقی میلاد مقدس کا یہی دن تھا جس طرح رسول پاک کا یوم میلاد تمام کرۂ ارض کی سعادت کا دن قرار پایا اسی طرح آپ کی لخت جگر فاطمہ کی پیدائش کا روز بھی تمام نسوانی برکات و تقدس کا مرجع کہلایا کیونکہ یہی وہ دن تھا جس میں جنس لطیف کی سب سے بڑی عظمت کا ظہور ہوا یہی وہ دن تھا جس میں توکل اور تسلیم و رضا نے جنم لیا یہی وہ دن تھا جس میں وفاداری اور نیکوکاری کے بے برگ و بار درختوں کو سبز پتوں اور خوشبودار پھولوں کا خلعت عطا ہوا۔ یہی وہ دن تھا جس میں عصمت و حیا کی نشو و نما ہوی۔ یہی وہ دن تھا جس میں انسان کے شرف و احترام کا معیار سیرۃ (کیرکٹر) قرار دیگئی۔ یہی وہ دن تھا جس میں نظام خانہ داری کی بنا پڑی۔ الغرض یہی وہ دن تھا جس میں محمدؐ کی ساری بڑائیوں، ساری سعادتوں، ساری وفاداریوں، ساری عفت پوشیوں، ساری ریاضتوں اور ساری قناعتوں کا افتتاح ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

آنجناب کے مشہور القاب یہ ہیں۔ سیدۃ النسا۔ خیرالنسا۔ افضل النسا۔ الصدیقہ الزہرا۔ الراضیہ المرضیہ۔ بتول۔ لفظ بتول بتل سے مشتق ہے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ چونکہ آپ نے خدا کی راہ میں دنیا سے تعلق قطع کر لیا تھا۔ اس لئے لقب بتول قرار پایا۔ حضور سرور کائنات صلعم کی آپ جگر گوشہ ہیں۔ آپ کی سال کی عمر میں والدۂ مکرمہؓ کی وفات واقع ہوی۔ حضور سرور کونین کو غایت درجہ محبت آپ سے تھی۔ خود حضور صلعم کی آغوش محبت میں آپ کی پرورش ہوی اسی آغوش میں جناب فاطمہ کی تعلیم و تربیت سب کچھ ہوی۔ اور فطرۃ صحیحہ صالحہ کا جناب کو درس ملا اور کوئی شک نہیں کہ :۔ (یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمہ) کے مصداق ہونے کی ایک بہترین مثال آپ کی ذات قدسی صفات ہے۔ صاحب سیرۃ فاطمہؓ تحریر فرماتے ہیں :۔

جناب زہرا کے لیے یہ شرف کیا کم ہے کہ آپ ہمارے رسول کریم صلعم کی لخت جگر ہیں ان کے دل کا سہارا اور آنکھ کا تارا ہیں۔ آپ نے رسول اکرم کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ آپ کے خون سے ان کا خون ملا ہوا ہے۔ جناب رسالتمآب فرمایا کرتے تھے کہ "خاتون جنت" خاتونان بہشت کی سردار ہیں۔ آپ کے بطن مبارک سے وہ مقدس امام پیدا ہوئے جن کی شہادت و امامت نے ایک عالم سے خراج عقیدت و رضا وصول کیا۔ اور جن کے استقلال نے دنیا جہان کو محو حیرت کر دیا یہی وہ اولاد فاطمہ تھی جن کی برکت سے اسلام سرسبز و شاداب ہوا۔ اور ملت مرحوم کی کھیتی جل بن کر ہری ہو گئی۔

فاطمہؓ کی یہ فضیلت بھی کیا کم ہے کہ سلسلہ سادات انھیں کی بدولت قائم ہوا۔ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ "جب آیہ کریمہ :۔

ندع ابناءنا وابناءکم نازل ہوی تو حضرت سرور کائنات صلعم نے علیؓ وفاطمہؓ وحسنؓ وحسینؓ کو بلایا اور فرمایا کہ "الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں"

تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ یہ آیت نصاریٰ نجران کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لیے نازل ہوی تھی لیکن وہ مباہلہ سے ڈر گئے حضرت مولنا عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ قوی دلیل حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد کی فضیلت کی کوئی نہیں ہوسکتی بنی فاطمہؓ ہی آنحضرت کی اولاد ہیں (سیرہ فاطمہؓ)

آیۂ تطہیر۔ حضرت عایشہؓ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک دن صبح کے وقت جناب رسول خدا صلعم ایک منقش چادر اوڑھے ہوے تھے کہ جناب حسنؓ تشریف لاے۔ آپ نے ان کو چادر کے اندر لے لیا۔ پھر دوسرے صاحبزادے حسینؓ اور ان کے بعد جناب فاطمہؓ تشریف فرما ہوئیں ان کو بھی وہی چادر اڑھالی۔ اس کے بعد جناب علی کرم اللہ وجہہ آئے آپ نے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر یہ آیت پڑھی

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (سورہ احزاب رکوع ۴)

ابوسعید خدریؓ کا قول ہے کہ یہ آیت حضرات پنجتن پاک کی شان اقدس میں نازل ہوی ہے۔ اور ایک صحیح روایت کے مطابق حضرت سرور کائنات صلعم نے ان چاروں حضرات کو اپنی چادر اڑھاکر فرمایا۔ خداوندا یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان کو پاک کر اور نجاست ظاہری و باطنی ان سے دور فرما۔

حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا قیامت کے دن سب نسب بیکار ہوں گے مگر میرا نسب نفع دیگا اور ہر نبی کی دختری اولاد اس کے

اصلی باپ سے منسوب ہوگی۔ مگر فاطمہؓ کی اولاد میری طرف منسوب ہوگی اور میری اولاد کہلائے گی صحیح بخاری میں حضرت مسعود بن مخرمہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہؓ میرا پارہ گوشت ہے جس نے اسے غصہ دلایا اور ناراض کیا اس نے مجھے غصہ دلایا اور ناراض کیا اور غصہ دلایا۔

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ حضرت سرور کائنات صلعم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ علیؓ۔ اور حسنینؓ سے جس نے لڑائی کی اس سے میری بھی لڑائی ہے۔ اور جس نے ان سے صلح کی اس سے میری بھی صلح ہے فتح الباری میں بحوالہ زید بن ارقم لکھا ہے کہ مسجد کے متصل اکثر صحابہ کرام کے مکانات تھے جن کے دروازے مسجد کے اندر تھے آنحضرتؐ نے مکان حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے سوا سب کے دروازے بند کرا دیئے۔ اس پر صحابہ نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے بطور خود ایسا نہیں کیا بلکہ مجھکو منجانب اللہ ایسا کرنے کا حکم ملا ہے۔ جس کی میں نے تعمیل کر دی۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری۔ لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ میں تم سے کچھ اجرت نہیں چاہتا مگر محبت تمام اقربا کی، تو آنحضرت صلعم سے پوچھا گیا کہ یہ کن لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ جن کی محبت واجب کی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ فاطمہؓ۔ علیؓ۔ اور ان کے دونوں فرزند۔ (مسند امام احمد ابن حنبل)

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت سرور کائنات صلعم حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ اے فاطمہؓ میں اور تو اور علیؓ اور حسنینؓ قیامت میں ایک جگہ ہوں گے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لا افضل احدا علی بضعۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی کوئی بھی جگر گوشۂ رسول پر فضیلت نہیں رکھتا۔ جب خداوند کریم اپنے کلام پاک میں خود ارشاد فرماتا ہے۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع۔ (نکاح کرو عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں دو تین یا چار) تو اس آیت کے مطابق حضرت علیؑ کو حق تھا کہ وہ اور شادی کر لیں۔ مگر حضرت سرور کائنات صلعم نے ان کو منع فرما دیا۔ امام مالکؒ لکھتے ہیں جس طرح چار سے زیادہ شادیاں کرنے کا حکم اور اجازت صرف رسول خدا سے مختص تھی اسی طرح فاطمۃ الزہرا کی موجودگی میں شیر خدا کو دوسری شادی سے روکنا حضرت صلعم ہی کے لئے درست تھا جو صاحب شریعت تھے۔ دوسری مستورات کو یہ حق حاصل نہیں اور نہ کسی آدمی کو از روئے شریعت اپنے داماد کو دوسری شادی سے منع کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ رعایت رسول خدا اور آپ کی مقدس اور طاہر بیٹی کے لیے جائز ہے۔ نہ ہر ایک باپ کا درجہ رسول خدا کا سا ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہر ایک بیٹی فاطمۃ الزہراؑ کے فضائل کو پہنچ سکتی ہے۔

حاکمؒ نے اس حدیث کی روایت ابو سعید الخدریؓ سے کی ہے اور اس کو صحیح حدیث کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت فاطمہؑ اہل جنت کی بیبیوں کی سردار ہیں۔ مگر مریم بنت عمران اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (سیرۃ فاطمہ)۔

۲ھ میں آنجناب کا سن شریف اٹھارہ سال ہو چکا تھا۔ سرداران عرب کے پیام آپ سے شادی کے لئے آنے لگے تھے۔ مگر جناب رسول کریم نے کسی سے اپنی رضامندی ظاہر نہ کی اور بالآخر انتخاب جناب شاہ مردان حضرت علی ابن ابی طالب پر پڑی۔ جناب علیؑ کی طرف سے جب نکاح کا پیام ہوا تو حضور صلعم نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس

مہر میں دینے کے لئے کیا ہے۔ آنجناب نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ حضور صلعم نے دریافت فرمایا کہ وہ زرہ کیا ہوئی جو جنگ بدر میں ملی تھی آپ نے جواب دیا کہ وہ موجود ہے۔ حضور نے فرمایا کہ بس وہی کافی ہے ملک محمد اسلم خاں صاحب نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے:۔

پروائے زر نہیں نہ ہے دولت سے کوئی کام — کچھ میرے پاس ہے تو فقط ہے خدا کا نام
مفلس ہوں تنگ دست ہوں لیکن دل کا ہوں غنی — اک زرہ ہے جو جنگ میں آتی ہے میرے کام
لے دے کے میرے گھر میں ہے یا سید البشر — اک تیغ موشگاف تو شتر ایک خوش خرام
جو کچھ کہ ہوں حضورؐ پہ ہے سب وہ آشکار — کیا کم ہے یہ شرف کہ محمد کا ہوں غلام
دنیا کے جاہ و مال سے کیا واسطہ کہ ہے — ورد زباں خدا و رسولؐ خدا کا نام

روایت ہے کہ اس زرہ کو چار سو اور بقولے چار سو اسی درم پر حضرت عثمانؓ نے جناب علیؑ سے خرید فرمایا۔ نیز یہ بھی روایت ہے کہ بیع و شریٰ کے بعد حضرت عثمانؓ نے بلیب خاطر اس زرہ کو بحق جناب علیؑ ہبہ کر دیا الغرض عقد نکاح کی قرار داد ہوگئی اور حضورؐ نے اعلان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کا نکاح علیؑ سے کر دوں مجلس عقد کا اعلان کر دیا گیا۔ بدایوں کے مشہور صوفی بزرگ حضرت مذاق تحریر فرماتے ہیں۔

پنہایا شہ کو خرقہ فقر کا بدلے شہانے کے — دیا تاج اس کو پھر شاہ و گدا کی پیشوائی کا
گنہگاران امت کی شفاعت مہر میں ٹھیری — ہوا پھر وعدۂ دیدار حق کی رونمائی کا

مجلس عقد منعقد ہوئی تو حضور سرور کونین صلعم منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مشیر المسلمین ابھی جبرئیل امین میرے پاس یہ پیام ربانی لے کر تشریف لائے تھے کہ خداوند عالم نے بیت المعمور میں اپنی کنیز فاطمہ کا عقد اپنے غلام علیؑ ابن ابی طالب سے کر دیا ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ اس عقد نکاح کا اعلان گواہان عادل کی موجودگی میں ایجاب و قبول سے کرا دوں

جناب فاطمۃ الزہراؑ کے پاس جاکر آنحضرت صلعم نے اس نکاح کے متعلق استرضا واستمزاج کرلیا تھا اور جناب سیدہؑ کی خموشی ان کے اظہار رضا کی ہم معنی تھی۔ مجلس عقد میں حضور صلعم نے جو خطبہ نکاح پڑھا وہ یہ ہے:۔

الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ المطاع بسلطانہ المرھوب من عذابہ وسطوتہ النافذ امرہ فی سماءہ وارضہ الذی خلق الخلق بقدرتہ ومیزھم باحکامہ واعزھم بدینہ واکرمھم بنبیہ محمدؐ ان اللہ تبارک اسمہ وتعالت عظمتہ جعل المصاھرۃ سببًا لاحقا وامرًا مفترضًا وشج بہ الارحام والزمھا نامرفقال عزمن قائل وھوالذی خلق من الماء بشرًا فجعلہ نسبا وصھرا وکان ربک قدیرا فامر اللہ تعالیٰ یجری الی قضاءہ وقضاءہ یجری الی قدرہ ولکل قضاء قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب ثم ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمہ من علی بن ابی طالب ..... الخ (مواہب الدنیہ)۔

نقل ہے کہ اس خطبہ کے پڑھنے کیوقت جناب علی مرتضیٰ کہیں باہر تشریف لے گئے تھے حضور خطبہ پڑھ رہے تھے کہ آپ باہر سے تشریف لائے آنحضرت صلعم نے آپ کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا کہ میں نے اپنی دختر فاطمہ کو بعوض چار سو مثقال (وبقول شیعہ پانچ سو درہم) مہر کے عوض تمہارے نکاح میں دیا کیا تمہیں منظور ہے۔ جناب علیؑ نے جواب دیا منظور ہے۔ اس کے بعد حضور صلعم نے زوجین کے لیے دعائے برکت فرمائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے طیب وطاہر اولاد پیدا کرے۔ ؎

تھی غیب کی صدا رہے شاداب یہ چمن نوشہ کے ساتھ خرم وشادان رہے دلہن

ان پر سدا ہو سایۂ افضال ذوالمنن　　آباد ہو یہ خانۂ شاہنشہ زمن

ان کو نہ کچھ الم ہو نہ یہ دردناک ہوں

یارب یہ جلد صاحب اولاد پاک ہوں

جنت کا اک نمونہ تھا مشکوے مرتضیٰؓ　　غنچہ نمط کھلا دل نیکوئے مرتضیٰؓ

زہراؓ بنی جو رات کو بانو سے مرتضیٰؓ　　اس گل سے مل کے اور بڑھی بوئے مرتضیٰؓ

حسب مراد شاہ رسل کام ہو گئے

احکام رب پاک سرانجام ہو گئے

علامہ شبلی نعمانی اس نکاح کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت فاطمہؓ جو آنحضرت صلعم کی صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں اب ان کی عمر ۱۸ برس کی ہو چکی تھیں اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی آپ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی۔ ان کو بھی آپ نے جواب نہ دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے۔ لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہ کے حال میں نقل کی ہیں لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہرحال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپ نے فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے۔ بولے کچھ نہیں آپ نے فرمایا۔ اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی (جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے۔ آپ نے فرمایا

بس وہ کافی ہے۔

ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی۔ لیکن اگر اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا روپیہ (عہ) زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؑ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ بنی چادر تھی۔ حضرت علیؑ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے نذر کیا حضرت علیؑ اب تک آنحضرت صلعم ہی کے پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد ضرورت ہوی کہ ایک گھر لیں۔ حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلعم کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہ نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ انہی سے کوئی اور مکان دلوا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں تک اب ان سے کہتے شرم آتی ہے۔ حارثہ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب سرکار کا ہے۔ خدا کی قسم میرا مکان جو آپ لے لیتے ہیں مجھکو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔ غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاطمہؑ اس میں اٹھ گئیں۔

شہنشاہ کونین نے سیدہ عالم کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی چمڑے کا گدا جس کے اندر بجائے روئی کے کھجور کے پتے تھے ایک چھاگل۔ ایک مشک دو بچھیاں اور دو مٹی کے گھڑے۔

حضرت فاطمہؑ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرت صلعم ان کے پاس تشریف لے گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا پھر اندر آئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہاتھ اس میں ڈالے۔ اور حضرت علیؑ کے سینے اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ کو بلایا۔ وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے

اپنے خاندان میں سب سے افضل ترین شخص سے تہا راانتخاب کیا ہے (سیرۃ النبی)۔

جناب سیدہ کا صبر و رضا توکل۔ قناعت و ہمدردی خلق اللہ خاص طور پر مشہور ہے۔ آنجناب کے محامد و مناقب نظماً و نثراً ہر مسلمان گھر میں شائع ہیں۔ اور جو عزت و توقیر جمہور مسلمین کے دلوں میں جناب سیدہ کی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ آپ نے اپنے نفس پر دوسروں کی ہمدردی میں جو جو تکالیف برداشت فرمائی ہیں وہ امت محمدی کے لیے سرمایہ صد فخر و مباہات ہیں اگر تفصیلاً بیان کیا جائے تو دفتر درکار ہے۔ پس ہم ایک دو نظمیں تبرکاً یہاں نقل کرکے اپنے اس مختصر مضمون کو ختم کرتے ہیں جناب فاطمہؓ کے ایثار کے بیان میں مولوی نواب علی صاحب ایم۔ اے۔ پروفیسر بڑودہ کالج تحریر فرماتے ہیں۔

سخت بیمار تھے بچپن میں جو سبطین اک بار
فرط الفت سے نہ تھا فاطمہ زہراؓ کو قرار

روکے کہنے لگیں اے پالنے والے سب کے
تین روزے میں رکھونگی جو ہو یہ دو آزار

ہوئی صحت تو رکھا نذر کا پہلا روزہ
کچھ نہ تھا پاس مگر شام کو ہر افطار

حال یہ دیکھ کے رہن اپنی زرہ کو رکھکر
اک یہودی سے علیؓ تھوڑے سے بولائے دوا

روٹیاں بنت نبی نے جو پکا کر رکھیں
ایک مسکین نے صدا دی کہ ہوں بھوکا بیا

روٹیاں دے کے اسے سو رہیں پانی پیکر
صبح روزے سے تھیں ضعف کے پیدا آثار

وقت افطار نمودار ہوا ایک یتیم
بے تامل اسے سب روٹیاں دیں کرکے پیا

تیسری صبح کو روزے سے ہوئی یہ حالت
تھر تھری جسم میں لب خشک بہت زار و نزار

ناگہاں شام کو دروازے پہ اک آیا اسیر
پھر بھی زہرا نے دکھا دی اُسے شان ایثار

آپ پانی کا پیا گھونٹ گریں غش کھا کر
شہ لولاک لما آئے جو ہر تیار

اشک بہر آئے یہ احوال جو بیٹی کا سنا
اے جبریل کہ فرماتا ہے رب غفار

تا قیامت نہیں بھولے گا زمانہ یہ سبق
سورہ دہر پڑھیں عاشق آل اطہار

علامہ شبلی نعمانی کی مشہور نظم ہے۔

اقلاس سے تھا سیدہ پاک کا حال — گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں رات کی دونوں ہتھیلیاں — چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار — گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے — جھاڑو کا شغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسول خدا کے پاس — یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض — واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور نے — کل کس لیے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں — حیدرؑ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن — جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز — ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں — میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم تھا ان کا حق — جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں — جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

بولی کی ہے اہل بیت مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دختر خیر الانام تھا

زمانہ حال کے مشہور اور سب سے بڑے مایۂ ناز قومی شاعر ترجمان حقیقت ڈاکٹر اقبال سلمہم اللہ تعالیٰ نے بھی جناب فاطمۃ الزہرا کی منقبت میں گل افشانی فرمائی ہے۔ اہل ذوق دیکھیں کہ کس قدر پر لطف اور وجد آفرین کلام ہے امید ہے کہ یہ نظم مقبول بارگاہ نبویؐ ہو کر رہے گی۔ یہ کلام کیا ہے ہمارے اس مایۂ ناز شاعر کے لئے زاد عقبیٰ و توشہ آخرت ہے۔

(از ترجمان حقیقت جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹر ایٹ لا لاہور)۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

نور چشم رحمت اللعالمین — آن امام اولین و آخرین

آں کہ جان در پیکر گیتی دمید — روزگار تازہ آئین آفرید

بانوے آن تاجدار ھل اتیٰ — مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا

بادشاہ و کلبۂ ایواں او — یک حسام و یک زرہ سامان او

مادر آں مرکز پرکار عشق — مادر آن کاروان سالار عشق

آں یکے شمع شبستان حرم — حافظ جمعیت خیر الامم

تا نشیند آتش پیکار و کین — پشت پا زد بر سر تاج و نگین

واں دگر مولائے ابرار جہاں — قوت بازوے احرار جہاں

در نوائے زندگی سوز از حسینؓ — اہل حق حریت آموز از حسینؓ

سیرت فرزندہا از امہات — جوہر صدق و صفا از امہات

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ — مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

بہر محتاجے دلش آنگونہ سوخت — با یہودے چادر خود را فروخت

نوری و ہم آتشی فرمان بر ش	گم رضایش در رضائے شوہرش
آن ادب پروردۂ صبر و رضا	آسیا گردان و لب قرآن سرا
گریہ ہائے او ز بالین نیاز	گوہر افشاندے بدامانِ نماز
اشک او بر چید جبریل از زمین	ہمچو شبنم بخت از عرش بریں
رشتۂ آئین حق زنجیر پاست	پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
ورنہ گرد تربتش گردیدمے	سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

جناب امام حسن علیہ السلام

اسم شریف آنجناب کا حسنؑ ہے۔ پیدائش آنجناب کی ۱۵ رمضان ۳ھ کو بطن مطہرہ جناب فاطمہ سے مدینہ منورہ میں ہوئی حضور سرور عالم کو جب آنجناب کی پیدائش کا علم ہوا تو خوش ہو کر تشریف لائے اور اللھم انی اعوذ بک ولدہ من الشیطان الرجیم۔ کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ میرے بیٹے کو لاؤ اس حکم نبوی کی تعمیل میں آنجناب کو سفید پارچہ میں لپیٹ کر آنحضرت صلعم کے پاس لائے اور حضور نے جناب حسن کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت پڑھی۔ اس کے بعد جناب علی مرتضیٰ سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کا نام کیا تجویز فرمایا ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور فرمایا کہ ارشاد باری یہ ہے کہ (علی را مرتبہ ہارون پیغمبر فرمودی۔ پس نام پسر علی بنام پسر ہارون بنہ۔ پس آنحضرت فرمود کہ نام پسر ہارون چیست

جبرئیل گفت کہ نام وے شبر است۔ پس آنحضرت فرمود کہ زبانِ من عربی است در عربی ترجمہ کن۔ جبرئیل گفت کہ حسن نام بنہ۔ پس حسنؑ نام نہادند۔ وہم چنین کہ بعد یک سال حسینؑ تولد شد نامش حسین کہ ترجمۂ شبر است نہادند۔ (سعادۃ الکونین)۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی مشابہت سب میں زیادہ جناب امام حسنؑ میں تھی۔ اور جناب علیؑ سے روایت ہے کہ حسین سینے سے پاؤں تک آنحضرت صلعم کے مشابہ تھے۔ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جناب امام حسنؑ کو اپنے کاندھے پر سوار کیا اور کہا کہ یا علیؑ یہ تمہارا بچہ جناب رسالت مآب سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ اس پر جناب علیؑ نے تبسم فرمایا۔ سبحان اللہ کیا خوب کہا ہے کسی نے:۔

ہر دو فرزند کہ تصویر جمال جداند　　نصف بالاحسن و نیمہ پائین شبیر

علیہ شریف آنجناب کا یہ ہے کہ رنگ آنجناب کا سرخ و سفید تھا۔ سیاہ چشم تھے رخسارے نرم تھے ریش مبارک گھنی تھی۔ سر مبارک کے بال کاندھوں تک تھے۔ سینہ فراخ تھا اور قد شریف میانہ تھا۔

آنجناب کے فضائل میں احادیث بکثرت ہیں۔ از انجملہ بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلعم جناب حسنؑ کو دوش مبارک پر بٹھائے ہوئے فرماتے تھے:۔ اللھم انی احبہٗ فاحبہ۔ یعنی خداوندا میں اسے دوست رکھتا ہوں تو اسے دوست رکھ۔ اسی طرح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلعم منبر پر تشریف رکھتے تھے اور جناب حسنؑ آپ کے پہلو میں تھے حضور فرماتے تھے کہ:۔

ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فیئتین من المسلمین۔

اسی طرح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ھما ریحانای فی الدنیا یعنی حسنینؑ میرے

دو خوشبو دار پھول ہیں۔ اسی طرح ترمذی اور حاکم ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ الحسن والحسین سید آشباب اھل الجنۃ۔ یعنی حسنؑ حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اسی طرح ترمذی نے انسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت سے پوچھا کہ آپ اپنے اہلبیت میں سے سب سے زیادہ کس کو عزیز رکھتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ حسین کو۔ اسی طرح حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب حسنؑ آنحضرت کے دوش مبارک پر سوار تھے۔ ایک شخص کہنے لگا اے لڑکے کیا اچھی سواری ہے۔ حضور صلعم نے فرمایا۔ ونعم الراکب ھو یعنی اور یہ سوار کیسا اچھا ہے۔ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا کہ من احبنی واحب ھذین وابا ھما وامھما کان معی فی درجتی یوم القیمۃ۔ یعنی جو شخص مجھے اور حسنین اور ان کے والدین کو دوست رکھتا ہے وہ بروز قیامت میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا۔

جناب امام حسن حلیم وکریم صاحب وقار وصاحب حشمت وجود اور ممدوح خلائق سردار تھے (صواعق محرقہ) آپ کی بخشش وجود وبذل اور دیگر فضائل کی تفصیلات معتبر کتب میں درج ہیں۔ اسی طرح آپ کی کرامات بھی اخبار وسیر کی کتابوں میں بتفصیل درج ہیں لاحظہ ہوں۔ (شواہد النبوۃ) وغیرہ۔

بعقیدہ اہل سنت جناب امام حسنؑ حسب ارشاد رسول صلعم آخری خلیفہ راشد وبرحق ہیں اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد اہل کوفہ کی بیعت سے والی امر خلافت ہوئے چھ مہینے اور چند روز خلافت کی۔ آپ خلیفہ برحق۔ وامام اصدق واعدل تھے جیسا کہ ان کے پدر بزرگوار نے فرمایا ہے۔ ھو الصادق المصداق لقولہ۔ حدیث شریف میں ہے۔ خلافۃ من بعدی ثلثون سنۃً۔ یعنی خلافت میرے بعد تیس برس رہے گی پس چونکہ آپ کی خلافت کے چھ مہینے ملا کر تیس سال کی مدت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس لیے آپ کی مدت خلافت منصوص علیہ ہے

اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور اس کی حقیقت اور واقعیت میں کوئی شک نہیں ہے (صواعق محرقہ) (بدانکہ شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہ اعلام امت فرمودہ اند کہ امام حسنؑ خوف کرد کہ من در بادشاہاں داخل شوم و بنا بران خلافت ترک فرمود۔ زیرا کہ در حدیث آمدہ است کہ خلافت بعد از من سی سال است و بعد از ان سلطنت است۔ روایت کرد این حدیث احمد و ترمذی و ابوداؤد و تصحیح کرد این حدیث را ابن حبان و سی سال در ربیع الاول تمام شدہ بود۔ (سعادۃ الکونین صفحہ ۲۶)۔

وفات شریف آپ کی زہر قاتل کے اثرات سے واقع ہوی زہر دینے والوں کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ مگر زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث نے یزید کے اغواسے آپ کو زہر دیا تھا۔ وفات شریف علی اختلاف الروایات ۴۹ھ یا ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ہوی مشہور ہے کہ سینتالیس سال کی عمر ہوی ابتدائی سات سال عمر شریف کے جناب رسول کریم کے سایہ عاطفت میں بسر ہوے۔ تیس سال آپ نے پدر بزرگوار جناب علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ گذارے۔ چھ مہینے خلافت کی اور بعد خلع خلافت ساڑھے نو سال مدینہ میں اقامت فرمائی (صواعق محرقہ)۔

آنجناب علیہ السلام کے تفصیلی حالات و فضائل کے لیے کتب اخبار و سیر کے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت ہے۔ یہاں نہایت اختصار سے یہ حالات لکھے گئے ہیں۔ اولاد مبارک کی تعداد میں اختلاف ہے۔ لیکن چار فرزندان نامدار یعنے زید و حسن۔ و عمرو عبداللہ کے وجود پر سب کو اتفاق ہے دیگر اولاد کے متعلق اور بکثرت روایات ہیں۔ اور تعداد فرزندان بیس تک بیان کی جاتی ہیں۔

امروز کہ اولاد حسن رضی اللہ عنہ از ایشان برزمیں است باتفاق از زید و حسن

است (سعادۃ الکونین)

اسی طرح آنجناب کی اولاد و دختری کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام

ولادت باسعادت آنجناب کی بہ ماہ شعبان ۴ھ کو بروز سہ شنبہ مدینہ منورہ میں بطن مطہرہ جناب فاطمہؑ سے ہوئی (اعمال فی اسماء رجال)۔ یہ بھی روایت ہے کہ بجائے معمولی مدت حمل کے جناب کی ولادت چھ ماہ مدت حمل کے ختم پر ہوئی اور یہی مدت حمل جناب یحییٰؑ کی بھی بیان کی جاتی ہے۔ جناب امام حسنؑ سے آپ صرف سات ماہ بیس یوم چھوٹے تھے آپ کی ولادت باسعادت کی خبر سنتے ہی جناب رسول صلعم نے سجدۂ شکر ادا کیا اور جناب فاطمہؑ کی قیامگاہ پر تشریف لائے۔ اور آنجناب کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جناب علیؑ سے آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس بچہ کا کیا نام تجویز کیا ہے جواب دیا کہ میں اس کا نام حرب رکھنے والا تھا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضور صلعم کو القا ہوا کہ اس بچے کا نام حضرت ہارونؑ کے چھوٹے بیٹے کے نام پر حسین یا شبیر رکھا جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔ اور آپ دنیا کے تمام باخبر اشخاص میں آپ کا یہی نام نامی متعارف ہے۔ جس طرح جناب امام حسنؑ میں سینے سے اوپر کے حصے میں آنحضرت صلعم کی زیادہ شباہت تھی اسی طرح حصہ زیریں بدن میں آنحضرت صلعم کی شباہت جناب حسین علیہ السلام میں تھی۔

پایا کسی نبی نے خدا سے نہ آج تک — جس شان کا تھا جسم مرصع رسول کا
آثار کچھ حسنؑ کو ملے کچھ حسینؑ کو — یوں کھچ گیا اِک اور مرقع رسول کا

فضائل و مناقب

جناب امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب بے حد و بے قیاس ہیں چنانچہ کتب سیر و تاریخ آپ کے فضائل سے بھری پڑی ہیں آپ کی فضیلت مسلم کیوں نہ ہو کہ آپ میں جناب رسول کریمؐ ہی کا تو خون تھا۔ آپ کو سیادت مطلقہ بارگاہ ایزدی سے عنایت ہوئی تھی۔ جناب رسولؐ خدا آپ سے بیحد محبت فرماتے تھے۔ چنانچہ ذیل کی روایتوں سے آپ کی محبت کا کچھ حال معلوم ہوگا۔

ترمذی میں بروایت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں خدا اس کو دوست رکھتا ہے جو حسین کا دوست ہے۔ حضور اکرم اس شخص کو بیحد پسند فرماتے تھے جو جناب حسین علیہ السلام سے محبت کرتا تھا۔ چنانچہ ایک روز رسول کریم مدینہ کی کسی گلی سے گذر رہے تھے۔ وہاں چھوٹے چھوٹے بچے کھیل کود میں مصروف تھے آپ نے ایک لڑکے کو گود میں اٹھالیا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اصحاب میں سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ حضور یہ کس کا لڑکا ہے جس سے آپ اس قدر محبت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن میرے حسین کے ساتھ کھیل رہا تھا میں نے دیکھا کہ اس نے پاؤں کی خاک اٹھا کر اپنی آنکھوں سے ملی پس اس دن سے میں بھی اسے محبت کی نگاہوں سے دیکھنے لگا ہوں۔ اور انشاء اللہ قیامت کے دن اس کا اور اس کے ماں باپ کا شفیع ہوں گا۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ و ابن حبان و حاکم سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ میں لڑونگا اس سے جو لڑیگا۔ فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ سے اور صلح کروں گا۔ اس سے جو صلح کرے گا ان سے۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک روز جناب رسول کریم صبح کے وقت باہر حصہ صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ایک کمبل سیاہ بوٹہ دار جس میں کجاوہ شتر کی شکل بنی ہوئی تھی۔ آپ کے جسم پر تھا۔ اتنے میں جناب امام حسنؑ آئے آپ نے انھیں اسی کمبل میں لے لیا اتنے میں جناب امام حسین علیہ السلام آئے آپ نے ان کو بھی وہ کمبل اڑھالیا۔ پھر حضرت فاطمہؑ آئیں انھیں بھی وہی کمبل اڑھا دیا۔ سب کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ آئے تو آپ نے انھیں بھی اسی کمبل میں جگہ دی اور آیہ تطہیر پڑھی۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

ابن عبداللہ سے روایت ہے اور امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول کریم صلعم نے کہ آیا میرے پاس آسمان سے ایک فرشتہ جو اس سے قبل کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے سلام کیا اور خوشخبری دی کہ بتحقیق حسنؑ اور حسینؑ نوجوانان بہشت کے سردار ہیں۔

احمدؒ اور ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ اور ابن داؤد و نسائی متفق الروایت ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں سامنے سے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ تشریف لائے۔ کم عمری کی وجہ سے دونوں صاحبزادوں کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے آپ نے دیکھا اور خیال کیا کہ کہیں گر نہ پڑیں۔ پس بے اختیار خطبہ چھوڑ کر ان کی طرف دوڑے اور کمال محبت اور پیار کے ساتھ دونوں صاحبزادوں کو گود میں

اٹھا لائے۔

اسی طرح ایک روز جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے تھے اور سجدہ میں تھے کہ جناب امام حسین علیہ السلام دوڑے دوڑے آئے اور پشت مبارک پر سوار ہو گئے۔ آپ کو خیال ہوا کہ اگر سجدہ سے سر اٹھاؤنگا تو حسین علیہ السلام گر پڑیں گے ان کو چوٹ لگ جائے گی۔ یہ سوچ کر آپ سجدہ ہی میں پڑے رہے حتیٰ کہ جناب امام خود پشت مبارک سے علیحدہ ہو گئے (سیرۃ الحسین)۔

۶۱ھ میں کربلا کا وہ حادثہ پیش آیا جو تاریخ عالم میں خونین الفاظ میں تحریر ہے اور ہر سال دسویں محرم کو نہ صرف مسلمان بلکہ بعض دیگر اقوام بھی کسی نہ کسی طرح اس کی یادگار مناتی ہیں۔ خداوند عالم کو یہ منظور ہے کہ قربانگاہ کربلا میں جن نیک بندوں نے خدا کی راہ میں سر کٹائے اور جن ظالموں نے ان کو بے دریغ قتل کیا ان کی یاد دلوں سے محو نہ ہو جائے ہم اپنے اس مختصر مضمون میں اس حادثہ عظیم کے حالات تفصیل تو کیا لکھ سکتے ہیں مگر اجمالاً ان کا ذکر کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔

۶۰ھ میں جب یزید تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو فرمان بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو حسینؑ بن علیؑ و عبداللہ ابن زبیرؓ و عبداللہ بن عمرؓ سے میری بیعت لیجائے اور اگر بیعت قبول نہ کریں تو ان کے سر کاٹ کر دار الخلافہ میں روانہ کئے جائیں۔ (روضۃ الصفا وحبیب السیر و تاریخ اعثم کوفی وغیرہ) تعمیل فرمان یزیدی حاکم مدینہ نے جناب امام علیہ السلام سے گفتگو کی بالآخر اس گفتگو کے ختم پر مروان کے جواب میں جناب امام نے صاف طور پر فرمایا کہ یزید فاسق اور شرابی ہے۔ ومثلی لا یبایع مثلہ۔ (یعنی یہ کہ مجھ جیسا آدمی ایسے آدمی سے بیعت نہ کرے گا۔ اس جواب کی اطلاع دار الخلافہ جانے سے قبل جناب امامؑ نے مکہ کا

سفر اختیار کیا۔ آنجناب کو اچھی طرح یزید کے احکام کا علم تھا۔ اور یہ نہ چاہتے تھے کہ مدینہ پاک میں اعمال سلطنت کے ہاتھ سے قتل کر دیے جائیں۔ لہٰذا آپ آیۂ (فخرج منها خائفا یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین) پڑھتے ہوئے بلا تاخیر سرگرم سفر ہو گئے (طبری)۔

ماہ شعبان ذی الحجہ کے شروع تک مکہ معظمہ میں آپ کا قیام رہا حج کے دن آچکے تھے مگر آنجناب کو اپنی گرفتاری اور قتل کے ارادوں سے اچھی طرح آگاہی نہ تھی۔ پس نہایت عجلت کے ساتھ آنجناب نے حج کو عمرہ سے بدل کر عراق کی طرف سفر کیا ینابیع المودۃ میں تحریر ہے کہ:

وکان فیه خروج الحسینؑ من مکته الی عراق بعد ان طاف وسعی واحد من احرامه وجعل حجة عمرة مفردة لانه لم یتمکن من اتمام الحج ثلاثین رجلا من شیاطین بنی امیه وامر بقتل الحسین فی کل حال (ینابیع المودة ص ۲۸۰)

یعنی یہ کہ ایام حج میں گرفتاری اور مکہ میں فساد ہونے کے احتمال سے آنجناب نے حج کو عمرہ سے بدل فرمایا اور اسی روز مکہ سے عراق کی طرف سے روانہ ہو گئے۔ کیونکہ حاجیوں کی جماعت کے ہمراہ تیس شیاطین بنی امیہ یزید نے اس غرض سے بھیجے تھے کہ بہر حال حسینؑ کو قتل کر دیں۔ عراق پہنچنے پر جو صورت درپیش ہوئی آج تک اہل عالم کی آنکھیں اس سانحہ عظیم پر اشک بہا رہی ہیں۔ یہ وہی واقعہ ہے جو تاریخ عالم میں حادثہ فاجعہ کربلا کے نام سے خونین حروف میں درج ہے۔ جس میں بے وفا کوفیوں اور تیرہ دل شامیوں نے ابن رسول اللہ اور ان کے اعوان و انصار کو غایت ظلم و سفاکی سے بھوکا پیاسا تہ تیغ کیا۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

آنجناب علیہ السلام جب روانہ ہونے لگے تو آپ کے بعض ہمدردوں نے آپ کو

عزم عراق سے باز رکھنا چاہا اور سمجھایا کہ کوفیوں سے امید وفا رکھنا غلطی ہے۔ اور خصوصاً جناب ابن عباسؓ نے زیادہ منع کیا۔ مگر آنجناب کو اچھی طرح علم ہو لیا تھا کہ دشمن درپئے قتل ہے۔ پس آپ نے اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنے اور عزت کی شہادت حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا، اور مکہ میں گرفتار ہو کر گمنامی اور ذلت میں پڑ کر مارے جانے کو پسند نہ فرمایا سچ فرمایا ہے عارف رومیؒ نے ؎

خون شہیدان را دآب اولی تر است　　و این خطا از صد صواب اولی تر است

تہذیب التہذیب کے حوالہ سے سعادۃ الکونین میں لکھا ہے:

ابن عباسؓ مخالفت کرد چنانکہ معلوم شد پس امام حسین علیہ السلام گفت کہ اے ابن عباسؓ پیر شدہ کہ سخن عزف می گوئی مرا قتل شدن بجائے دیگر بہتر است۔ ازان کہ در مکہ کشتہ شوم۔ و حرمت مکہ من حلال شود۔

وہ کونسی تاریخ اسلام کی کتاب ہے جس میں غایت افسوس و حزن کے ساتھ واقعات معرکۂ کربلا درج نہ کئے گئے ہوں اس کے علاوہ ہزارہا وہ کتابیں ہیں جو اکابر مصنفین نے مختلف زمانوں میں خاص اس واقعہ کی تفصیلات میں لکھی ہیں۔ اور اب تک برابر نظم و نثر میں یہ واقعات تحریر ہوتے چلے آرہے ہیں۔ دراصل یہ واقعہ ہی اس قدر ہوش ربا و جاں گسل ہے کہ بڑے بڑے آزاد مورخین کی تحریر سے خواہ مخواہ بھی ہر پڑھنے والے کے دل میں جوش عقیدت سے توازن واقعات تاریخی کا قائم رکھنا از بس مشکل ہو جاتا ہے۔ دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ واقعہ کربلا کو تحریراً و تقریراً و قولاً و فعلاً جس قدر دہرایا گیا ہے اس قدر کسی دوسرے واقعہ کو تاریخ عالم میں اب تک نہیں دہرایا گیا اور شائد (نہیں بلکہ یقیناً) یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سراج الشہادتین میں فرماتے

[illegible] وحزن اور اس کا تذکرہ قیامت تک اس امت
[illegible] اخبار مورخ علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی مشہور
[illegible] ان واقعات کو [illegible] نقل کرتے ہیں یہ سب وہ واقعات ہیں جو مسلمات
تاریخ و اخبار اور جو متصل کئے ہوئے ہیں۔ اور تمام معتبر کتب تواریخ و سیر میں درج ہوتے
چلے آرہے ہیں۔ اکابر مورخین کے نزدیک ان کی صحت کے باور کرنے میں کسی قسم کے شک
وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جب صبح ہوئی تو شمر ذی الجوشن اور عمرو بن سعد صفوف لشکر کو آراستہ کرکے میدان
میں آئے حضرت امام حسینؑ نے بھی اپنے ہمراہیوں کو مناسب ہدایات کے ساتھ تعین
کیا۔ شمر ذی الجوشن نے عبداللہ۔ جعفر۔ عثمان۔ عباس کو میدان میں بلا کر کہا کہ تم کو امیر
ابن زیاد نے امان دیدی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابن زیاد کی امان سے خدا کی امان
بہتر ہے۔ شمر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا بعض روایات کے موافق آپ کے ہمراہ اس
وقت جب کہ لڑائی۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ کی صبح کو شروع ہوئی۔

بہتر آدمی موجود تھے بعض روایات کے موافق ایک سو چالیس اور بعض کے موافق
دو سو چالیس تھے۔ بہرحال اگر بڑی سے بڑی تعداد یعنے دو سو چالیس بھی تسلیم کرلیں
تو دشمنوں کی ہزارہا جرار فوج کے مقابلہ میں امام حسینؑ کے ساتھی کوئی حقیقت نہ
نہ رکھتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام اپنے ہمراہیوں کو مناسب مقامات پر کھڑا
کرکے اور ضروری ہدایتیں فرما کر اونٹ پر سوار ہوئے اور کوفی لشکر کی صفوف
کے سامنے تنہا گئے۔ ان لوگوں کو بلند آواز سے مخاطب کرکے ایک تقریر شروع
کی اور فرمایا کہ اے کوفیو! میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تقریر کوئی نتیجہ میرے لیے

اس وقت پیدا نہ کرے گی اور تم کو جو کچھ کرنا ہے تم اُس سے باز نہ آؤ گے لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی حجت تم پر پوری ہو جائے اور میرا عذر بھی ظاہر ہو جائے ابھی اسی قدر الفاظ کہنے پائے تھے کہ آپ کے خیمے سے عورتوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ان آوازوں کے سننے سے آپ کو سخت ملال ہوا اور سلسلہ کلام کو روک کر اور لاحول پڑھ کر آپ نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ مجھ سے سچ کہتے تھے کہ عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لیجاؤ۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے ان کے مشورہ پر عمل نہ کیا پھر لوٹ کر اپنے بھائی اور بیٹے کو پکار کر کہا کہ ان عورتوں کو رونے سے منع کرو اور کہو کہ اس وقت خاموش رہو کل خوب دل بھر کر رو لینا انہوں نے عورتوں کو سمجھایا۔ اور وہ آوازیں بند ہوئیں۔ حضرت حسین علیہ السلام نے پھر کوفیوں کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تقریر اس طرح شروع کی۔

لوگو تم میں سے ہر ایک شخص جو مجھ سے واقف ہے۔ اور ہر ایک وہ شخص بھی جو مجھکو نہیں جانتا اچھی طرح آگاہ ہو جائے کہ میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کا بیٹا ہوں۔ اور حضرت فاطمہؓ میری ماں اور جعفرؓ طیار میرے چچا ہیں اس فخر نسبی کے علاوہ مجھکو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ آنحضرت صلعم نے مجھکو اور میرے بھائی حسنؓ کو جوانان اہل جنت کا سردار بتایا ہے۔ اگر تم کو میری بات کا یقین نہ ہو تو ابھی تک آنحضرت صلعم کے بہت سے صحابی زندہ ہیں تم ان سے میری اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی میں نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور میں نے کسی مومن کو قتل نہ کیا نہ آزار پہنچایا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا گدھا بھی باقی ہوتا تو تمام عیسائی قیامت تک اس گدھے کی پرورش، اور نگہداشت میں مصروف رہتے

تم کیسے مسلمان اور کیسے امتی ہو کہ اپنے رسول کے نواسہ کو قتل کرنا چاہتے ہو نہ تم کو خدا کا خوف ہے اور رسول کی شرم ہے میں نے ساری عمر میں بھی کسی شخص کو کبھی قتل نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ مجھ پر کسی کا قصاص بھی نہیں۔ پھر بتاؤ کہ تم نے میرے خون کو کس طرح حلال سمجھ لیا ہے۔ میں دنیا کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر مدینہ میں آنحضرت صلعم کے قدموں میں جا پڑا تھا تم نے وہاں بھی مجھکو نہ رہنے دیا۔ پھر مکہ معظمہ کے اندر خانۂ خدا میں مصروف عبادت تھا تم کوفیوں نے مجھکو وہاں بھی چین نہ لینے دیا اور میرے پاس مسلسل خطوط بھیجے کہ ہم تم کو امامت کا حقدار سمجھتے اور تمہارے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ جب تمہارے بلانے کے موافق یہاں آیا تو اب تم مجھ سے برگشتہ ہو گئے۔ اب بھی اگر تم میری مدد کرو تو میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو قتل نہ کرو اور آزاد چھوڑ دو تاکہ میں کہ یا مدینے میں جا کر مصروف عبادت ہو جاؤں اور خدا تعالیٰ خود اس جہان میں فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ظالم تھا۔

اس تقریر کو سن کر سب خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ :۔

"خدا کا شکر ہے میں نے تم پر حجت پوری کر دی اور تم کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے"

پھر آپ نے ایک ایک کا نام لیکر آواز دی کہ اے شیث بن ربعی۔ اے حجاج بن الحسن۔ اے قیس بن الاشعث۔ اے حر بن یزید تمیمی۔ اے فلان و فلاں کیا تم نے مجھکو خطوط نہیں لکھے تھے۔ اور مجھکو باصرار نہیں بلوایا تھا۔ اور اب جب کہ میں آیا ہوں تو مجھکو قتل کرنے پر آمادہ ہو۔ یہ سن کر ان سب لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا اور نہ آپ کو بلایا۔ حضرت امام حسینؓ نے وہ خطوط نکالے اور الگ الگ پڑھ کر سنائے

کہ یہ تمہارے خطوط ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خواہ ہم نے یہ خطوط بھیجے یا نہیں بھیجے مگر اب ہم علی الاعلان آپ سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ سن کر امام حسینؓ علیہ السلام اونٹ سے اترے اور گھوڑے پر سوار ہو کر لڑائی کے لئے مستعد ہو گئے کوفی لشکر سے اول ایک شخص میدان میں مقابلہ کی غرض سے نکلا مگر اس کا گھوڑا ایسا بدکا کہ وہ گھوڑے سے گرا اور گر کر مر گیا۔ اس کیفیت کو دیکھکر حر بن یزید تمیمی اس انداز سے جیسے کوئی حملہ آور ہوتا ہے اپنی ڈھال سامنے کر کے اور گھوڑا دوڑا کر امام حسینؓ کے پاس آیا اور ڈھال پھینک دی حضرت حسین نے پوچھا تو کس لئے آیا ہے اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جس نے آپ کو ہر طرف سے گھیر کر اور روک کر واپس جانے نہ دیا اور اس میدان میں قیام کرنے پر مجبور کیا میں اپنی اس خطا کی تلافی میں اب آپ کی طرف سے کوفیوں سے مقابلہ کروں گا۔ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں امام حسینؓ نے اس کو دعا دی اور بہت خوش ہوئے۔ شمر ذی الجوشن نے سعد سے کہا کہ اب دیر کیوں کر رہے ہو۔ عمرو سعد نے فوراً ایک تیر کمان جوڑ کر حضرت حسین علیہ السلام کی طرف پھینکا۔ اور کہا کہ تم گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔

اس کے بعد کوفیوں کے لشکر سے دو آدمی نکلے۔ امام حسین کی طرف سے ایک بہادر نے مقابلہ پر جا کر دونوں کو قتل کر دیا پھر اس طرح لڑائی کا سلسلہ جاری ہوا دیر تک مبارزہ کی لڑائی ہوتی رہی۔ اور اس میں کوفیوں کے زیادہ آدمی مارے گئے پھر اس کے بعد امام حسینؓ کی طرف سے ایک ایک آدمی نے کوفیوں کی صفوں پر حملہ کرنا شروع کیا۔ اس طرح بہت سے کوفیوں کا نقصان ہوا۔ حضرت امام حسینؓ کے ہمراہیوں نے آل ابی طالب کو اس وقت تک میدان میں نہ نکلنے دیا جب تک کہ وہ ایک ایک

کرکے سب کے سب نہ مارے گئے۔ آخر میں مسلم بن عقیل کے بیٹوں نے آل علی پر سبقت کی
ان کے بعد حضرت امام حسینؑ کے بیٹے علی اکبرؑ نے دشمنوں پر رستمانہ حملے کئے اور بہت سے
دشمنوں کو ہلاک کرنے کے بعد خود بھی شہید ہو گئے ان کے قتل ہونے کے بعد امام حسینؑ
سے ضبط نہ ہو سکا اور آپ رونے لگے پھر آپ کے بھائی عبداللہ و محمد و جعفر و عثمان
نے دشمنوں پر حملہ کیا اور بہت سے دشمنوں کو مار کر خود بھی ایک ہی جگہ ڈھیر ہو گئے۔
آخر امام حسنؑ کے ایک نو عمر بیٹے محمد قاسم نے حملہ کیا اور وہ بھی مارے گئے غرض کہ امام
حسینؑ کے لیے کربلا میں اپنی شہادت اور دوسری تمام مصیبتوں سے بڑھ کر مصیبت و
محنت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو شہید ہوتے
ہوئے اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ان روح فرسا نظاروں کا تماشا دیکھتے ہوئے
دیکھا امام حسین علیہ السلام کے ہمراہیوں اور خاندان والوں نے ایک طرف اپنی وفاداری
کے نمونے دکھائے تو دوسری طرف وفاداری و جان نثاری کی بھی انتہائی شانیں
پیش کر دیں۔ کسی شخص نے کمزوری و بزدلی کا اظہار کیا نہ بیوفائی و تن آسانی کا الزام
اپنے اوپر لیا حضرت امام حسین علیہ السلام سب سے آخر تنہا رہ گئے تھے خیمہ میں عورتوں
کے سوا صرف علی اوسط معروف بہ زین العابدینؑ جو بیمار اور چھوٹے بچے تھے باقی رہ
گئے تھے۔ عبداللہ بن زیاد ظالم نے یہ بھی حکم بھیجا تھا کہ امام حسینؑ کا سر مبارک کاٹ کر
ان کی لاش گھوڑوں سے یہاں تک پامال کرا دی جائے کہ ہر ایک عضو ٹوٹ جائے
حضرت امام حسینؑ نے تنہا رہ جانے کے بعد جس بہادری اور جواں مردی کے ساتھ
دشمنوں پر حملے کئے ہیں ان حملوں کی شان دیکھنے والا ان کے ہمراہیوں میں سے کوئی
نہ تھا مگر عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ

ہم نے آج تک ایسا بہادر و جری انسان نہیں دیکھا۔ اس غم کی داستان اور رقت کو مضمحل کر دینے والی کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسم پر پینتالیس زخم تلوار اور نیزے کے اور پینتیس زخم تیر کے تھے مگر آپ برابر دشمنوں کا مقابلہ کئے جا رہے تھے۔ ایک دوسری روایت کے موافق ۳۳ زخم نیزے کے اور ۳۴ زخم تلوار کے تھے اور تیروں کے زخم ان کے علاوہ تھے۔ شروع میں آپ گھوڑے پر سوار ہو کر حملہ آور ہوتے رہے تھے لیکن جب گھوڑا مارا گیا تو پھر پیدل لڑنے لگے۔ دشمنوں میں کوئی شخص بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ امام حسینؑ میرے ہاتھ سے شہید ہوں بلکہ ہر شخص آپ کے مقابلہ سے بچتا اور طرح دیتا تھا۔ آخر شمر ذی الجوشن نے چھ شخصوں کو ہمراہ لے کر آپ پر حملہ کیا ان میں سے ایک نے شمشیر کا ایسا وار کیا کہ امام حسین علیہ السلام کا بایاں ہاتھ کٹ کر الگ گر پڑا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس پر جوابی وار کرنا چاہا لیکن آپ کا داہنا ہاتھ بھی اسی قدر مجروح ہو چکا تھا کہ تلوار نہ اٹھا سکے پیچھے سے سنان بن انس نخعی نے آپ کو نیزہ مارا جو شکم سے پار پار ہو گیا۔ آپ نیزے کا یہ زخم کھا کر گرے اس نے نیزہ کھینچا اور ساتھ ہی آپ کی روح بھی کھچ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے بعد شمر نے یا شمر کے حکم سے کسی دوسرے شخص نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر جسم سے جدا کر دیا اور عبید اللہ بن زیاد کی حکم کی تعمیل کے لیے ۱۲ سوار متعین کئے گئے انہوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے آپ کے جسد مبارک کو خوب کچلوایا پھر خیمہ کو لوٹا۔ آپ کے اہل بیت کو گرفتار کیا زین العابدینؑ جو لڑکے تھے شمر ذی الجوشن کی نگرانی میں تھے اس نے ان کو قتل کرنا چاہا مگر عمرو بن سعد نے اس کو اس حرکت سے باز رکھا۔

حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک اور آپ کے اہل بیت کو فہ میں ابن زیاد کے پاس بھیجے گئے۔ کوفہ میں ان کو تشہیر کیا گیا۔ ابن زیاد نے دربار کیا اور ایک طشت میں رکھ کر امام حسینؓ کا سر اس کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے اس سر کو دیکھ کر گستاخانہ کلمات کئے۔ پھر تیسرے روز شمر ذی الجوشن کو ایک دستہ فوج دے کر اس کی نگرانی میں یہ قیدی اور سر مبارک یزید کے پاس دمشق کی جانب روانہ کیا (تاریخ اسلام اکبر خانی)

اس حادثہ فاجعہ عظیمہ کی یاد اس وقت تک مسلمانوں کے دلوں میں تازہ ہے اور قیامت تک تازہ رہے گی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی سر الشہادتین میں تحریر فرماتے ہیں (ذکر حسینؓ اس لئے ہے کہ مطلع ہوں حاضر و غائب اس کے وقوع پر بلکہ بکاؤ حزن دوامی کے بقا کے لیے ہے اور ذکر کرنا ان وقائع ھائلہ کا امت رسول میں روز قیامت تک رہے گا۔ اس کی انتہائی شہرت ملاء اعلیٰ و اسفل و غائب و حاضر و جن و انس و ناطق و صامت سب تک پہنچ گئی ہے (ترجمہ)۔

اگر وہ تمام آنسو جو غم حسینؓ میں اب تک بہائے گئے ہیں یک جا جمع کئے جائیں تو یقین ہے کہ سیلاب عظیم کا نقشہ آنکھوں میں سما جائے گا۔ اگر وہ سب آہیں اور نالے جو غم حسینؓ میں نکالے گئے ہیں یکجا کر دیئے جائیں تو یقین ہے کہ نفخ صور قیامت کا سماں بندھ جائے گا وہ کونسی مجلس حال و قال کی ہوئی ہے جو جناب سید الشہداء کے اسوۂ حسنہ کے ذکر سے خالی رہی ہو اور وہ کونسا بدقسمت شقی القلب انسان اور مسلمان ہے جس نے اس مظلومی کی داستان سن کر کم از کم دو چار بار اپنی زندگی میں آنسو نہ بہائے ہوں ؎

زین مصیبت داغہا بر سینۂ سوزان ماست　　زین عزا صد شعلۂ غم در دل بریان ماست

(عطار رح)

حضرت امام احمد حنبلؒ اپنی مسند میں تحریر فرماتے ہیں :-

ان من دفعت عینا ہ دفعتہ علی الحسین وقطرت بواہ اللہ تعالیٰ فی الجنۃ۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جس روز امام حسینؓ شہید ہوے اسی رات میں نے جناب رسولؐ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں وہ خون جمع کرتے جاتے ہیں میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ یہ کیا ہے فرمایا کہ یہ حسینؓ اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے میں اسے خدا کے سامنے پیش کروں گا۔ ابن عباسؓ نے صبح کو لوگوں کو امام حسینؓ کی شہادت کی خبر دی اور اپنا یہ خواب بیان کیا جو بعد تحقیق صحیح ثابت ہوا (تاریخ کامل ابن اثیر)۔

یہ بالکل سچ ہے کہ اکابر علما و جمہور مسلمین نے بے حد ہمدردی جناب امام علیہ السلام اور ان کے اعوان و انصار و جملہ شہدا و پسماندگان واقعہ کربلا کے ساتھ ظاہر کی ہے اور مسلمانوں کا سواد اعظم یہی مانتا آیا ہے کہ امام مظلوم نے جو کچھ کیا وہ برحق کیا اور ایسا ہی کرنا چاہیے تھا حتیٰ کہ آنجناب کی شہادت سے بارگاہ ایزدی میں توسل کرنا قدیم سے اہل اسلام کا شعار چلا آتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایک قلیل جماعت ناصبیون اور ان لوگوں کی موجود رہی ہے جن کا شعار جناب امام ہمام کے اعمال حسنہ پر نکتہ چینی اور جہاں تک ممکن ہو سکے اعمال یزید کی طرف داری ہے اور وہ کونسی گراں پایہ ہستی دنیا میں ہوی ہے جس پر نکتہ چینوں نے تہمتیں نہ تراشی ہوں حتیٰ کہ حضور سرور کائنات صلعم کی پاک سیرۃ پر مخالفوں اور نکتہ چینوں نے کیا کسر اٹھا رکھی ہے۔ جناب امام ہمام علیہ السلام بھی تو آخر آنحضرت صلعم ہی کے نواسے ہیں اگر ابن عربی مالکی نے (ان الحسین قتل بسیف جدہ) لکھدیا تو کیا تعجب ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ حسینؓ اپنے جد کی تلوار سے قتل کئے گئے بالفاظ دیگر امام حسین نے حاکم وقت کے مقابل بغاوت کی اور ان کو بحکم شریعت رسول قتل کیا گیا۔ اور جو سزا باغی کی مقرر ہے وہ (نعوذ باللہ) باغی امام حسین کو دی گئی۔ اس کا اصلی اور حقیقی جواب تو ابن مالکی کو داور حشر کی عدالت میں ملیگا

جب خود جناب رسول کریم اور ان کے جگر پارہ جناب سیدہ کی جانب سے اس خون ناحق کا استغاثہ پیش کیا جائیگا اور یزید اور اس کے جملہ اعوان و انصار و حامی و ہم خیال عقوبت میں گرفتار ہوں گے مگر یہاں اس دار فانی میں بھی علماء راسخین و مورخین صادقین نے ابن عربی مالکی کا جواب لکھنے اور یزید کے اعمال ظلم و جور کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے مشہور مورخ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مشہور مقدمہ میں لکھتے ہیں :-

ابن العربی مالکی نے اس مسئلہ میں سخت غلطی کی ہے کہ اپنی کتاب العواصم والقواصم میں لکھ گیا کہ حضرت امام حسینؓ علیہ السلام اپنے نانا کی شریعت پر قتل کئے گئے قاضی نے اس پر غلطی کی کہ اسے معلوم نہ تھا کہ باغیوں سے لڑنے کے لیے امام عادل کا ہونا شرط ہے اور حضرت امام حسینؓ سے زیادہ آپ کے زمانے میں امامت و عدالت کے بارے میں کونسا شخص احق تھا پھر محض ایک فاسق و فاجر (یزید) کی رائے سے آپ کے قتل ہونے کو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ شریعت محمدیؐ پر آپ قتل کئے گئے حضرت امام کے قتل کی بابت یہ خیال کرنا کہ آپ جائز اجتہادی حکم سے قتل ہوئے سخت غلطی ہے (مقدمہ ابن خلدون جلد دوم)۔

اسی طرح سید الوسی بغدادی اپنی مشہور تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:-

(ترجمہ)۔ "ابن عربی مالکی نے اس پر خدا کی طرف سے وہ نازل ہو۔ جس کا وہ مستوجب ہے سخت افترا اور بہتان کیا ہے جو اس نے یہ خیال کیا کہ حسینؓ اپنے جد کی تلوار سے قتل کئے گئے اور بعض جہلا اس کے ہم خیال ہیں لیکن یہ بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور محض دروغ بے فروغ ہے"۔

اسی طرح دیگر علمائے کرام و صوفیائے عظام نے ہر زمانہ اور ہر زمین میں قولاً و فعلاً

سراً وعلانیۃً ان خیالات واعتراضات واہیہ کی تردید ہمیشہ کی ہے فدائیان رسول اللہ صلعم سے یہ بات نہایت درجہ بعید ہے کہ وہ رسول اللہ کے بیٹے کے قاتل سے کسی طرح بھی تولا جائز رکھیں یزید علیہ ما علیہ کی سیرۃ کا حال نہایت قدیم مورخ مسعودی نے مروج الذہب میں مختصر مگر جامع بیان کر دیا ہے۔ لکھتا ہے :۔

ولیزید وغیرہ اخبار معجبۃ ومثالب کثیرۃ من شرب الخمر وقتل ابن الرسول ولعن الوصی وھدم البیت واحراقہ وسفک الدماء والفسق والفجور وغیر ذالک مما قد ورد فیہ الوعید بالیاس من غفرانہ کورودہ فی من جحد توحیدہ وخالف رسلہ (مروج الذہب)۔

صاحب اتحاف تحریر فرماتے ہیں :۔

لا شک ان یزید بن معاویہ ھو قاتل الحسینؓ لانہ الذی ندب عبید اللہ بن زیاد لقتل الحسینؓ (اتحاف لحب الاشراف صـ۶۶)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :۔

انہ کفر لما امر بقتل الحسینؓ (شرح عقاید نسفی)۔

نیز اسی مشہور ومقبول کتاب میں تحریر ہے :۔

والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؓ وتبشارہ بذالک واھانتہ اھلبیت النبی مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا۔

علامہ عبدالحی فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں :۔

بعضے گویند کہ قتل امام حسینؓ گناہ کبیرہ است نہ کفر ولعنت مخصوص است بکفار

لازم بر فطانت ایشاں۔ نداند کہ کفر یک طرف خود ایذاے جناب رسول الثقلین چہ ثمرہ دارد۔"

وقال اللہ تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ (شہادت حسین)۔

الغرض جناب حسین علیہ السلام کی بے گناہی اور حق پژوہی اور آنجناب کے قاتلین و مخالفین کے کفر و مظالم پر اگر لکھا جائے تو دفتر بھی کافی نہیں ہو سکتا۔ ہماری یہ مختصر کتاب ان تمام مباحث کی کس طرح حامل ہو سکتی ہے۔ عالم اسلام کے در و دیوار بلکہ شش جہت اس امر کے گواہ ہیں کہ حسین مظلوم ہیں اور یزید اور اس کے جملہ متبعین و اعوان و انصار ظالم اور امت محمدی میں ان کی ہستیاں غایت درجہ مبغوض و مردود ہیں حتیٰ کہ یزید کا نام بدکاری اور ظلم و ستم کے لیے ضرب المثل ہے حضرت شیخ سعدی شیرازی تحریر فرماتے ہیں:۔

عالمان در زمان معزولی ۔۔۔ ہمہ شبلی و بایزید شوند

باز چوں بر سر عمل آیند ۔۔۔ ثمر وی الجوشن و یزید شوند

اگر ہمارے اس بیان کی صداقت میں کسی کو ادنیٰ شبہہ بھی ہو تو اسے چاہیے کہ اپنا نام بدل کر یا اپنی اولاد کا نام یزید رکھکر دیکھ لے۔ بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ یہ نام کس قدر عزیز و محبوب ہے۔ یا مبغوض و مردود۔ اس سے زیادہ کونسی زندہ شہادت اس نام کے ذلیل و خوار ہونے کی ہو سکتی ہے۔ ہر شخص جس طرح ابلیس و شیطان نام رکھنے میں کراہت کرتا ہے اسی طرح قاتل حسینؑ کا نام رکھنے میں بھی ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو بالطبع کراہت ہوتی ہے۔ اب دنیائے اسلام میں بدترین ناموں میں سے ایک نام یزید بھی ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ جس طرح فرعون اور اس کے نام سے مسلمان بیزار ہیں اسی طرح یزید کی ذات بھی ہے

بلکہ بقول مسعودی یزید فرعون سے بھی بدتر ہے (وسیرہ وسیرۃ فرعون بل کان فرعون اعدل منہ (مروج الذہب جلد ۳ ص ۴۲)

علامہ سیوطی اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ خلیفہ اموی کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المومنین کہہ کر یاد کیا تو آپ نے اس کی پاداش میں اس شخص کے بیس کوڑے لگوائے (تاریخ الخلفا) شارح عقاید نسفیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

فمن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ۔

ملک العلما دولت آبادی تحریر فرماتے ہیں:۔

الامۃ اجتمعت والائمۃ اتفقت علی الکفر واللعن قاتل الحسینؓ

(مناقب السادات)

صاحب تفسیر روح المعانی تحریر فرماتے ہیں:۔

فلعنۃ عز وجل علیہم اجمعین وعلی انصارہم وعلی اعوانہم وشیعتہم ومن مال علیہم الی یوم الدین ما دمعت عین ابی طالب عبد اللہ الحسینؓ۔

الغرض یزید کے مبغوض ومردود ہونے کے ثبوت میں ہم کہاں تک منقولات تحریر کر سکتے ہیں اگر ایک ابن عربی مالکی نہیں ہزار ابن عربی مالکی یزید کے ہاتھ میں قتل حسینؓ کے لیے رسول اللہ کی تلوار دلانا چاہیں تو اس تلوار کا وار پلٹ کر خود یزید پر ہی پڑتا ہے اور اس کے بعد یزید کے ہواخواہوں اور ثناخوانوں پر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جوانان جنت کا سردار رسول اللہ کے حکم اور رسول کی تلوار سے قتل ہو حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ خدا دوست رکھے اس کو جو حسینؓ کو دوست رکھتا ہے

ابخاری و ترمذی وصواعق محرقه)۔

و در قصص بخاری میگوید دراں ساعت کہ سر مبارک حسینؓ را پیش یزید آوردند یزید شاد شد و خمر خورد و از سر مبارک انواع اہانت میکرد۔ چوں خبر بہ بعضے صحابہ رسول خدا رسید گریاں بیامدند و گفتند کہ اے ملعون چہ میکنی ایشاں را گردن زد پس یعنی گویند ہفت تن از صحابہ بودند و در عزرالیہ میگوید کہ از امام شعبی روایت است کہ بعد قتل حسینؓ فرزندان و شکوہ وی را یزید بعین ورد شق بگردانید و در مناہج میگوید کہ قران را ہدف ساختہ بود و در تہذیب الکاملہ میگوید یزید در دہن مبارک حسینؓ مینزد و انواع اہانت کرد درین کتاب و در قصص سلوبہ میگوید یزید بعین سر مبارک حسینؓ را انواع اہانت کرد و در مدینہ نامہ فرستاد کہ سر امیر امام حسین برابر نامہ روان وارید و بعد قتل امام حسینؓ لشکر را بتخریب مدینہ فرستاد مدینہ غارت نبود و پانصد کس از صحابہ شہید شدند و مدینہ و خانہ مصطفی را تا سہ روز غارت کردند و اسباب ام المومنین ام سلمہ غارت کردند و حرم رسول خدا کہ با آن روز زندہ بودند بطریق بردہ ہا گرفت و در مشکوٰۃ میگوید کہ سر مبارک حسینؓ بن علیؓ را رنگ کردہ آوردند بزنگ وسمہ و نیل۔ و در صحیح بخاری و مسلم است کہ راوی میگوید کہ آن شب سر مبارک حسینؓ بیاوردند و در طشت رنگ کردہ بودند و بر بینی مبارکش بنوک نیزہ می زدند و بطریق بے حرمتی و استہزا سخن میگفتند و در اہانت کردن سر مبارک از یزید روایات بسیار واقع است و دریں جا بسبب اختصار مذکور نشد۔ ہکذا در مناقب السادات حاصل آنکہ چون یزید قتل حسینؓ و تخریب مدینہ منورہ و اہانت اہل بیت و حرم رسول خدا و گستاخی از کعبۃ اللہ و شہادت صحابہ انبیا نمود

زنا ولواطت وشرب خمر ودیگر معاصی مباح گردانید باقطع وے کافر باشد پس لعن بروے جائز است۔ کذا مذہب اہل السنۃ وبعضے از اعلام دین کہ منع نمودہ اند نظر برآں کہ از لعن گفتن چہ حاصل آنقدر کلمات خیر مثل قرارت قرآن ودرود برزبان راندہ روح ائمہ اطہار شاد نمایند ونزد ارباب تحقیق از اہل سنت وجماعت فقط از امر بہ قتل نمودن امام ہمام کافر شدہ قطع نظر از دیگر معاصی بالجملہ وی منحوس ترین مردم ومقبوح ترین خلائق نزد علمائے سنت وجماعت است وآن کار ناشایستہ کہ وی ملعون کرد ہیچکس دریں امت نکردہ لعنت خدا بادبروی وبرپیران ویاران ومددگاران وپیشکروی از خدا وفرشتہا وسائر مردمان ہر زمان وہر لحظہ بادوآنچہ کہ از علمائے ما ذکر لعن وطعن برآن ملعون ومطعون وکتب خود کردہ اند اگر دریں جا مذکور نمایند این مختصر بطول انجامد وصاحب کتاب مناقب السادات گفتہ کہ از مذاہب اربعہ اہل تسنن منع در لعن یزید دیدہ نشدہ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ ہذہ طریق الحق ومحی علوم الدین المبین۔ (سعادۃ الکونین)۔

نواصب اور بعض سنی نما نواصب کی طرف سے ہمیشہ یہ خیال پھیلانے کی کوشش کیجاتی ہے کہ حسینؑ اندھے بن کر (معاذ اللہ) ملک گیری کی ہوس میں کربلا میں جا پہنچے اور بالآخر اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو ان کے باپ نے طلحہؓ وزبیرؓ کے ساتھ جنگ جمل میں کیا تھا۔ یہ ایک ایسا زبردست مغالطہ ہے کہ واقعات وحقائق تاریخی کی روشنی میں شاید ہی اس کا کوئی ثانی مل سکے افسوس ہے کہ ہماری اس مختصر کتاب میں اس مبحث پر لکھنے کے لیے کافی گنجایش نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہو اُن علمائے حقانی پر کہ انہوں نے

نہایت زور و شور سے اس خیال فاسد کا اچھی طرح قلع قمع کر دیا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر جو زمانہ حال میں مسلمانان ہند کے مشہور سیاسی رہنما اور عالم و فاضل ہوئے ہیں فرماتے ہیں (قتل حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے ؛ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد) شاعر بے مثال علامہ اقبال تحریر فرماتے ہیں۔

مدعائش سلطنت بودے اگر　　خود نکردے با چنیں سامان سفر

ہم یہاں قرآن پہلوی کا ایک شعر نقل کر کے اس اعتراف کے ساتھ اپنے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں کہ جناب سید الشہداؓ کے جس قدر فضائل و مناقب ہیں اُن کا ایک شمہ بھی بیان نہیں کر سکے۔ فرماتے ہیں۔ عارف رومیؒ :۔

کور کورانہ مرو در کربلا　　تا نیفتی چون حسینؓ اندر بلا (مثنوی شریف)

ممکن ہے کہ کوتاہ بینوں کو قلت بصیرت کے باعث اس کلام معجز نظام کے معنی سمجھنے میں غلطی ہو لہٰذا اس کی وضاحت ضروری ہے کہ مصرعہ ثانی میں (تا) کے معنی (تا کہ) نہیں ہیں بلکہ اس (تا) کے معنی (تا آنکہ یا حتیٰ) ہیں جیسا کہ فارسی میں کثرت استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً نامرد سخن نہ گفتہ باشد ؛ وغیرہ۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تو مثل حسینؓ کے آزمائش میں پڑنے کے لیے آمادہ نہ ہو اندھے پن سے کربلا میں (یعنی امتحان گاہ میں) نہ چلا جا بالفاظ دیگر یہ کہ صبر و استقامت کی دشوار اور جاں گسل آزمائش میں پڑنے کے لیے حسینؓ کی سی عالی ظرفی اور صبر و رضا کی ضرورت ہے۔ ورنہ اندھے پن سے بغیر سوچے سمجھے اس آزمائش میں پڑنا بے سود ہے بقول شاعر۔

تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر ؛ سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر

یہ وہ معنی اس شعر کے ہیں جسے علمائے کرام بیان کرتے چلے آئے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ

عارف رومیؒ کے اس کلام سے جناب امام حسین علیہ السلام کی غایت درجہ تمجید و عالی مقامی ثابت ہوتی ہے (ملاحظہ ہو الکشف عن مہمات التصوف مصنفہ حکیم الامت حضرت مولٰنا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم العالی نیز دیگر کتب تصوف)۔ یہ سب تو مسلمان ہی ہیں اغیار کے اکابر نے بھی جن کی غیر جانب داری تسلیم شدہ امر ہے اس واقعہ شہادت کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے (واقعات کربلائے قومی غیرت و حمیت کا درس ملتا ہے جو کسی تاریخ میں نہیں ملتا (کارلایل) حضرت امام حسینؓ دنیا کے سب سے بڑے شجاع تھے (حسینؓ کارکن) حسینؓ کی شہادت کا واقعہ ہنگدل کو خون کے آنسو رلائیگا (گبن) وغیرہ وغیرہ۔ اللہ اللہ امام ہمام کا وہ درجہ رفیع و اعلیٰ جس کی رفعت پر خود کلام الٰہی اور کلام رسول جا بجا ناطق ہے اور اس کے بعد اکابر امت اور ان لوگوں کے کلام آنجناب علیہ السلام کی مدح و منقبت میں ہیں جو کانبیاء بنی اسرائیل ہیں اور دیگر اکابر شعراء و مصنفین کا اگر شمار کیا جائے تو محض اسم نویسی کے واسطے ہی ایک دفتر درکار ہے سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحم کے یہ دو شعر کس قدر مشہور و مقبول ہیں:۔

شاہ است حسینؓ بادشاہت حسینؓ — دین است حسینؓ دین پناہت حسینؓ
سرداد و نداد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

شاعر بے مثال ترجمان حقیقت علامہ اقبال جناب امام حسین علیہ السلام کی شان میں لکھتے ہیں:۔

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است — پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

قطب العالم مدار الاعظم عارف بریلوی حضرت مولٰنا شاہ نیاز احمد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

اے دل بگیر دامن سلطان اولیا — یعنی حسینؓ ابن علیؓ جان اولیا
ذوقے دگر بجام شہادت از و رسید — شوقے دگر بمستی عرفان اولیا
آئینۂ جمال الٰہی است صورتش — زان رو رشد است قبلۂ ایمان اولیا
تا کرد صرف حق سر و سامان تیش — گوے سبق ربودہ ز میدان اولیا
روے بخوش مطلع صبح سعادت است — سیمائے اوست شمع شبستان اولیا
دارد نیاز حشر خود امید با حسینؓ — با اولیاست حشر محبان اولیا

زمانہ حال کے شاعر بے مثال علامہ اقبال سلمہ اللہ المتعال نے کس قدر عقیدت کے ساتھ یہ مشہور و مقبول نظم لکھی ہے مولنا جامیؒ اگر بقید حیات ہوتے تو علامہ اقبال کی اس نظم کی داد کما حقہٗ دے سکتے تھے اور یقیناً آنجناب کی روح پر فتوح یہ دیکھکر سجدہ سرور ہوتی ہوگی۔ کہ اقلیم سخن میں انکا ایک حقیقی جانشین چودھویں صدی ہجری میں بھی موجود ہے خود اقبال لکھتے ہیں:۔

کشتۂ انداز ملا جامیم — نظم و نثر او علاج خامیم

در معنی حریت اسلامیہ و سر حادثہ کربلا

(از ترجمان حقیقت علامہ سر شیخ محمد اقبال)

ہر کہ پیمان با ہوا الموجود بست — گردنش از بند ہر معبود رست
مومن از عشق است و عشق از مومن است — عشق را ناممکن ما ممکن است
عقل سفاک است و او سفاک تر — پاک تر چالاک تر بیباک تر

عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگاں باز میدان عمل

عشق صید از زور بازو افگند
عقل مکار است و دامے می تند

عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقین لاینفک است

آن کند تعمیر تا ویران کند
این کند ویران کہ آباداں کند

عقل چون باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہائے او گراں

عقل محکم از اساس چون و چند
عشق عریاں از لباس چون و چند

عقل میگوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحان خویش کن

عقل با غیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است و با خود در حساب

عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بندہ شو آزاد شو

عشق را آرام جان حریت است
ناقہ اش را ساربان حریت است

آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد
عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد

آن امام عاشقاں پور بتولؓ
سرو آزادے ز بستان رسولؐ

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوش ختم المرسلین نعم الجمل

سرخ رو عشق غیور از خون او
شوخی این مصرع از مضمون او

در میان امت آں کیواں جناب
ہمچو حرف قل ہو اللہ در کتاب

موسیٰؑ و فرعون شبیر و یزید
این دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

خاست آں سرجلوۂ خیر الامم — چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت — لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد — موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است — پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر — خود نکردے با چنیں سامان سفر
دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد — دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد
سرِ ابراہیم و اسمٰعیل بود — یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزم او چوں کوہساراں استوار — پائدار و تند سیر و کامگار
تیغ بہر عزت دین است و بس — مقصد او حفظ آئین است و بس
ماسوا اللہ را مسلمان بندہ نیست — پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر ایں اسرار کرد — ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
تیغ لا چون از میاں بیروں کشید — از رگ ارباب باطل خوں کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت — سطر عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمز قرآں از حسینؓ آموختیم — ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم
شوکت شام و فر بغداد رفت — سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز — تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیک دور افتادگاں — اشک ما بر خاک پاک او رساں

صاحب سعادۃ الکونین تحریر فرماتے ہیں:—

اولاد آنجناب درین زمان از علی ابن الحسینؓ و از فاطمہؓ بنت الحسینؓ

از شرق و غرب بر تمامی روی زمین است و ہیچ شہر و قریہ از اطراف ممالک
نیست کہ در آں از اولاد حسین رضی اللہ عنہ ساکن نیستند و از اولاد یزید
باوجودیکہ پانزدہ پسر داشت یک تنفسے باقی نماندہ چنانچہ اصدق القائلین در
کتاب خود فرمودہ انا اعطیناک الکوثر و ان شانئک ھو الابتر۔ پس
تحقیق دشمن رسول خدا لا ولد است پس چگونہ اولاد او باقی باشد و از امام
حسینؓ فقط امام علی زین العابدین باقی بود اللہ تعالیٰ در اولاد وے آں
چناں برکت بخشید کہ تمام روئے زمین از اولاد وے پر گردید (سعادۃ الکونین)

کوئی شک نہیں کہ حضرت امام حسینؓ علیہ السلام کے واقعہ شہادت میں شریعت حقہ اسلامیہ کے بیشمار حقائق و اسرار مضمر ہیں۔ میدان کرب و بلا جس مقدس قربانی کے طیب و طاہر خون سے رنگین ہوا وہ محض شخصی واقعہ نہیں ہے اور نہ محض صبر و استقلال۔ صبر و ثبات و تحمل مصائب اور مردانہ وار جان سپاری کا ایک قصہ ہی ہے جیسے ہم اتباع و پیروی کے لیے ایک اسوہ بنائیں بلکہ اس کا تعلق سرتاسر اسلام کی حقیقت سے ہے۔ وہ حقیقت جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام پر طاری ہوی تھی اور دونوں باپ بیٹے راہ حق میں قربان کرنے اور قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ ان ھذا لھو البلوٰ المبین وفدیناہ بذبح عظیم۔ اسی انقیاد حقیقی۔ اسی اطاعت کامل اسی ایثار و فدویت نفس و جان کو امت وسطی کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ قد کان لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ..... الخ۔

یہ سچ ہے کہ یہ منزل ہر داعی حق و مجاہد فی سبیل اللہ کی راہ میں آتی ہے لیکن خانوادۂ نبوت و رسالت کی پوری تاریخ میں کوئی قربانی کوئی مصیبت کوئی ابتلا کوئی

آزمایش بجز ملت حنیف کے مورث اعلیٰ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے واقعہ اسلام کے شہید کربلا کی آزمائش سے زیادہ سخت و جان گداز نہ تھی ایک بزرگ فرماتے ہیں

ابتلائے انبیا و اولیا بسیار دید — لیک در عالم بدینساں ابتلائے کس ندید

در سرائے دہر تا شد رسم ماتم آشکار — ہمچو دشت کربلا ماتم سرائے کس ندید

جس حقیقت کا ظہور زمین خشک سال میں اسمٰعیل علیہ السلام کی ذات سے ہوا تھا امام حسینؓ نے کربلا کے ہولناک بیابان میں اس کی تکمیل کر دی۔ کیا ہی خوب کہا ہے ڈاکٹر اقبال نے:۔

سِرّ ابراہیم و اسمٰعیل بُود — یعنی آن اجمال را تفصیل بُود

ادنیٰ ادنیٰ مقاصد بھی سعی و جہد چاہتے ہیں۔ اور جو مقصد جتنا زیادہ اہم اور اعلیٰ اور اکبر ہوتا ہے اتنے ہی بڑے جہاد کا طالب ہوتا ہے۔ ولذا ک قال الاعرابی

لاتحسب المجد تمرا انت آکلہ — لن تبلغ المجد حتی تلعق الصبرا

پھر وہ مجد و شرف عزیز جس سے زیادہ کوئی مجد و شرف نہیں اور وہ مقصد عظیم و جلیل جو تمام مقاصد میں اقصی الغایات ہو اس کا حصول کتنا پر تعب اور کس قدر صبر آزما ہوگا لن تنالوا ما تحبون الا بالصبر علی ما تکرھون ولا تبخون ما تھوون الا ما یترک ما تشتھون۔

پس جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بتوں کے آگے سر نہ جھکایا اور ان کا قلب سلیم اجرام سماوی کی درخشان سطوت سے بھی مرعوب نہ ہوا اور انہوں نے انی لا احب الآفلین..... انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض وما انا من المشرکین۔ کہکر اپنا منہ اس کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان

کو پیدا کیا۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ سردار انبیا کے فرزند پر نسبت ابراہیمی کا غلبہ نہ ہوتا حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اسوۂ ابراہیمی پر عامل ہو کر فرمایا کہ :۔ (وامرت اسلم لرب العالمین) یعنے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس کے آگے جھک جاؤں جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ آنجناب کا یہ ایقان نہایت راسخ تھا۔ نہ صرف اپنی رگ جان کے خون سے بھی اس پر مہریں لگائیں۔ اور فرمایا کہ میں ان کی بیعت کس طرح کروں جو اسلام میں فتنہ کی تخم ریزی کر رہے ہیں۔ اللہ کی زمین میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں اور وہ باتیں کر رہے ہیں جن کو رسول اللہ صلعم نے منع فرما دیا تھا۔ ایسے خلیفہ سے امت کیا فلاح پا سکتی ہے جس کا شیوہ ہوا و نفس کی غلامی ہے۔ جو علانیہ معصیت کرتا ہے جو سیکنڈ و خمیر ہے دمشلا یبایع مثلہ اور پھر ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا اور دیکھ لیا زمانہ نے جو کچھ کہ دیکھنا تھا جن خوش قسمت شہدا کو میدان کربلا میں جام شہادت نوش کرنا تھا وہ اس جرعۂ آبحیات کو نوش فرما کر یہ کہتے ہوئے زندہ جاوید ہو گئے ؎

زندۂ کش جاں نباشد دیدۂ گر ندیدستی بیا ما را ببین۔

اللھم صلی علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ ال سیدنا ومولٰنا محمد بعدد کل شھداء الدنیا و نور مرقد سید ابی عبداللہ الحسین ومرقد عترتہ وانصارہ واھل بیتہ الی یوم الدین واحشرنا معھم فی یوم القیمۃ وادخلنا معھم فی الفردوس النعیم برحمتک یا ارحم الراحمین۔

شبیر اور شمشیر

از علامہ خدا بخش خاں صاحب اظہر امرتسری

اے آل نبی ابن علی حضرت شبیر — ہستی ہے تری آیہ تطہیر کی تفسیر
گفتار ہے یا نطق محمدؐ کا نمونہ — کردار ہے یا خواب براہیم کی تعبیر
دوزخ ترے اعدائے بداندیش کی میراث — جنت ترے احباب ہواخواہ کی جاگیر
شمشیر کے سایہ میں کبھی ہوتی نہ جنت — آتا نہ اگر سر ترا زیر دم شمشیر
یہ شان کرم تھی نہ ہوئے راکھ یزیدی — ورنہ تھا ترا موجۂ خون شعلۂ تقدیر
گو موت شہیدوں کی ہے اک خواب ابدیت — لیکن ہے شہادت تری اس خواب کی تعبیر

اے سید احرار مگر آج تری قوم — صیاد حوادث کی ہوئی جاتی ہے نخچیر
پھر قلب مسلماں کے لئے مانگ خدا سے — وہ جوش جو ہے شعلہ ایمان سے تپش گیر
یا رات یزیدانہ مظالم کی ہو رخصت — یا پھر ہو درخشاں مدتا بانی شبیر

اک مرد مجاہد نے کہا مجھ سے کہ اظہر — بے سود ہے خلوت میں ترا نعرۂ تکبیر
دیتی ہے یہ پیغام مرے جوش عمل کو — حیدرؓ کی شجاعت ہو کہ قربانی شبیر
شمشیر کی تسخیر کو نازل ہوا قرآن — قرآن کی حفاظت کیلئے اتری ہے شمشیر

سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام

اسم گرامی علی بن الحسین سید الساجدین وزین العابدین وسجاد آپ کے القاب گرامی ہیں۔ ان میں سے زین العابدین زیادہ مشہور ومعروف ہے ولادت باسعادت آنجناب کی پنجم شعبان ۳۸ھ میں بمقام مدینہ منورہ ہوی۔ واقعۂ کربلا میں آپ موجود تھے لیکن بسبب علالت شدید صف جنگ میں موجود نہ رہ سکے۔ اور اس میں بھی حکمت خداوندی تھی کہ آپ کی ذات بابرکات سے نسل حسین علیہ السلام دنیا میں چلی۔ آپ پر جو جو مظالم ہوے اور جس بیکسی اور بیماری سے آپ کو سامنا کرنا پڑا۔ وہ آج تک مسلمانوں میں ضرب المثل ہے اور عابد بیمار آپ کا لقب عام طور پر متعارف ہے۔ مرزا صاحب قادیانی اپنے زمانہ کے مسلمانوں کی حالت کا نقشہ نظم میں کھینچتے ہوے لکھتے ہیں۔

ہر طرف کفار جو شان ہجو افواج یزید ۔۔۔ دین حق بیمار و یکس ہجو زین العابدینؑ

آپ از روئے علم وعلم وزہد وعبادت آپنے آبا کے خلف الصدق تھے۔ کثرت عبادت وریاضت کے باعث آپ کا لقب زین العابدین ہوا۔ منقول ہے کہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز آپ پڑھتے تھے (صواعق محرقہ) واقعہ کربلا کے بعد کچھ دنوں تک آپ مقید رہے اس کے بعد آپ کی اقامت زیادہ تر ارض حجاز میں رہی کتب تواریخ میں ایک واقعہ مسلسل نقل ہوتا چلا آیا ہے اور صاحب صواعق محرقہ وغیرہ نے بھی اسے درج کیا ہے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ہم بھی اسے تاریخ سے یہاں نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے:۔

اِنَّهٗ لَمَّا حَجَّ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ طَافَ بِالْبَيْتِ وَجَهِدَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ

جب حج کیا ہشام بن عبد الملک نے طواف کیا بیت اللہ کا اور بہت ہی کوشش کی پہنچنے کی حجر اسود تک

لِيَسْتَلِمَهٗ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ لِكَثْرَةِ الزِّحَامِ فَنُصِبَ لَهٗ مِنْبَرٌ وَجَلَسَ عَلَيْهِ

بوسہ دینے کے لئے نہ پہونچ سکا وہاں تک بسبب کثرت ازدحام کے آخر اس کے

يَنْظُرُ اِلَى النَّاسِ وَمَعَهٗ جَمَاعَةٌ مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ

واسطے ایک منبر رکھا گیا اس پر وہ بیٹھ کر لوگوں کو دیکھتا رہا۔ اس وقت اُسکی ہمراہی میں ایک

قَبْلَ الْاِمَامُ الْهُمَامُ سَيِّدُنَا زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ ابْنِ

گروہ اہل شام کا تھا۔ اسی اثنار میں ناگاہ مشرف لائے پیشوائے بزرگ سردار ہمارے زین العابدین علی بن

اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ وَكَانَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ وَجْهًا

حسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم اللہ تعالی ان سبھوں سے اور تھے امام بہ نسبت لوگوں کے نہایت

وَاَطْيَبِهِمْ رِيْحًا فَطَافَ بِالْبَيْتِ فَلَمَّا انْتَهٰى اِلَى الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ تَنَحّٰى لَهٗ

خوبصورت اور خوشبودار پھر طواف کر کے بیت اللہ کا جب چلے حجر اسود کی طرف تو ہٹ گئے

النَّاسُ حَتّٰى اسْتَلَمَهٗ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ مَنْ هٰذَا الَّذِيْ

لوگ اُن کے لئے یہاں تک کہ چوما انہوں نے حجر اسود کو یہ حال دیکھکر ایک شامی نے کہا یہ کون

قَدْهَابَهُ النَّاسُ هٰذِهِ الْمَهَابَةَ فَقَالَ هِشَامٌ لَآ اَعْرِفُهٗ مَخَافَةَ اَنْ

ہے کہ جس سے لوگ ہیبت زدہ ہو گئے۔ ہشام نے کہا کہ میں تو اسے نہیں پہچانتا۔ یہ

يَّرْغَبَ فِيْهِ اَهْلُ الشَّامِ وَكَانَ اَبُوْ فِرَاسٍ الْفَرَزْدَقُ حَاضِرًا فَقَالَ

اس ڈر سے کہا کہ کہیں اہل شام ان کے معتقد نہ ہو جائیں اس وقت وہاں ابو فراس فرزدق شاعر

اَنَا وَاللّٰهِ اَعْرِفُهٗ فَقَالَ الشَّامِيُّ مَنْ هُوَ يَا اَبَا فِرَاسٍ فَقَالَ

بھی موجود تھا کہنے لگا قسم خدا کی میں ان کو پہچانتا ہوں۔ شامی نے کہا کون ہے یہ شخص اے ابو فراس تو اس کہا

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهٗ
یہ وہ ہے کہ پہچانتی ہے زمین مکہ اس کے طور طریق کو

وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ
اور بیت اللہ اس کو جانتا ہے اور زمین حل و حرم بھی

هٰذَا ابْنُ خَیْرِ عِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ
یہ اس کا فرزند ہے جو بہترین بندگان خدا ہے

هٰذَا التَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ
یہ خدا ترس ہے پاک صاف ہے سب کا پیشوا ہے

اِذَا رَأَتْهُ قُرَیْشٌ قَالَ قَائِلُهَا
جب اس کو قریش دیکھتے ہیں تو کہتا ہے کہنے والا

اِلٰی مَكَارِمِ هٰذَا یَنْتَهِی الْكَرَمُ
انہیں کی بزرگیوں پر جود و کرم کی انتہا ہے

یَنْمِیْ اِلٰی ذِرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِیْ قَصُرَتْ
عروج کرتا رہتا ہے عزت کی ایسی بلندیوں کہ قاصر ہیں

عَنْ نَیْلِهَا عَرَبُ الْاِسْلَامِ وَالْعَجَمُ
وہاں تک پہنچنے سے تمام عرب و عجم

یَكَادُ یُمْسِكُهٗ عِرْفَانُ رَاحَتِهٖ
مستفید ہونا چاہتا ہے خوشبوئے دست مبارک کا اگر

رُكْنَ الْحَطِیْمِ اِذَا مَا جَاءَ یَسْتَلِمُ
رکن حطیم جس وقت یہ چومنے آتا ہے

یَغُضُّ حَیَاءً وَّیُغْضٰی مِنْ مَّهَابَتِهٖ
وہ حیا سے نیچے دیکھتا ہے اور لوگ ہیبت سے جھکاتے ہیں

فَمَا یُكَلَّمُ اِلَّا حِیْنَ یَبْتَسِمُ
اور کلام نہیں کرتا بغیر تبسم کے

یَنْشَقُّ نُوْرُ الْهُدٰی مِنْ نُّوْرِ غُرَّتِهٖ
چمکتی ہے نور ہدایت کی شعاع پیشانی سے اس کی

كَالشَّمْسِ یَنْجَابُ عَنْ اِشْرَاقِهَا الْقَمَمُ
جس طرح غبار آفتاب کے نور سے روشن ہو جاتا ہے

مُشْتَقَّةٌ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ نَبْعَتُهٗ
مشتق ہے نور رسول خدا سے ذات اس کی

طَابَتْ مَنَاشِئُهٗ وَالْخِیْمُ وَالشِّیَمُ
پاک ہے جسم اس کا اور عادات اور خصلتیں

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ اِنْ كُنْتَ جَاهِلَهٗ
یہ فرزند فاطمہؑ زہرا کا ہے جان لے اگر تو نہیں جانتا ہے

بِجَدِّهٖ اَنْۢبِیَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُوْا
اسی کے جد امجد پر خاتمہ ہوا نبوت کا

اَللّٰهُ شَرَّفَهٗ قِدْمًا وَّعَظَّمَهٗ
اللہ نے اس کو شرف بخشا ہے اور بزرگی دیا ہے

جَرٰی بِذٰلِكَ لَهٗ فِیْ لَوْحِهِ الْقَلَمُ
چل چکا اس بات میں اس کے لوح محفوظ میں قلم

وَلَيْسَ قَوْلُكَ مَنْ هٰذَا بِضَائِرِهٖ
نہیں ہے کہنا تیرا یہ کون ہے اس کو ضرر پہنچانیوالا

اَلْعَرَبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْكَرْتَ وَالْعَجَمُ
عرب بھی جانتے ہیں جس کا تو نے انکار کیا اور عجم بھی

كِلْتَا يَدَيْهِ غِيَاثٌ عَمَّ نَفْعُهُمَا
دونوں ہاتھ اس کے باران جود ہیں کہ عام ہے فیض انکا

يُسْتَوْكِفَانِ وَلَا يَعْرُوْهُمَا عَدَمُ
ہمیشہ برستے رہتے ہیں اور نہیں نمکین کبھی ہوا نکو غلطی

سَهْلُ الْخَلِيْقَةِ لَا تُخْشٰى بَوَادِرُهٗ
یہ ایسا نرم خو ہے کہ اس کے غضبناک ہونیکا خوف نہیں

يُزَيِّنُهٗ اِثْنَانِ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالشِّيَمُ
زینت دیتی ہیں اس کو دو چیزیں حسن خلق اور کرام خلائق

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِيْ تَشَهُّدِهٖ
کبھی نہیں کہا ہی نہیں بجز تشہد کے (کہ فی شریک لا بھی ہے)

لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهٗ نَعَمُ
اگر تشہد میں نہ ہوتا تو لا اسکا نعم ہوتا

عَمَّ الْبَرِيَّةَ بِالْاِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ
تمام جہاں پر ایسا احسان کیا کہ دور ہوگئیں

عَنْهَا الْغَيَاهِبُ وَالْاِمْلَاقُ وَالْعَدَمُ
اس سے تاریکیاں اور محتاجی اور مفلسی

مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِيْنٌ وَبُغْضُهُمْ
یہ اس گروہ میں ہے کہ جن کی محبت دین اور بغض انکا

كُفْرٌ وَقُرْبُهُمْ مَنْجًى وَمُعْتَصَمُ
کفر ہے اور ان کا قرب نجات اور پناہ ہے

اِنْ عُدَّ اَهْلُ التُّقٰى كَانُوْا اَئِمَّتَهُمْ
اگر شمار کیا جاوے متقیوں کا تو اس گروہ کے لوگ ہی پیشوا ہیں

اَوْ قِيْلَ مَنْ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ قِيْلَ هُمُ
یا اگر کوئی پوچھے کہ کون ہے سب سے بہتر روئے زمین پر تو یہی کہا جائیگا

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ ذِكْرُهُمْ
ضرور ہے بعد ذکر خدا کے ذکر ان لوگوں کا

فِيْ كُلِّ بَدْءٍ وَمَخْتُوْمٌ بِهٖ الْكَلِمُ
ہر ابتدا میں اور ختم ہوتا ہے انہیں کے ذکر پر کلام

مَنْ يَعْرِفِ اللّٰهَ يَعْرِفْ اَوَّلِيَّةَ ذَا
جو اللہ کو پہچانتا ہے وہ ان کی بھی بزرگی جانتا ہے

فَالدِّيْنُ مِنْ بَيْتِ هٰذَا نَالَهُ الْاُمَمُ
دین برحق انہیں کے گھر سے تمام جہاں کو نصیب ہوا

فَلَمَّا سَمِعَ هِشَامٌ ذٰلِكَ غَضِبَ وَحَبَسَ الْفَرَزْدَقَ فَاَنْفَذَ لَهٗ

جب سنا ہشام نے یہ سب کچھ غضبناک ہوکر قید کیا فرزدق کو تو بھیجا اس کے لئے

سَيِّدُنَا زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفَ

حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بارہ ہزار

دِرْهَمٍ فَرَدَّهَا وَقَالَ مَدْحَةٌ لِلّٰهِ لَا لِلْعَطَاءِ وَالصِّلَاتِ

درہم صلہ میں تو واپس کیا اُسے شاعر نے اور کہا میں نے انکی تعریف رضائے حق کیلئے

فَقَالَ سَيِّدُنَا الْاِمَامُ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ اَنَا اَهْلُ بَيْتٍ

کی ہے نہ بامید عطا و انعام پھر فرمایا حضرت زین العابدینؓ نے ہم لوگ اہلبیت نبوت میں

اِذَا وَهَبْنَا شَيْئًا لَا نَعُوْدُ فِيْهِ فَقَبِلَهَا الْفَرَزْدَقُ اِنْتَهٰى

جب بخش دیتے ہیں کوئی چیز واپس نہیں لیتے آخر فرزدق نے قبول کیا اُس

مال کو انتہٰی۔

یہ قصیدہ ایک عمدہ نمونہ ہے اہل عرب کی آزادی اور حق گوئی کا کہ سلطنت دمشق کی ہیبت و شوکت بھی ان حق پرست اور حق گو بادیہ نشینوں کو مرعوب نہ کرسکتی تھی متغلبین شام کی خون آشام تلواریں سامنے رکھی رہتی تھیں اور یہ بدوی فدائیان آل رسول آتے تھے اور اپنی تیغ لسان صداقت ترجمان سے ان ظالموں کے دلوں کو مجروح کرجاتے تھے۔ آج ان حاکمان شام کو بھلائی سے یاد کرنیوالا کوئی نہیں بخلاف اس کے ان مظلومین کی حمایت تمام دنیائے اسلام کررہی ہے سچ ہے:۔

بوسلیم را لقب کذاب ماند　　مر محمدؐ را اولی الالباب ماند (عارف رومیؒ)

(مولانا جامیؒ) نے فارسی نظم میں اس قصیدہ کا ترجمہ کردیا ہے جو قابل دید ہے۔

بوقت وفات جناب زین العابدین علیہ السلام کی عمر شریف ستاون سال تھی۔ جن میں سے دو سال جناب علی مرتضیٰؑ کے سامنے بسر ہوے دس سال اپنے عم بزرگوار امام حسن علیہ السلام کے ساتھ۔ گیارہ سال اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ۔ کہا گیا ہے کہ ولید بن عبد الملک نے آپ کو زہر دیا۔ اپنے عم نامدار امام حسنؑ کے پاس بقیع میں دفن ہوے۔ چار دختر اور گیارہ لڑکے اپنی یادگار چھوڑے۔ (صواعق محرقہ)۔

امام محمد باقر علیہ السلام ابن امام زین العابدینؑ

ولادت باسعادت آنجناب کی ۵۷ھ میں بطن جناب فاطمہ بنت الحسن سے ہوی جو ام عبد اللہ کے نام سے متعارف ہیں۔ صاحب صواعق محرقہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابو جعفر محمد باقر اپنے باپ کے علم و عمل عبادت و زہد کے وارث اور ائمہ اثنا عشر میں سے تھے۔ لفظ باقر لغت میں بقر الارض سے لیا گیا ہے یعنی زمین کو شگافتہ اور اس کی تحقیقات کو ظاہر کرنے والا۔ اور آپ کو باقر اس لئے کہتے ہیں کہ خزانہائے مخفی کا اظہار اور معارف اور حقائق کے احکام کا اعلان آپ سے ہوتا تھا۔ ۱۱۷ھ میں آپ کی وفات واقع ہوی۔ اور آپ کو بھی مثل آپ کے پدر نامدار زہر دیا گیا۔ قبہ حسین و عباس میں جو بقیع میں ہے دفن ہوے۔ چھ فرزند اپنی یادگار چھوڑے۔ علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی داد

باتیں حاصل کیں شیعہ وسنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت امام علیہ السلام کے فیض صحبت سے تھا۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے جناب امام علیہ السلام کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے (سیرۃ النعمان صـ۲۷)

امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقرؑ

ولادت باسعادت آنجنابؑ کی ۸۳ھ میں جناب ام فروہ بنت قاسم کے بطن سے مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آنجنابؑ بھی مثل اپنے آبا صالحین وکاملین کے جامع مناقب و حاوی فضائل تھے صاحب صواعق محرقہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ کے فرزندوں میں اکمل وافضل امام جعفر صادق تھے چنانچہ انھیں کو جناب امام محمد باقرؑ نے اپنا خلیفہ اور وصی بنایا اور علوم ظاہر و باطن سے مکمل کیا اور ان کا علم تمام شہروں میں پھیلا اکابر علما مثلاً یحییٰ بن سعد و ابن جریج و مالک و سفیان و امام اعظم ابوحنیفہؒ و شعبہ و ایوب سجستانی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم نقل کیا ہے۔ (صواعق محرقہ) سرگروہ صوفیہ کبار حضرت فریدالدین عطارؒ اپنی مشہور آفاق کتاب (تذکرۃ الاولیا)۔ کا آغاز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ذکر شریف سے کرتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) سلطان ملت مصطفوی دلیل حجت نبوی صدیق عامل۔ دل اولیا۔ جگر گوشۂ انبیا وارث نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو محمد جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم نے

ذکر کیا تھا کہ اگر انبیاء و صحابہ و اہلبیت کا ذکر کریں تو ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے اور یہ کتاب اولیاء امت کے حالات پر مشتمل ہے جو ان کے بعد ہوئے ہیں تبرکاً حضرت امام جعفر کے حالات سے شروع کرتے ہیں وہ بھی انہیں کے بعد ہوئے ہیں۔

اور چونکہ وہ اہلبیت میں سے تھے اس لیے طریقت کے بارے میں ان کے بہت سے ارشادات ہیں اور بہت سی روایات ان سے مروی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ میری زبان و عبارت میں ان کی تعریف و توصیف کی طاقت نہیں ہے کیونکہ وہ بلا تکلیف تمام علوم و اشارات سے واقف تھے وہ تمام مشائخ کے سردار ہیں۔ ہر شخص ان پر کامل اعتبار رکھتا ہے وہ مقتدائے مطلق تھے۔۔۔۔۔۔ وہ اہل ذوق کے پیشرو اور اہل حق کے پیشوا تھے عابدوں کے مقدم اور زاہدوں کے مکرم تھے حقائق میں صاحب تصنیف تھے اور لطائف تفسیر و تنزیل میں بے نظیر تھے۔۔۔۔۔۔۔ میں حیران ہوں کہ وہ شخص کس خیال باطل کو لئے ہوئے ہے جو حضور صلعم پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن آپ کے فرزندوں سے محبت نہیں رکھتا ہے۔۔۔۔۔۔ الخ علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں۔

(امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ نے جناب امام محمد باقرؒ کے فرزند رشید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تمام تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے۔ اس لئے ان کی شاگردی کیوں اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں امام جعفر

صادق علیہ السلام سے انہیں کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے ہیں۔ وصاحب البیت۔ ادری بما فیھا۔ (سیرۃ النعمان ص۳۷)

وفات آنجناب کی بتاریخ پندرہ رجب ۱۴۸ھ مدینہ منورہ میں واقع ہوی۔ قبہ حسنؑ میں اپنے آبائے کرام کے پاس دفن ہوئے۔ صاحب صواعق محرقہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ جناب جعفر صادق کو بھی مثل ان کے باپ اور دادا کے زہر دے کر ہلاک کیا گیا اور ایک دختر اور چھ بیٹے آپ نے چھوڑے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادقؑ

ولادت آنجنابؑ کی ۱۲۸ ہجری میں بتاریخ ۷ صفر جناب حمیدہ خاتون کے بطن سے ہوی علم و عبادت و اجتہاد و سخا و قیام لیل و صبر و شکر کی بنا پر اور عفو و درگذر کرنے کے لئے خاص طور پر ممتاز تھے۔ اور اس لیے آپ کا لقب شریف کاظم ہے۔ آپ ہارون الرشید خلیفہ عباسی کے ہمعصر ہیں۔ مورخین ایک روایت نقل کرتے آئے ہیں۔ جسے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ہم بھی یہاں سعادت الکونین سے نقل کرتے ہیں۔

(ترجمہ) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے قید کرنے کا سبب یہ ہوا کہ ہارون مع اپنے ہمراہیوں کے مزار شریف آنحضرت صلعم کی زیارت کے لیے پہنچا اور قبر شریف کے سامنے پہنچ کر فخریہ کہنے لگا کہ السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک اے میرے چچا کے بیٹے۔ یہ ہارون نے فخریہ اس لیے کہا کہ وہ حضرت عباس عم رسولؐ کی

اولاد میں تھا۔ اس کے بعد امام موسیٰ کاظم قبر شریف کے سامنے آئے اور کہنے لگے السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک اے میرے باپ یہ سن کر ہارون کا رنگ فق ہوگیا۔ اور غصہ کا اظہار کرنے لگا۔ اور امام موسیٰ کاظم کو اپنے ہمراہ بغداد میں لے جاکر قید کر دیا اور حکم دیا کہ موسیٰ کاظم کو زہر دیا جائے۔ پس آنجناب کو زہر چڑھ گیا اور تین دن کے بعد وفات واقع ہوئی۔ یہ واقعہ مشہور ہے اور بعض اہل تاریخ بیان کرتے ہیں کہ ہارون نے آنجناب کو زہر نہیں دیا بلکہ طبعی موت سے آنجناب نے رحلت فرمائی (سعادت الکونین ص۱۳۲) یہ واقعہ کتب تاریخ میں جا بجا منقول ہے۔ صاحب صواعق محرقہ حتیٰ کہ یورپین مصنفین مثلاً پامر وغیرہ نے بھی اس نسبی مفاخرہ کے واقعہ کو نقل کر دیا ہے

ایک اور واقعہ بھی اسی سلسلہ میں مشہور ہے اور وہ یہ کہ ہارون کا گذر ایک روز مجلس کی طرف سے ہوا۔ امام موسیٰ کاظمؑ یہاں محبوس و مقید تھے۔ ہارون اپنے خاصہ کے گھوڑے پر سوار تھا اور اکابر امراء اعیان سلطنت اُس وقت اس کے ہمراہ رکاب برداری کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ہارون نے فخریہ امام موسیٰ کاظم سے کہا کہ کیا تیرا رتبہ میرے رکاب بردار خدام سے زیادہ ہے امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ یوم حنین یاد کرو۔ وہاں ہم دونوں میں سے کس کے باپ نے کس کے باپ کی رکاب برداری کی تھی جس پر بجا طور پر قیامت تک تم فخر کرو گے اور یہاں اس بے بسی اور بے کسی کے عالم میں بوریہ نشینی میرے لیے باعث ذلت نہیں کہ انبیاء اولوالعزم پر ایسے اوقات گذر چکے ہیں اور تمہارا یہ چشم و خدم میرے سامنے تمہارے لیے باعث فخر نہیں۔ یہ روایت مشہور تو ہے مگر کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گذری یا اگر کہیں لکھی دیکھی ہے تو یاد نہیں کہ کس جگہ دیکھی تھی۔ اسی طرح یہ بھی ایک روایت مشہور ہے کہ ہارون نے امام موسیٰ کاظم

سے بیان کیا کہ رسول اللہ کے ایک چچا کی اولاد تم ہو اور ایک چچا کی اولاد ہم ہیں پھر ہم میں اور تم میں باعتبار قرابت رسول کوئی فرق نہیں ہے امام نے جواب دیا کہ بے شک فرق ہے اگر ابھی جناب رسولؐ اپنی قبر مطہر سے باہر تشریف لائیں تو میرے گھر میں بلا پس و پیش بغیر پردہ کرائے تشریف فرما ہو جائیں گے کہ میری مہات و بنات آنحضرت کے لیے ابداً حرام ہیں بخلاف تمہارے گھر کے کہ اس کے اندر داخل ہونے کے لئے آنحضرت صلعم کو خاص اہتمام کرانا پڑے گا۔ اور جس طرح کسی غیر شخص کے مکان میں کسی کا داخلہ ہوتا ہے وہ سب انتظام جب تک مکمل نہ ہو آنحضرت صلعم تمہارے گھر میں کبھی داخل نہ ہونگے در حالے کہ تم بھی ایک چچا کی اولاد ہو۔

صاحب صواعق محرقہ نے ایک دوسرا واقعہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہارون نے جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا کہ تم کس طرح اولاد رسول ہو حالانکہ تم علیؑ ابن ابی طالب کی اولاد ہو۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے اس کے جواب میں آیہ ومن ذریتہ داؤد وسلیمان ..... عیسیٰ تلاوت فرمائی اور جب لفظ عیسیٰ پر پہنچے تو امامؑ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تو باپ نہیں ہیں مگر خدا نے ان کو اولاد ابراہیم میں شامل کیا ہے۔ اس کے بعد جناب امام علیہ السلام نے آیۂ مباہلہ تلاوت فرما کر ارشاد کیا کہ خدا نے جب پیغمبر صلعم کو مباہلہ کا حکم دیا تو آنحضرتؐ نے علی و فاطمہ و حسنینؑ کو بلایا۔ پس حسنینؑ اس دلیل سے فرزندان رسول خدا ہیں اور ہم حسینؑ کی اولاد ہیں۔

سنہ ۱۸۳ھ میں بتاریخ ۲۵ رجب محبس بغداد میں آنجناب علیہ السلام کی وفات واقع ہوئی۔ کاظمین شریفین میں آنجناب کا مزار ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ قبر امام موسیٰ کاظمؑ علیہ السلام تریاق مجرب ہے۔ اجابت دعا کے لیے (کشف الغطا)۔

جناب امام رضا علیہ السلام ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

ولادت باسعادت آنجناب علیہ السلام کی مدینہ منورہ میں بروایت صاحب سعادۃ الکونین بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۱۵۳ھ ہوئی۔ بعض کا بیان ہے کہ ۱۴۸ھ میں ولادت ہوئی۔ مامون الرشید عباسی کے آپ ہم عصر ہیں۔ بقول صاحب صواعق محرقہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں آپ اعلم واکمل واجل تھے۔ منقول ہے کہ مامون الرشید عباسی نے اپنے ہاتھ سے عہدنامہ لکھ کر آپ کو ولیعہد سلطنت قرار دیا تھا مگر حکم خداوندی اس کے خلاف تھا کہ آپ خلفاء بنی عباس کے تخت سلطنت پر حکومت کریں۔ یہ بھی روایت ہے کہ مامون نے اپنی دختر آنجناب علیہ السلام کے عقد میں دی تھی۔ جہاں تک روایات مندرجہ کتب تواریخ کا تعلق ہے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مامون کو جناب امام علی رضا علیہ السلام سے غایت درجہ الفت ومحبت تھی۔ اور آنجناب علیہ السلام کے علم وفضل وزہد وتقویٰ اور بے مثل شرافت وبزرگی پر نظر کرتے ہوئے اس نے آنجناب کو اپنا ولی عہد سلطنت بھی قرار دیا اور مصاہرت کا تعلق بھی قائم کیا۔ اس کے بعد جو واقعات درپیش ہوئے وہ ایک تاریخی معمہ بن گئے ہیں جناب امام رضا علیہ السلام کی وفات کے متعلق مامون کو ملزم قرار دیا گیا ہے کہ اس نے مسموم انگور آنجناب کو کھلائے جو باعث آنجناب کی وفات کا ہوئے۔ بعض شیعہ وسنی مورخین بیان کرتے ہیں کہ مامون نے آنجناب کو زہر نہیں دیا۔ بعض شیعہ وسنی مورخین مامون کو زہر دینے کے الزام میں مجرم قرار دیتے ہیں

دگویند کہ مامون علی رضاؑ را زہر داد و اکثر اہل سنت وجماعت گویند کہ ثبوت غدر مامون بعلی رضاؑ ثابت نشدہ بلکہ علامہ ابوالحسن علی ابن عیسیٰ کہ از اعاظم علماء شیعہ است در کشف الغمہ فی مناقب الائمہ۔ بعد ذکر زہر دادن مامون بعلی رضاؑ گفتہ کہ مرا از معتمدے دریافت شد کہ مامون زہر دادہ بود (سعادۃ الکونین صـ۴۷)

اسی طرح بعض دیگر مورخین بھی مامون کو اس الزام سے بری کرتے ہیں لیکن اس کے خلاف بعض اکابر مورخین مامون کو قتل امام رضاؑ کا مجرم قرار دیتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ بنی عباس کی عام ناراضی اور تخت سلطنت ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے مامون اپنا وہی دسیسہ مخفی کام میں لایا جو ذوالریاستین وغیرہ کے مقابل لایا گیا تھا از انجملہ روضۃ الصفا وحبیب السیر وشواہد النبوۃ وغیرہ میں مامون کو قتل امام رضا علیہ السلام کا مجرم قرار دیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اکابر نے اس الزام سے مامون کو بری کیا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ مامون آل فاطمہؑ سے سچی عقیدت رکھتا تھا۔ یہ ہرگز باور نہیں کیا جا سکتا کہ جناب رضا علیہ السلام کی ولیعہدی۔ سیاہ لباس کا ممنوع قرار دیا جانا اور طرح طرح سے آل رسول کے ساتھ الفت ومحبت کا اظہار کرنا اور سادات میں سے جن اصحاب نے مامون کے مخالف کارروائیاں کیں ان سے بار بار درگذر کرنا یہ سب نمائشی کارروائیاں اس غرض سے کی جارہی تھیں کہ امام رضا علیہ السلام کو انگور وں میں زہر کھلا کر قتل کرایا جائے۔ اور مامون کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جناب امام رضاؑ نہ کوئی سیاسی آدمی تھے نہ ان کی طرف سے کوئی خدشہ حکومت کو تھا۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے تو مامون نہایت آسانی سے جناب امامؑ کو بغیر کسی شور وشغب کے بھی قتل کرا سکتا تھا ولی عہدی قائم کرنے اور اس قسم کے دیگر اعمال

کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی جن سے اس نے تمام اہل خاندان کو اپنا مخالف کر لیا۔ یہاں تک کہ مامون کی بیعت شکست کے عباسیوں نے مامون کے چچا ابراہیم سے بیعت خلافت کر لی عقل ہرگز اسے قبول نہیں کرتی کہ مامون نے یہ مشاغبہ بے محل وغیر ضروری بار ادہ قتل امام رضا علیہ السلام کیا تھا۔ بلا خوف تردید اس حد تک کہا جا سکتا ہے کہ مامون نے جو کچھ کیا خلوص نیت و عقیدت آل رسول کی بنا پر ہی کیا اس حد تک کسی طرح مامون کا دامن آلودہ نہیں کہا جا سکتا ہے البتہ ان واقعات کے پیش آنے سے بعد میں جو واقعات درپیش ہوئے وہاں مامون کا حال متعدد و متضاد روایتوں اور ظنون غالبہ کی الجھنوں میں پڑ کر ایک تاریخی معمہ بن گیا ہے اصل یہ ہے کہ ملک گیری اور ملک داری کی ہوس انسان سے سب کچھ کراتی ہے۔ اسی مامون کے بھائی امین کا سر جب مامون کے پاس لایا گیا تو ملک گیری کے جذبہ نامحمود اور شکوہ تاج سلطانی کے درد سر نے مامون جیسے شخص سے کن امور کا اظہار کرایا اسے مولانا شبلی نعمانی کے الفاظ میں سنیئے۔

> طاہر نے مامون کو ان دلچسپ اور مختصر لفظوں میں نامۂ فتح لکھا "میں امیر المومنین کی حضور میں دنیا اور دین دونوں پیشکش بھیجتا ہوں"، دنیا سے مظلوم امین کا سر مراد تھا اور دین سے چادر اور خاتم خلافت ذوالریاستین نے امین کا سر ایک سپر پر رکھکر مامون کے سامنے پیش کیا۔ اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے مامون جیسے رقیق القلب شخص کو بھی ایسا سنگدل بنا دیا کہ اس نے اپنے بھائی کے خون آلود سر کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا اور جوش خوشی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ قاصد کو مژدہ فتح کے صلہ میں دس لاکھ درہم انعام دیے اسی تقریب سے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور تمام ارکان دولت و افسران فوج مبارک باد دینے کو حاضر ہوئے۔ (المامون)

الغرض امام علی رضا علیہ السلام کے ولی عہد بنائے جانے سے مامون کو متعدد دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا اور اسے یقین ہوگیا کہ آل رسولؐ کی دوستی اور تخت سلطنت اجتماع نقیضین کا حکم رکھتے ہیں اس کے بعد جن اعمال وافعال کو مامون کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہاں مامون کے حالات مشتبہ ضرور ہوجاتے ہیں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کا انگور کھا کر یکایک انتقال کرجانا شبہ خیز واقعہ ضرور ہے لیکن خدا جانے کہ یہ فعل کس کا تھا۔ بعض مورخین قدیم مثلاً یعقوبی کا خیال یہ ہے کہ ابن ہشام کی سازش سے جناب امامؑ کو زہر دیا گیا اور مامون کا کوئی ہاتھ اس کارروائی میں نہ تھا۔ بعض دیگر مورخین بھی ایسا ہی کہتے آئے ہیں۔ پس ایمان وانصاف کی بات یہ ہے کہ یقین ووثوق کے ساتھ مامون کو امام رضاؑ کا قاتل ہرگز نہیں کہا جاسکتا ہے اگر اس نے ابن رسول اللہ کو قتل کیا یا کرایا ہے تو دار حشر کی لازوال عدالت موجود ہے۔ وہاں نہ کسی مورخ کی شہادت درکار ہے۔ اور نہ مامون کی شہادت صفائی پر غور کی ضرورت۔ مامون کو معلوم ہوجائے گا کہ ابن رسول اللہ کے بے گناہ قتل کی کیا سزا عدالت خداوندی میں مقرر ہے۔ اور اگر اس کا دامن اس قتل سے پاک ہے جیسا کہ ظن غالب بھی ہے تو پھر کسی مورخ یا مخالف کی تحریرات کے شر سے مامون مامون ہی رہے گا۔

آخر سفر ۲۱۳ھ میں جناب امام رضا علیہ السلام مامون کے ہم سفر تھے کہ مقام طوس میں پہنچ کر مسموم انگوروں کے کھا لینے سے آنجناب کا دفعۃً انتقال ہوگیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مامون کو آنجناب کی وفات سے نہایت صدمہ ہوا۔ جنازہ کے ساتھ برہنہ پا و برہنہ سر گیا اور رو رو کر کہتا تھا کہ اے ابوالحسن اب تیرے بعد میں کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ تین دن تک آنجناب کی قبر پر مجاور رہا۔ ایک روٹی اور نمک اس کی غذا تھی

(تاریخ اسلام و المامون وغیرہ) مامون نے حکم دیا تھا کہ مامون کے باپ ہارون کی قبر کھول کر اس میں جناب علی رضا کو دفن کیا جائے اس پر ایک شاعر دعبل نامی نے جو اہلبیتؑ کا مداح اور خلفا بنی عباس کا دشمن تھا ایک ظرافت آمیز ہجو لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ما ینفع الرجس من قرب الذکی ولا علی الذکی بقرب الرجس من ضرر

یعنی ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ پاک کا اس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے (المامون)

حضرت علی رضا علیہ السلام آئمہ اثنا عشر میں ہیں۔ بڑے عالم اور اتقیاء روزگار میں سے تھے۔ ابو نواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضاؑ جو فخر روزگار ہیں ان کی شان میں دو شعر بھی نہ لکھے اس نے جواب دیا کہ ان کا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے۔ (المامون)۔

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

شخصی حکومت کا زور مامون کے عہد میں بھی پوری قوت کے ساتھ قائم تھا۔ لیکن وہ اس بدعت کا موجد نہیں ہے اور اگر اس کی چلتی تو اس حالت میں ایک مفید انقلاب پیدا ہو جاتا۔ بنو امیہ اور عباسیہ دونوں نے اس طریق عمل سے خلافت اسلام کو خاندانی ترکہ قرار دیا تھا۔ مامون پہلا شخص ہے جس نے اس جابرانہ قانون کو مٹا دینا چاہا۔ اگرچہ افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے بڑی تحقیق اور تجربہ کے بعد ایک ایسے برگزیدہ شخص کو ولی عہدی کے لیے انتخاب کیا جو خاندان شاہی سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ خاندان عباس ان کے

ساتھ ایک موروثی رقابت کا خیال رکھتا تھا۔ یہی بات تھی کہ ان کے انتخاب پر
آل عباس دفعتہً برہم ہوگئے اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہوگئیں تاہم مامون
نے وہی کیا جو سچے کانشنس کی رو سے اس کو کرنا چاہیئے تھا۔

جب ان کو زہر دیدیا گیا اور مامون کو پورا تجربہ ہوگیا کہ جو خاندان ڈیڑھ سو برس
سے خلافت پر قبضہ کرتا آیا ہے وہ کسی طرح اپنے فرضی حق سے باز نہیں آسکتا تو مجبوراً
اس نے بھی وہی کیا جو اس کے اسلاف کرتے آرہے تھے تاہم اس بات سے کہ اس نے
اپنی اولاد کو چھوڑ کر جو حکومت کی قابلیت رکھتی تھی اپنے بھائی کو منتخب کیا ایک اعلیٰ
حوصلگی اور سچی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے جو تمام تاریخ اسلام میں بے نظیر ہے (المامون)
مامون نے آل رسول کے ساتھ جو مراعات کیں اور اپنی عقیدت کا اظہار بار بار
اس دودمان والاشان سے کیا اس پر بعض تنگ نظر لوگوں نے طرح طرح کی چہ میگوئیاں
کی ہیں اس پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے بنظر اختصار ہم صرف دو حوالوں پر بس کرتے ہیں علامہ
سیوطی تحریر فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) صولی کہتے ہیں کہ مامون کے بعض گھر والوں نے کہا کہ خلافت کا امر اولاد
حضرت علیؓ کے متعلق نہ کر ورنہ یاد رکھ کہ ان کے نیک لوگوں پر بھی تیرا قابو نہ رہیگا
اس نے جواب دیا کہ میں یہ اس لیے کر رہا ہوں کہ جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی
اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تھے تو انہوں نے کسی ہاشمی کو ولی عہد مقرر نہیں کیا تھا
اسی طرح حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی کسی ہاشمی کو کوئی امر
تفویض نہیں فرمایا تھا مگر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے
عبداللہ بن عباس کو بصرہ میں عبیداللہ کو یمن میں معبد کو مکہ میں اور قثم کو بحرین میں

حاکم مقرر کیا تھا بلکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی بات میں ولی عہد مقرر کر دیا تھا ان کا یہ احسان ابتک ہماری گردن پر برابر چلا آرہا ہے۔ لہذا میں اس کا بدلہ ان کی اولاد کو دینا چاہتا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء)

اس کی تائید میں علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں۔

مامون کو بے شبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت پر جوش محبت آمیز عقیدت تھی اس کا لازمی اثر تھا کہ خاندان نبوت کے ساتھ بھی اس کو دلی اخلاص ہو۔ اس مراعات کا ایک اور سبب تھا جس کو خود مامون نے ایک اور موقع پر بیان کیا ہے۔ اس نے کہا کہ "ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک بنی ہاشم کو بھی کوئی ملکی عہدہ نہیں دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خاندان کے ساتھ کچھ فیاضی نہ کی لیکن علی مرتضیٰ جب خلیفہ ہوئے تو عبداللہ بن عباس کو بصرہ۔ عبیداللہ کو یمن۔ معبد کو مکہ۔ قثم کو بحرین کی حکومت دی اور آل عباس میں کوئی باقی نہ رہا۔ جس کو حکومت میں کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ ہمارے خاندان پر یہ فرض باقی چلا آتا تھا جس کو اب میں نے ادا کیا ہے۔ (المامون)۔

لقب شریف آنجناب علیہ السلام کا **امام ضامن** زیادہ مشہور ہے۔ مزار مبارک طوس میں ہے جو بعد وفات آنجناب شہید مقدس کے نام سے موسوم ہو گیا ہے اور مرجع خاص و عام ہے۔

لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

اے دل غلام شاہ جہان باش و شاہ باش — پیوستہ در حمایت لطف الٰہ باش
از خارجی ہزار بیک جو نمی خرند — گو کوہ تا بہ کوہ منافق پناہ باش

چوں احمدم شفیع بود روز رستخیز — گو ایں تن بلاکش من پر گناہ باش
آنرا کہ دوستی علی نیست کافر است — گو زاہد زمانہ و گو شیخ راہ باش
امروز زندہ ام بولائے تو یا علیؑ — فردا بروح پاک امامان گواہ باش
قبر امام ہشتم سلطان دین رضاؑ — از جان ببوس و بر در آں بارگاہ باش
دستت نمی رسد کہ بچینی گلی ز شاخ — باری بپای گلبن ایشاں گیاہ باش
مرد خدا کہ زاہد تقوی طلب بود — خواہی سفید جامہ و خواہی سیاہ باش

حافظ طریق بندگی شاہ پیشہ کن
وانگاہ در طریق چو مردان راہ باش

مداح آل رسول مولنا جامیؒ جناب امام رضا علیہ التحیۃ والثنا کی منقبت میں تحریر فرماتے ہیں:۔

سلام علی آل طٰہٰ و یٰسین — سلام علی آل خیر النبیین
سلام علی روضۃ حل فیہا — امام یباہی بہ الملک والدین
امام بحق شاہ مطلق کہ آمد — حریم درش قبلہ گاہ سلاطین
شو کالخ عرفان گل شاخ احسان — در درج امکان مہ برج و تمکین
علی ابن موسی الرضا کز خدایش — رضا شد لقب چوں رضا بود و شد آئین
ز فضل و شرف بینی او را جہانے — اگر نبودت تیرہ چشم جہاں بین
پی عطر روبند حوران جنت — غبار درگہ بگیسوی مشکین
اگر خواہی آری بکف دامن او — برو دامن از ہر چہ جز او دست در چین
چو جامی چشد لذت تیغ مہرش — چہ غم گر مخالف کشد خنجر کین

دیگر شعرا رنا مدار نے بھی ہزار ہا مقامات پر جناب امام علیہ السلام کی مدح و منقبت میں گہر ریزی کی ہے۔ یہاں چند اشعار ملک الشعرا زحسان العجم حکیم قاآنی کے ناظرین کی ادبی ضیافت کے خیال سے نقل کئے جاتے ہیں :۔

بگرد و ن تیرہ ابری با مداوان برشد از دریا — جواہر خیزد و گوہر بیزد و گوہر بیزد و گوہر زا
چو چشم اہرمن خیرہ چو روی زنگیان تیرہ — شدہ گفتی ہمہ چیرہ بمغزش ملت سودا
شبہ کوں چوں شب عاشق گرفتہ چوں دل عاشق — با شک دیدہ واشق بزنگ طرہ عذرا
تنش با قیر آلودہ دلش از شیر آمودہ — بروں پر سرمہ سودہ دروں پر لؤلؤ لالا
بدل گلشن بتن زنداں گہی گریاں گہی خنداں — چو در بزم طرب رنداں ز شور نشار صہبا
چو دودی بر ہوا رفتہ چو دیوی مست و آشفتہ — زدہ بس در نا سفتہ ز مستی خیرہ بر خارا
شدہ خورشید نور افشان بتاری جرم او پنہاں — چو شاہ مصر و رزنداں چو ماہ چرخ و ظلما
دیا در تیرہ چہ بیژن نہفتہ چہرۂ روشن — دیا روشن گہر بہمن شدہ در کام اژدرہا
لب غنچہ رخ لالہ بروں آوردہ بتخالہ — ز بس باران از ان ژالہ بطرف گلشن صحرا
ز فیض او دمیدہ گل شمیدہ طرۂ سنبل — کشیدہ از طرب بلبل بشاخ سرخ گل آوا
عذار گل خراشیدہ خط ریحاں تراشیدہ — ز بس الماس پاشیدہ بباغ از ژالہ بیضا
از او اطراف خارستان شدہ یکسر بہارستان — دز و رشک نگارستان زمین از لالہ حمرا
فگندہ بر سمن سایہ و من را دادہ سرمایہ — چمن زو غرق پیرایہ چو رنگین شاہدی رعنا
ز بیمش مرغ جاں پر دز ہمش زہرہا در رد — چو او چوں اژدہا غرد و یا چوں دد کشد آوا
خرد شد ہر دم از گردوں کہ پوشد بر تن ہامون — ز سنبل کسوت اکنوں ز لالہ خلعت دیبا
فشاند در چمن ژالہ و ماند از دمن لالہ — چناں از دل کشد نالہ کہ سعد از فرقت اسما

کنون از فیض او بستان نماید از گل و ریحان
برنگ چهرهٔ غلمان ببوی طرّهٔ حورا

چمن از سرو و سیمبر همال خلخ و کشمر
دمن از لاله و عبهر طراز تبت و نیما

ز بس گلهای گوناگون چمن چون صحف انگلیون
تو گوئی فرش سقلاطون صباکرده درو مرمی

ز بس خوبان فرخ رخ گلستان غیرت خلخ
همه چون نوش در پاسخ همه چون سیم در سیما

ز بس لاله ز بس نسرین دمن رنگین چمن مشکین
ز بوی آن ز رنگ این هوا بخش دمن بیا

گل از باد و دمان و لرزان و زان مشک ختن ابزان
بلی بود شگفت ارزان کسا دعنبر سارا

ز قرلاله و سوسن ز نور نور و نسترون
دمن چون وادی ایمن چمن چون سینهٔ سینا

چو در هامون چو در بستان صفا اندر صف گل بین
ز کیو لاله نعمان ز کیو نرگس شهلا

تو گوئی اهل یک کشور برهنه پا برهنه سر
چمان در خشک سال اندر بهاموں ابر استسقا

چمن از فرّ افرودین چنان نازان بدشت چین
که طاوس از فر شاه دین برین نگذید خضرا

هزبر بیشهٔ امکان نهنگ لجهٔ ایمان
ولی ایزد منان علی عالی اعلا

امام ثامن ضامن حرمش چون حرم آمن
زمین از خرم او ساکن سپهر از غرم او پویا

نهال باغ طیبین بهار مرغزار دین
نسیم روضهٔ یاسین شمیم دوحهٔ طه

سحاب عدل را ژاله ریاض شرع را لاله
خود بر چهر او واله رواں از مهر او شیدا

نظام عالم اکبر قوام شرع پیغمبر
فروغ دیدهٔ حیدر سرور سینهٔ زهرا

رضای او رضای حق قضای او قضای حق
دلش از ماسوای حق گزیده عزلت عنقا

ردای قدس پوشیده بهنجم نفس کوشیده
ببزم انس نوشیده مئے وحدت زجام لا

مے از مینای لاخورده سبق از ماسوا برده
وزان پس سر بر آورده زجیب جامه الا

ندود و ده ز رنگ امکانی شده در نور حق فانی
چو در مهر نورانی چو آب دجله در دریا

زدہ در دشت لاخرگہ کہ لامعبود الا اللہ
ز کلخ نفی جستہ رہ بخلوتگاہ استثنا

شدہ از بس بیاد حق بحر نفی مستغرق
چناں باحق شدہ ملحق کہ استثنا بستثنی

رموز علم اوریسی بود ذوقی نہ تدریسی
چہ داند ذوق ابلیسی رموز علم الاسما

بسر از لطف حق تا جت طریق شرع منہاجت
بساط قرب معراجت فسبحان الذی اسری

مہین نو یادہ آدم ہیں پیرایہ عالم
چو خیر المرسلین محرم بخلوتگاہ او ادنی

تو جسم شرع را جانی تو در عقل را کانی
تو گنج کان یزدانی تو دانی سر ما فی

تو دانائی حقائق را تو بینائی دقائق را
تو رویانی شقائق را زناف صخرہ صما

امام محمد تقی بن امام علی رضا

لقب شریعت آپ کا جواد زیادہ مشہور ہے۔ مشہور ہے کہ ولادت باسعادت آنجناب کی ۱۹۵ھ میں ہوی اور وفات پچیس سال کی عمر میں ۲۲۰ھ میں بماہ ذیقعدہ ہوی اور جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قبر مبارک کے قریب ہی تدفین عمل میں آئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو بھی زہر دیا گیا۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں اور بقول بعض تین بیٹیاں آپ کی یادگار ہیں۔

امام علی نقی علیہ السلام ابن امام محمد تقی علیہ السلام

ولادت باسعادت آنجناب کی ۲۱۲ھ میں بقول بعض ۲۱۴ھ میں ہوی۔ علم و

فضل وسخاوت میں اپنے باپ کے وارث تھے صاحب سعادۃ الکونین لکھتے ہیں۔

لقب وی نقی و ہادی است و معروف بعسکری است زیرا کہ وی رضی اللہ عنہ را خلیفہ معتصم از مدینہ بسر من رائے سکونت کنانید و این سر من رائی را عسکر گویند چرا عسکر یعنی لشکر است۔ در آنجا لشکر خلیفہ مدتہا اقامت داشت پس او را باعتبار این نسبت عسکری گویند و در فصل الخطاب نوشتہ کہ از کثرت مردمان در بغداد تنگی شد۔ لہذا خلیفہ آنجا با لشکر خود قرار گرفت۔ آن شہر مشہور بہ عسکر شد و وے رضی اللہ عنہ ہمیشہ مکرم و معزز نزد خلفا و عباسیہ ماند تا کہ در زمانہ معتز باللہ بن متوکل باللہ روز دوشنبہ بتاریخ بست و پنجم در شہر جمادی الآخر سنہ دو صد و پنجاہ و چہار سفر آخرت گزید و ابن الاخضر و شیخ مفید شیعی و طبری در ماہ رجب از سنہ مذکور گفتہ و بعضی شیعہ گویند کہ او را معتز باللہ زہر دادہ بود و عمر شریف وی بروایت اول کہ در پیدائش گذشتہ چہل سال و بہ روایت ثانی چہل و دو سال و چند روز بود و وی رضی اللہ عنہ در خانہ خود در سر من رائے در شارع ابو احمد رشیدی مدفون شد و بودن مزار شریف وی در قسم صحیح نیست در آنجا قبر فاطمہ دختر موسی بن جعفر است رضی اللہ عنہم و بودن وی در سر من رای دہ سال و بعضی بست سال گفتہ اند و اما فرزندان وی رضی اللہ عنہ سہ پسر و یک دختر است و آن حسن و حسین و جعفر و عائشیہ اند و بعضی نام دختر عایشہ گفتہ اند و مفید شیعی چہار پسر گفتہ و نام چہارم محمد مینگوید۔ احوال حسین معلوم نیست و اما بعض او را ابو جعفر گویند بعد فوت والد ماجد بحجاز رفت تا ببالائی قریہ موصل بہفت فرسنگ رسیدہ وفات یافت و قبر وی آنجا در مسجد ہم است و اما جعفر او را ابو عبد اللہ گویند و وی ہمنام امام جعفر جد خود است و جد او را شیعہ امام صادق دانند و جعفر کذاب گویند۔

ذکر خاندان نقوی متوطنہ امروہہ

جعفر بن امام علی نقی سے مورث خاندان نقوی متوطنہ امروہہ جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کا شجرۂ نسب بذریعہ سید ہارون (بن جعفر بن امام علی نقیؑ) متفرع ہوتا ہے صاحب عمدۃ الطالب نے اس کی صراحت اس طرح کی ہے۔

امام علی الہادی فیلقب العسکری لمقامہ بسر من رای وکانت تسمی العسکر واُمہ ولد وکان فی غایۃ الفضل ونہایۃ النبل اشخصہ المتوکل الی سر من رای فاقامہ بھا الی ان توفی واعقب من رجلین ھما الامام ابو محمدؑ الحسن العسکری کان من الزھد والعلم علی امر عظیم وھو والد الامام محمدؑ المھدی ثانی عشر الائمۃ عند الامامیہ وھو القائم المنتظر عندھم من امہ ولدا سمھا نرجس واسم اخیہ ابو عبد اللہ جعفر الملقب بالکذاب لادعائہ الامامۃ بعد اخیہ الحسن ویدعی اباکرین لانہ اولد مائۃ وعشرین ولدا ویقال لولدہ الرضویون نسبہم الی جدہ الرضا واعقب من جماعۃ انتشر منھم عقب ستۃ ما بین مقل ومکثر وھم اسمعیل حریفا وطاھر ویحیی الصوفی وھارون وعلی دادریس فمن ولد اسمعیل بن جعفر الکذاب ناصر بن اسمعیل المذکور

واخوہ ابو البقاء محمدؒ ومن ولد طاہر بن جعفر الکذاب ابو
الغنائم بن محمدؒ الدقاق بن طاہر بن محمد بن طاہر المذکور
وابو یعلی محمد الدلال بن ابی طالب حمزہ بن محمدؒ بن طاہر
المذکور ومن ولد یحیی الصوفی بن جعفر الکذاب ابو الفتح احمد
بن محمد بن الحسن بن یحیی الصوفی المذکور وھو نسابۃ
المعروف بابن الحسن الرضوی وله اخ اسمه علی وابا القاسم
کان فاضلا ویحفظ القران ویری بالنصب اعقب بمصر ومن
ولد ھارون بن جعفر الکذاب علی بن ھارون ابناہ
الحسن والحسین اعقبا بصیدا من بلاد الشام (عمدۃ الطالب)

نیز یہ عبارت اس کتاب مطبوع کے حاشیہ پر مرقوم ہے۔

من اولاده سادات امروھه وھی قریة من مضافات دھلی
وردھا اولاد السید شرف الدین شاہ ولایت وھو ابن السید
علی بزرگ وھو ابن السید مرتضی وھو ابن السید ابی المعالی و
ھو ابن السید ابی الفرح الصیداوی الواسطی وھو ابن السید حاؤد
وھو ابن السید حسین وھو ابن السید علی وھو ابن السید ھارون
المذکور فی المتن وایضاً من اولاد السید ھارون سادات
کرویز المشھورون فی الھند۔

اسی طرح کتاب مستطاب کنز الانساب وبحر المصاب میں جو شرح سید مرتضیٰ علم الہدیٰ
نے مستند سادات ہندوستان وغیرہ کی لکھی ہے۔ اس میں سادات امروہہ کے نسب کے

اتصال کے متعلق حسب ذیل عبارت تحریر ہے:۔

امروہہ قریۂ از مضافات دہلی است۔ سادات آنجا از اولاد سید شرف الدین شاہ ولایت بن سید علی بن سید مرتضیٰ بن ابی المعالی بن ابی الفرج بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر کذاب بن امام علی نقی الہادی علیہ السلام می باشد۔

اسی شجرہ کو صاحب اسراریہ وغیرہ بھی نقل کرتے آئے ہیں۔ عبارت اسراریہ کی یہ ہے

می گوید فقیر حقیر محمد کمال بن سید محمد لال سید بدھ بن سید حامد بن سید چاند بن سید بدھن بن سید مجاہد الدین بن سید عزیز الدین بن سید شرف الدین بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابی المعالی بن سید ابو الفضل و اسعلی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی بن امام ہادی علی نقی بن امام جواد محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین سید الشہدا بن امام علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ رضی اللہ عنہم و قدس اسرارہم کہ احوال اکثری ازین بزرگان اندر کتب تواریخ سلف مسطور است و بر السنہ مذکور اما در ثمرات القدس مجملے از احوال سید شرف الدین و بعض از اولاد و یاران وے چنین مے نویسد کہ سید شرف الدین امروہہ ملقب بصاحب ولایت نور اللہ مضجعہ وے از بزرگان سادات واسطیہ است صاحب خوارق جلیلہ و کرامات عظیمہ در علوم ظاہری و باطنی بعہد وے کسے بوے نرسیدہ۔

صاحب ریاض الانساب لکھتے ہیں۔

(دیگر نسب سادات امروہہ ہنداست۔ ایشان از اولاد سید شرف الدین شاہ ابن سید علی بن سید مرتضیٰ بن سید ابی المعالی بن سید ابو الفرح الصیدادی الواسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی (کذاب) بن علی النقی علیہ السلام۔ (ریاض الانساب ومجمع الاعقاب معروف بہ بحر الانساب جامع مرزا محمد ملک الکتاب شیرازی مطبع داؤدی بمبئی جلد دوم ص ۲۲۳)

صاحب تاریخ گلزار شمس تبریز لکھتے ہیں۔

(ذکر سادات امروہہ من مضافات دہلی اولاد سید شرف الدین شاہ وارد ہند۔ بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفرح صیدادی واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر کذاب تواب بن علی نقیؑ۔ (ص ۳۴۵ مصنفہ سید ملک شاہ المعروف شجاع الملک شمسی)۔

الغرض جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت سے مورث خاندان نقوی امروہوی کا سلسلہ نسب متواترات سے جناب امام علی نقی علیہ السلام سے متصل اور ثابت ہے، ہزارہا دستاویزی شہادتیں صدہا سال کی اس کے اثبات کے لیے موجود ہیں اور صدہا سال کا تواتر سماعی وشہرت ملکی اس کی مزید تائید میں موجود ہے سلطنت وحکومت کے ہزارہا فرامین وکاغذات اور دیگر مصنفین کی صدہا تصنیفات اور دیگر کتب معتبرہ سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ حسب صراحت عمدۃ النسابین السید جمال الملۃ والدین احمد بن علی بن مہنا داؤدی الحسنی المتوفی ۸۲۸ھ سید ہارون (بن جعفر بن الامام علی نقی) کے فرزندان سید حسن وسید حسین ملک شام کے شہر صیدا میں صاحب اولاد ہوئے (ومن ولدھما ان

بن جعفر الکذاب علی بن ہارون ابناء الحسن والحسین اعقبا بصیدا من بلاد الشام (عمدۃ الطالب) سید حسین (بن سید علی بن سید ہارون بن جعفر بن امام نقی علیہ السلام) کے پوتے سید ابو الفرح (بن سید داؤد بن سید حسین مذکور) مقام صیدا سے نقل مقام کرکے شہر واسط میں اقامت فرما ہوے۔ اسی لیے سید ابو الفرح صیدا وی الواسطی مشہور ہیں۔ اور یہی عمدۃ الطالب کے حاشیہ میں بھی درج ہے جس کی نقل اوپر درج ہو چکی ہے۔ سید ابو الفرح صیدا وی الواسطی کا نام سید ابو الفضل بھی بعض شجروں میں درج ہے اور کیا عجب ہے کہ آنجناب کا اصلی اور حقیقی نام ابو الفضل ہی ہو اس کی تائید سید محمد میر عدل امیر اکبری کے فرزندان نامدار کے اسماء گرامی ابو الفضل و ابو المعالی سے بھی ہوتی ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ شاید میر عدل موصوف نے اپنے اجداد کے ناموں پر اپنے بیٹوں کے نام ابو المعالی و ابو الفضل رکھے تھے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ سید ابو الفرح مذکور کا دوسرا نام یا کنیت ابو الفضل ہو۔ اور یہ شکل بھی کثیر الوقوع ہے کہ ایک ایک فرد کے کئی کئی نام نظر آتے ہیں۔ بہر حال سید ابو الفرح واسطی سے نیچے کی طرف سلسلہ نسب بتوسط سید ابو المعالی و سید مرتضیٰ و سید علی بزرگ حضرت مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہے علاوہ کثیر اور قدیم ترین دستاویزی شہادتوں کے جو اس ماضی بعید کی اب ملنی ممکن ہیں اطراف واکناف وخاص امروہہ کی صدہا سال کی مسلسل اور غیر منقطع شہادت سماعی وشہرت ملکی آنجناب کے صحیح النسب سید علوی واسطی ہونے کی قطعی دلیل ہے حتیٰ کہ امروہہ ومضافات امروہہ کا بچہ بچہ ہمیشہ سے جناب کی سیادت نسب وعظمت حسب اور شاہ ولایت ہونے پر ہمیشہ بے گواہی دیتا آیا ہے۔ اور اب بھی امروہہ کے در و دیوار و کوچہ و بازار و صغار و کبار اس پر گواہی دے رہے ہیں

امروہہ میں جناب کی آمد کے متعلق مختلف روایات مشہور ہیں۔ قدیم تذکرہ نویسوں نے یوں تو جناب کے تصرفات روحانی وفیوض باطنی وسیادت نسب وشوکت حسب وکشف وکرامات پر بہت کچھ تحریر فرمایا ہے لیکن افسوس ہے کہ زمانہ ورود امروہہ کے متعلق ان تذکرہ نویسوں کے بیانات میں اختلاف ہے اور کسی ایک مقام سے کوئی ایسی مستند روایت دستیاب نہیں ہوسکتی جس سے قطعی طور پر تاریخ ورود آنجناب یا سال پیدائش آنجناب رح کا یقین کامل ہوسکے۔ البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ ابن بطوطہ مشہور سیاح جب ۷۴۱ھ میں امروہہ پہنچا اس وقت آنجناب کے فرزند نامدار امروہہ کے حاکم وقاضی تھے۔ ابن بطوطہ کا قیام دو ماہ تک اپنے سفر کے سلسلہ میں امروہہ میں رہا۔ اپنے مشہور سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ (ثم وصلنا الی امروھا وھی بلدۃ صغیرۃ حسنۃ فخرج عمالھا وجاء قاضیھا الشریف امیر علی وشیخ زاویتھا واضافانی ضیافۃ حسنۃ) یعنی پھر ہم امروہہ پہنچے جو ایک چھوٹا سا اچھا شہر ہے اس کے حکام اور قاضی شہر امیر علی اور شیخ زاویہ دونوں باہر آئے اور انہوں نے میری ضیافت عمدہ طور پر کی۔ ابن بطوطہ کے اس بیان سے یہ امر متحقق ہوجاتا ہے کہ ۷۴۱ھ میں جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کے فرزند نامدار قاضی سید امیر علی بقید حیات موجود تھے۔ عہدہ قضا پر امور ہونے کے لیے یہ بھی خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس زمانہ میں یہ عہدہ محض نکاح خوانی کی حد تک ہی نہ تھا جیسا کہ ہم اس زمانہ میں دیکھتے ہیں۔ بلکہ ان کے متعلق اہم فرائض تصفیہ حقوق رعایا و دیوانی و فوجداری مقدمات کے انفصال وغیرہ کے ہوتے تھے۔ اور علی العموم ان عہدوں پر علماء نامدار اور سن رسیدہ لوگوں کا تقرر ہوتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ کمسن و ناتجربہ کار لوگوں سے ان خدمات جلیلہ وحقوق العباد کا تصفیہ متعلق نہیں کیا جاسکتا ہے ان جملہ حالات

میں سید امیر علی صاحب موصوف کی عمر کا تخمینہ ۱۴۱۰ء میں پچاس ساٹھ سال ہوتا ہے۔ اور یہی قرین عقل ہے کہ ایسے اہم عہدوں پر اسی سن و سال کے لوگ ہوتے تھے پس اگر ۱۴۱۰ء میں آنجناب کا سن ساٹھ سال قرار دیا جائے تو آپ کی پیدائش (۱۴۱۰ - ۶۰ = ۱۳۵۰) قریباً ۷۵۰ھ میں ہوی جو قرین عقل و صواب ہے ۷۸۰ھ میں اگر سید امیر علی صاحب کے پدر بزرگوار یعنی مخدوم شاہ ولایت رح کی عمر شریف چالیس سال قرار دی جائے تو بہرحال یہ تخمینہ قرین عقل اور یہ تعین قرین قیاس قرار پاتا ہے۔ اس میں دس بیس کی کمی بیشی بھی ممکن ہے مگر چالیس سال کی عمر صاحب اولاد ہونے کے لیے عام حالات انسانی میں زیادہ قرین صواب ہے۔ پس (۷۸۰ - ۴۰ = ۷۴۰) قریباً چھ سو چالیس ہجری حضرت شاہ ولایت رح کا سال پیدائش قرار پاتا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے آنجناب کا سال پیدائش ۵۵۲ھ لکھدیا ہے جو ابن بطوطہ کی صراحت متعلق ہو جانے کے بعد قرین عقل نہیں رہتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ غلطی سے بجائے ۶۵۳ھ کے ۵۵۳ھ تحریر ہو گیا ہو اس قسم کی غلطیاں اکثر تذکرہ نویسوں کے بیانات میں بعض اوقات بوجہ عدم تحقیق اور بعض اوقات بوجہ سہو و خطاء انسانی اور بعض اوقات بیانات نقل در نقل ہوتے میں ہو جاتی تھیں۔ پس بعض تذکرہ نویسوں کے بیان کردہ سال پیدائش کو بجائے ۵۵۳ھ کے ۵۵۳ھ بار کر لینا بھی قرین قیاس ہے ہمارے ان بیانات کی تائید ایک دوسری متواتر روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ متواتر نقل ہوتا آیا ہے کہ جناب شاہ ولایت رح کا نکاح سید جلال الدین میر سرخ بخاری رح کی دختر سے ہوا تھا۔ بقول مصنف مظہر جلالی و صاحب تاریخ الاولیا میر سرخ بخاری رح کا وصال انیسویں جمادی الاول ۷۶۹ھ میں ہوا اور زمانہ ورود ہند آنجناب کا ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ہے پس اگر جناب شاہ ولایت رح کا سال پیدائش ۶۴۰ یا

۶۵۳ھ قرار پائے تو اس حساب سے میر سرخ بخاری رح کی دختر سے عقد ہونے کی روایت متواتر کی بڑی حد تک تصدیق ہوتی ہے۔ دیگر قرائن سے بھی یہی رائے قرار پاتی ہے کہ حضرت شاہ ولایت رح کی پیدائش ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی ہے۔ اور قیاس غالب یہ ہے کہ جناب کا سال پیدائش ۶۴۰ یا اس کے قریب ہی قریب ہے۔

علمائے علم نسب نے متعدد اصول علمی حیثیت سے تحقیق نسب کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ مثلاً شہرت ملکی و شہرت مقامی و تواتر سماعی و شہادت و شاہد یزی و شہادت اقوی (مثلاً ہم شباہت ہونا باپ دادا کا) وغیرہ وغیرہ۔ ازانجملہ اتصال نسب کی جانچ کے لیے ایک مقبول معیار یہ بھی قرار دیا ہے کہ جس مورث سے سلسلہ نسب کو جانچنا منظور ہو یہ دیکھا جائے کہ وارث اور مورث کے درمیان فی صدی تین پشتوں کا اوسط برآمد ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر فی صدی تین کا اوسط برآمد ہو تو سمجھنا چاہیے کہ سلسلہ نسب بیان شدہ متصل ہے۔ عام مشاہدہ کی بنا پر بھی اس معیار کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ اور جہاں تک عام حالات پر غور کر کے دیکھا گیا یہ اوسط صحیح نکلتا ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مشہور مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اس بیان سے ایک استقرائی قانون پیدا ہوتا ہے اور اس سے آبائی پشتوں کا شمار دریافت ہو سکتا ہے اس طرح کہ جب کسی خاص شخص سے لے کر اپنے آپ تک کا زمانہ کسی کو معلوم ہو لیکن پیڑھیوں کے شمار میں کچھ شبہ ہو کہ کس قدر گذر چکی ہیں۔ تو اس حالت میں یہی کیا جائے کہ ہر صدی کے لئے تین پیڑھی یا پشتیں خیال کی جائیں۔ اگر زمانہ معلوم پیڑھیوں کے مشتبہ عدد پر پورا تقسیم ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ عدد معلوم صحیح ہے۔ اور اسی قدر پیڑھیاں اب تک

گذر چکی ہیں۔ اور اگر ایک قرن کی کمی رہ جائے تو جاننا چاہیئے کہ عدد میں غلطی ہے۔ اور عدد میں ایک پیڑھی زیادہ مان لی گئی ہے۔ اور اگر عدد زمانہ ایک قرن کی برابر زیادہ ہو تو ایک پیڑھی کم خیال کرنا چاہیے۔ اسی طرح آباؤ اجداد کا شمار معلوم ہونے سے کسی خاص پیڑھی کا زمانہ بالعکس عمل کرنے سے تقریباً صحیح معلوم ہو سکتا ہے۔ (ترجمہ مقدمہ ابن خلدون)۔

لیکن یہ بیان کردہ معیار بطور قاعدہ کلیہ کے نہیں ہے۔ البتہ اسے قاعدہ اکثریہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ بعض غیر معمولی صورتوں میں خصوصاً ان اقوام میں جن میں تعدد ازدواج پر عموماً عمل ہوتا اور آرام و عیش کا سامان بافراط ہوتا ہے۔ اس کے خلاف بھی دیکھا گیا ہے۔ اور اسّی اور نوّے سال کی عمر تک بھی بعض اشخاص کے اولاد ہوتی دیکھی گئی ہے۔ بر سبیل مثال دیکھئے امروہہ کے مشہور و معروف مولوی جناب مولوی سید محمد احسن صاحب الحسنی القادری مرحوم ساکن محلہ شاہ علی سرائے کے ۹۵ سال کی عمر میں اولاد ہوئی۔ اور اس وقت ان کا یہ فرزند بفضلہ تعالیٰ بقید حیات موجود ہے۔ اور اسّی سال کی عمر میں اولاد ہونے کی مثالیں تو بکثرت مل سکتی ہیں پس اس قسم کی خاص صورتوں میں فی صد سال تین پشتوں کا اوسط قائم رہنا ممکن نہیں ہے لیکن چند صدیاں گذر لینے کے بعد عام مشاہدہ کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ یہی اوسط قریب قریب صحیح برآمد ہو جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں فی صدی تین پشتوں سے زیادہ کا اوسط برآمد ہونا بھی ممکن ہے۔ الغرض قاعدہ اکثریہ یہی ہے کہ پشتوں کا شمار کرنے میں تین پشت فی صد سال کا اوسط مانا جاتا ہے۔ اور جب کسی نسب کا اتصال دریافت طلب ہو تو تین پشت فی صد سال کے حساب سے ہی اس کی جانچ کرتے ہیں اب تک اسی مقبولہ و مسلمہ معیار پر انساب کی جانچ ہوتی آئی ہے اور

تمام مشہور و مقبول خاندانوں کے شجرہ ہائے نسب دیکھنے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اگر وارث اور مورث اور اس سلسلہ کے تمام افراد کا تعین ہو چکا ہے تو ان سے اسی معیار پر زمانہ درمیانی کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر زمانہ معلوم ہے تو پشتوں کا شمار اسی معیار پر کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ ایک سوال ہے کہ جب زمانہ معلوم ہو اور اس قاعدہ کی بنا پر پشتوں کا تعین کیا جائے تو اس شمار میں وارث اور مورث یا بالفاظ دیگر جانبین کا شمار بھی ان افراد میں کیا جاتا ہے یا نہیں اس میں دونوں طریق سے عمل جاری ہے۔ بعض نسابین (تین فیصدی کا اوسط شمار کرنے میں جانبین کو بھی شمار کرتے ہیں۔ اور بعض اس کے خلاف جانبین کے نام چھوڑ کر درمیانی وسائط کا شمار کرتے ہیں۔ نتیجہ قریب قریب وہی ہے اور جب کئی صدیوں کا زمانہ زیر بحث ہو تو دو تین پشتوں کی کمی بیشی اتصال نسب کے لئے ناقابل لحاظ قرار پاتی ہے اور ان صورتوں میں وارث کے صحیح النسب ہونے میں کلام نہیں کیا جاتا ہے (اس پر اور نسب کی دیگر اصولی بحثوں کے لیے ملاحظہ ہو جلد دوم)۔

بقول علامہ ابن خلدون جس کی نقل اوپر ہوئی۔ اور بقول دیگر علماء علم نسب زمانہ درمیانی معلوم ہونے کے بعد فی صد سال تین پشت کا اوسط بالعموم اتصال نسب کے لئے بطور قاعدہ اکثریہ کے دیکھا جاتا ہے پس اس قاعدہ کی بنا پر دیکھا جائے کہ جناب شاہ ولایت رح اور ان کے مورث جناب امام علی نقی علیہ السلام کا درمیانی زمانہ کس قدر ہے جیسا کہ ابھی تحقیق ہوا۔ جناب شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کا سال پیدائش قریباً ۱۲۴۰ھ ہے۔ اور جناب علی نقی علیہ السلام کا سال وفات ۲۵۴ھ تمام مذکرہ نویسوں کا مسلمہ ہے پس ان دونوں بزرگوں کا درمیانی زمانہ (۱۲۴۰-۲۵۴=۳۸۶) تین سو چھیاسی سال برآمد ہوتا ہے۔ اس مدت میں یعنے تین سو چھیاسی سال میں قریباً گیارہ پشتوں کا اوسط بحساب

پشت فی صد سال قاعدۂ اکثریہ کی بنا پر بغرض اتصال نسب دیکھا جائے گا۔ لہٰذا خلاصۂ شجرۂ نسب جناب شاہ ولایتؒ اور وہ یہ ہے۔

سید شرف الدین بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفرح بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر بن امام علی نقیؑ۔ اب اگر جانبین یعنے سید شرف الدین شاہ ولایتؒ اور امام علی نقیؑ کے ناموں کا شمار کر لیا جائے تو گیارہ پشتیں شمار میں آتی ہیں اور اس طرح اتصال نسب میں اس قاعدہ مقررہ مقبولہ کی بنا پر کوئی شک و شبہہ باقی نہیں رہتا ہے۔ اور اسی عدد یعنی گیارہ پشتوں کی ضرورت ۳۸۴ سال زمانہ درمیانی کے لیے بر بنا قاعدہ اکثریہ مقبولہ تھی جو قطعاً ثابت اور سلسلۂ نسب بہر جہت متصل اور غیر منقطع اور بہر نہج صحیح ہے۔ اب رہی دوسری صورت یعنی یہ کہ جانبین (جناب شاہ ولایت و امام نقیؑ) کے ناموں کو اس قاعدہ کی بنا پر جانچ کرنے میں نہ شمار کیا جائے تو درمیانی اسما کا شمار "۹" ہوتا ہے اور اس طرح بھی سلسلہ نسب متصل اور غیر منقطع قرار پاتا ہے۔ آنجناب کا نسب شریف اپنے مورث امام نقیؑ سے بہر دو صورت متصل ہے۔ خواہ جانبین کے ناموں کو شمار میں لایا جائے یا نہ لایا جائے کیونکہ عام مشاہدہ کی بنا پر اور بقول نسابین ثابت ہے کہ دو صدیوں میں پانچ اور چار واسطے بھی پائے جاتے ہیں اور آنجناب اور امام علی نقی علیہ السلام میں قریباً پونے چار صدی کا فصل ثابت شدہ امر ہے۔ پس اگر درمیان کے پشتوں کا عدد "۹" بھی مانا جائے تب بھی اتصال نسب اور کامل طور پر صحت نسب ثابت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

اس حد تک جناب شاہ ولایتؒ کی ولادت کے متعلق بحث تھی۔ آنجناب کے سال وفات کے متعلق بھی تذکرہ نویسوں میں باہم اختلاف ہے اور کسی ایک مقام سے اس کا

تعین بدرجہ یقین نہیں کیا جا سکتا ہے۔ البتہ علی وجہ الیقین اس قدر بربنا رمتواترات کہا جا سکتا ہے کہ آنجناب نے بزمانہ پیری کہن سال ہوکر انتقال فرمایا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے (قدم مردانہ فوق الامکان زد) مادۂ تاریخی آنجناب کے وصال کا تحریر فرمایا ہے۔ یہ مصرعہ جس طرح بیان کیا جاتا ہے اسے ہم یہاں از اول تا آخر نقل کرتے ہیں:۔

شہ من سکہ بر نقد روان زد — علم بر قبہ آسمان زد
چو ماہ چاردہ تابندہ بر ملک — طبر در بردہ ہوش جہان زد
سر شاہان عالم کار فرمائے — خیال اندیش را راہ گمان زد
چراغ خانۂ نور نبوت — فروغ دیدۂ اندر دیدگان زد
خوری سرچشمہ جود و فیوضات — ضیا بر مطلع امن و امان زد
سواد کلک عالی ہمت او — رقم بر لوح مشق کن فکان زد
مقامش منزل قرب الٰہی است — خیال او مثال این و آن زد
سر اہل صفا را اوست سردار — جمالش جلوہ اندر قدسیان زد
زہے شاہ ولی قطب اقطاب — کہ بر انس و ملک جیش بجان زد
بگنجد در قلم وصف کمالش — کہ ہر یک ذرہ وصفش بزبان زد
سفر کردہ چو او بالائے افلاک — جہاں را ولولہ شکست و بر فغان زد
چو جستم سال تاریخ وفاتش — بدم ایں مصرع ہاتف بزبان زد

کہ سال نقل آن شاہ ولایت رح

قدم مردانہ فوق لامکان زد

اس نظم کے شعر آخر میں اگرچہ شاہ ولایت کا ذکر ضرور ہے لیکن کسی شاہ ولایت

کا نام نظم میں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی غور طلب ہے کہ یہ نظم کب اور کس نے لکھی۔ چند تذکرہ نویسوں نے اسے بلا کسی صراحت کے درج کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نظم کسی دوسرے شاہ ولایت سے متعلق ہو۔ اور جناب سید شرف الدین سے زمانہ دراز گزر لینے کے بعد یہ نظم مرتب ہوئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر سال وفات کی کافی تحقیق کے شاعر نے محض بربنا شہرت مصرعہ تاریخی موزوں کیا ہو۔ بہرحال اس پر کوئی قطعی رائے قائم نہیں کیجا سکتی ہے۔ بظاہر حالات یہ مصرعہ تاریخی جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کی وفات سے متعلق نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ جناب سید شرف الدین جہانگیر شاہ ولایت ثانی بن سید علی بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح کی وفات سے یہ مصرعہ ثانی متعلق ہو جیسا کہ صاحب تاریخ امروہہ کا خیال ہے۔ جناب مولوی سید اعجاز حسن صاحب مرحوم (بن سید علی حسن بن سید محمد علی از نبائران سید مبارک بن سید نتجب)۔ ساکن محلہ گذری نے جو زمانہ حال کے علماء نامدار اور مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رح کی اولاد میں تھے جناب سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا سال وفات ۷۳۹ھ تحقیق فرمایا ہے اور ظن غالب ہے کہ یہ قریب قریب صحیح ہے۔ صاحب تاریخ امروہہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ ۷۳۹ھ جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کا سال وفات زیادہ قرین صحت ہے (تذکرۃ الکرام ص۱۵) ۷۳۹ھ اگر سال وفات مانا جائے اور جیسا کہ تحقیق ہوا قریباً ۶۴ھ سال ولادت آنجناب کا ہے۔ اس حساب سے قریباً سو سال عمر آنجناب کی قرار پاتی ہے۔ جو ہر طرح قرین عقل و قیاس ہے (بست و یکم رجب) آنجناب کے سال وفات کا مادہ تاریخی بھی مشہور ہے۔

اس حد تک جو کچھ تحریر ہوا وہ آنجناب کی ولادت اور وفات کے زمانہ کے متعلق تھا۔ اب آنجناب کی زندگی اور سیرت شریف کے متعلق جس قدر قدیم و جدید کتب سے

تحقیق ہو سکا ہے درج کیا جاتا ہے۔ اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کے متعلق متعدد کتب تذکرہ ایسی موجود ہیں جن میں اس زمانہ کے بعض مشائخ کبار وصاحبان سلسلہ کا ذکر موجود ہے حضرت مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت کے متعلق بدرجۂ تواتر یہ منقول ہے کہ آنجناب سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں بیعت تھے اور آپ کا سلسلہ بیعت منشاء خداوندی سے آگے نہ چل سکا اور غالباً بلکہ یقیناً یہی وجہ ہے کہ بعض کتب تذکرۂ آنجناب کے حالات سے خالی ہیں۔ جو نام صاحبان سلسلہ کے متواتر نقل ہوتے چلے آئے ہیں ان میں سے جو صاحبان سلسلہ بباعث اپنی شہرت کے زیادہ نامور ہوئے ان کے اسما کے ساتھ ساتھ معتبر اور غیر معتبر ہر قسم کی روایات ان کتب تذکرہ میں ایک دوسرے سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں مگر چونکہ جناب مخدوم شاہ ولایت رح کا سلسلہ بیعت باقی نہ رہ کر قطع ہو گیا۔ بعض مشہور کتب تذکرہ میں بھی دیگر مشائخ کرام وصوفیاء عظام کے ساتھ آپ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ہمارے اس خیال کے موئید صاحب تاریخ امروہہ بھی ہیں۔ جو۔ تحریر فرماتے ہیں "مشائخ ہند کے حالات میں سے کسی میں آپ کا ذکر نہیں ہے۔ اور غالباً یہ اس بنا پر ہے کہ آپ صاحب سلسلہ نہیں ہیں۔ (تذکرۃ الکرام صہ ۸ حاشیہ) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جن معدودے چند بزرگوں کا حال ہمیں اس قدر زمانہ دراز گذر لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ وہ مخصوص وہی افراد ہیں جن کا سلسلہ بیعت آنے والی صدیوں میں باقی رہا ورنہ ہزارہا وہ قابل قدر اور عظیم الشان ہستیاں جو اس زمانہ بعید میں خاصان خدا میں تھیں آج دنیا میں کسی تذکرہ کی کتاب میں ان کا نام نہیں ملتا ہے۔ سچ ہے! مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے۔

خود سلسلہ عالیہ سہروردیہ کو ملاحظہ کیجئے کہ معدودے چند ناموں کے سوائے جن کا تذکرہ محض بقائے سلسلہ کے لیے کتب تذکرہ صوفیا میں ایک دوسرے سے نقل ہوتا

چلا آیا ہے کیسی کیسی بڑی ہستیاں وہ ہیں جن کا کوئی ذکر کسی کتاب میں نہیں ملتا ہے۔ اسی سلسلہ طیبہ عالیہ میں جناب مخدوم شاہ ولایت قدس اللہ سرہ العزیز بھی ایک بڑی ہستی تھے اور یہ بھی تواتر نقل ہوتا آیا ہے کہ آپ کا سلسلۂ بیعت آیندہ باقی نہ رہا۔ ثمرات القدس من شجرات الانس ایک قدیم کتاب تذکرۂ صوفیا و مشائخ کی ہے جو ننسلہ یا اس کے قریب میں لکھی گئی ہے۔ اس میں مؤلف کتاب نے اپنے معاصرین کے علاوہ اولیاء کبار کے حالات بھی تحریر کئے ہیں۔ اس میں مخدوم سید شرف الدین رح کا نام نامی اور آپ کے حالات درج ہیں۔ اور جیسا کہ ان کتب تذکرہ میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ ان حالات میں زیادہ تر وہ امور از قسم کرامات وغیرہ درج ہیں۔ جو چودھویں صدی ہجری کی علمائے کے نزدیک بمشکل قابل قبول ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسری کتاب تذکرہ کی اسرار یہ ہے۔ جو زمانہ حال سے تین سو سال قبل کے ہے۔ اور خود جناب مخدوم شاہ ولایت رح کی اولاد میں سے ایک صاحب سید کمال ولد سید لال نے اسے لکھا ہے اس کتاب میں بھی جناب مخدوم شاہ ولایت رح کے حالات اور کرامات کا تذکرہ ملتا ہے۔ اور جیسا کہ اس قسم کی تمام کتب تذکرہ کا حال ہے۔ رطب و یابس اس میں بھی موجود ہے۔ جناب مولوی سید اعجاز حسن صاحب مرحوم مذکور تحریر فرماتے ہیں:۔

امام صاحب ثمرات القدس و اتباع او صاحب اسرار یہ وغیرہ تقلہاد ارند محمول بر خوش عقیدگی ایشان است بلکہ بعض روایات ایشان از حیطۂ خوارق و کرامات ہم متجاوز است و باین غلو در اظہار کرامات حالات تاریخی و واقعات بعید از ہ و سنہ ازین کتب ثمرات القدس وغیرہ ہویدا نمی شود۔ و انچہ نوشتہ اند خلاف واقعہ و دور از قیاس و امی نماید بلکہ تا حد و تہافت از ان بری آید

..... الخ تذکرۃ الکرام ص۹۔

صاحب اسرار یہ جناب مخدوم شاہ ولایت رح سے متعلق کرامات وخوارق عادات کا ذکر تفصیل کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ:۔

واز ثقاۃ انجا استماع افتاد کہ در روضۂ متبرکہ وے گرد ہما بسیار اند و بکس ایذائے نمی رسانند تا این کہ در دست می گیرند راتم اطراف گرد مہائے انجا را آوردہ است ہم درین جا کس را نمی گزند مردمان ہم جا بجا می بر ندیش نمی زنند۔

صاحب **مقاصد العارفین** تحریر فرماتے ہیں۔

در ذکر احوال و فضائل مخدوم شاہ ولایت نام مبارک سید شرف الدین است ولقب شاہ ولایت واسے کہ بدان در غیب خوانند پیر پہاڑے نام والد بزرگوار وے سید علی بزرگ حسینی واسطی است۔ از برکات شیخ قدس سرہٗ بہدار سید و مقامی یافت کہ دران وقت خود مثل و مانند نداشت تصرف نافذہ کرامات ظاہرہ و کشف باہرہ داشت شیخ او را بولایت ہندوستان از دریائے گنگ تا کوہ کمایوں مفوض کرد۔ چون بہ ہندوستان رسید جائے اقامت بلدہ مہوبہ قرار فرمود فرزندان و عیال را در امروہہ گذاشتہ در دامن کوہ بعبادت مشغول شد و حوش و طیور و سباع و حشرات الارض و جمع گزندگان مطیع و فرمانبردار او بودند۔ بیشتر اوقات در استغراق می گزاشت و از احوال خویش بکسے اطلاع نمی داد و با خلق صحبت نداشت۔ جلال و کمال الٰہی بر جبین جمال آگاہش بتافت۔ ہر کہ دیدار پر انوارش میدید ہیبت کامل بر وئیش مستولی شدی و با حق سبحانہ تعالیٰ قربتے داشت کہ ہر چہ بزبان گفتی حق تعالیٰ مطابق آن نظہور آوردے حکم او ناطق بود و فرمانش در عالم روان قوی داشت در ابنائے روزگار ہیچ کسے را ہمسر وے

آستانہ شریف

یعنی مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رح مورث سادات فقوی متوطن امروہہ کی درگاہ شریف کا جنوبی دروازہ۔ مزار شریف دروازہ کے اندر پیش دالان نمایاں ہے

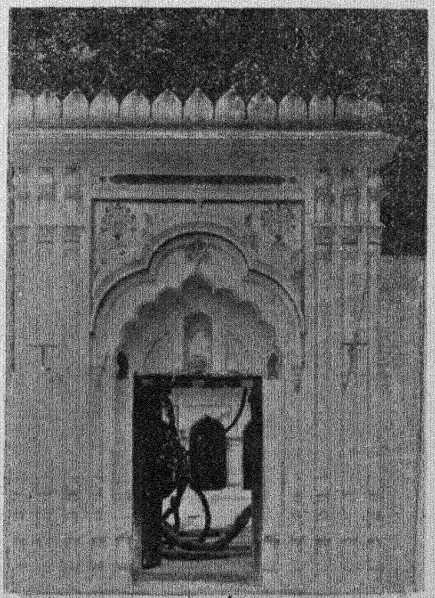

دروازہ جنوبی درگاہ مخدوم شرف الدین صاحب رح

بخیال محال بودے از اقوال اوست کہ فرمود تصرف امر او در عوالم اجنہ و وحوش وطیور وسباع والبہائم وحشرات الارض وجمیع حیوان از جنس درندگان وگزندگان وسکنان البیوت وجمیع آدمیان است و دلیل صدق کلامش کہ سراپا راست و درست بود یکے اینست کہ بدرگاہ عرش اشتباہ وے کژدم و مار بسیار بر می آیند و ہر کہ سامی انگرد و نیش کژدم یا دندان مار چون خار بعضو او خلد تصریف نافذ او کہ در جان باتاثیر تمام دارد۔ و آن کژدم و مار از ایذاے وے سر توجہ بگریبان گریز پوشند و نیش خود از جانب وے بگردانند اگر کسے کژدمے را از وصل خاک پاک درگاہش جدا کند و دست بر نیش نہد شاید گزند نیش بر جانش چنان آید ہا رام نیا ساید و شیرے از نسل شیرانی کہ در دامن کوہ پاسبان صومعہ متبرکہ مخدوم بود نداکثر اوقات بدرگاہش آستانہ بوس می کند۔

صاحب رسالہ سید سراج الدین احمد لکھتے ہیں :۔

خوارق حضرت سید شرف الدین مخدوم شاہ ولایت از بزرگان سادات وسلی است۔ صاحب خوارق وکرامات عظیم است و در عالم ظاہری و باطنی بزرگ و بزرگوار بود۔ بطوفۃ العین از مشرق تا مغرب نظری کرد۔ از عرش تا تحت الثری نظری داشت وعظمت وکرامات ولایت مشہور است۔ میر سید سراج الدین احمدی گوید ولیکن تلقین از خاندان سہروردیان یافت۔ بعہد وے کسی نرسید و در زمان سلطان فیروز شاہ ملوک ہندوستان کہ وی را تاج بادشاہان گویند در سنہ سبعین وستمایۂ دوم ماہ ذیحجہ ہمراہ پدر خود باسم سید علی بزرگ با جمع کثیر براہ ملتان آمدہ چند روز چلہ کشیدہ بہ ہندوستان آمدہ و در سرزمین قصبہ امروہہ

متوطن گردید۔ بعد از چند گاہ پدر را با ان جماعت گزاشتہ ترک از ہمہ گزیدہ دردامن کوہ کہ شمت کردہ از قصبہ امروہہ توجہ قدوم میمنت لزوم دراں کوہ رونق بخشیدہ بذکر حق سبحانہ تعالیٰ مشغول گشت۔

قریب قریب یہی حالات آنجناب کے ثمرات القدس اور جام جہاں نما وغیرہ میں تحریر ہیں۔ تاریخ وفات آنجناب کی بقول صاحب اسرار یہ ہشتم ربیع الاول و بقول صاحب جام جہاں نما ہشتم رجب ہے۔ مگر آنجناب رح کا عرس شریف ہر سال اکیسویں رجب کو ہوتا ہے۔ اور اور دیگر کتب تذکرہ سے بھی ۲۱ رجب کی تائید ہوتی ہے۔ سال وفات کے متعلق قبل ازیں بحث تحریر ہو چکی ہے۔ اور مادہ تاریخی بھی جس سے سال وفات آنجناب رح کا برآمد ہوتا ہے **(بست ویکم رجب)** مشہور چلا آتا ہے۔

یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ تاریخ ولادت و وفات آنجناب رح میں اختلاف کا پایا جانا کوئی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اکابر اولیا و ائمہ و انبیاء جلیل القدر کی تواریخ پیدائش و وفات اور بعض دیگر مشہور ترین واقعات کی تواریخ میں حسب بیانات مورخین کثیر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ تواریخ ولادت و وفات و تعداد اولاد و ازواج وغیرہ میں بے شمار اختلافات کی ایسی مثالیں مشہور ترین ہستیوں کے حالات میں نظر آئیں گی از آنجملہ خود فخر موجودات و افضل کائنات جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض واقعات تاریخ کی تواریخ اور تعین میں کیسے نمایاں اختلافات حسب بیانات مصنفین نظر آتے ہیں اور متوسطین و متاخرین علماء و صوفیا کے حالات میں تو ان اختلافات کی کوئی حد و نہایت ہی نہیں ہے۔ شاید دو چار ہی ایسی ہستیاں نظر آئیں جن کی تواریخ ولادت و وفات و عدد اولاد و ازواج و خلفا وغیرہ پر جمیع مورخین متفق نظر آئیں۔ تذکرہ

کی کتابیں ان مختلف بیانات اور کثیر اختلافات سے بھری پڑی ہیں۔

صاحب رسالہ سراج الدین احمد جناب مخدوم شاہ شرف الدین شاہ ولایت رح کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مخدوم قدس سرہٗ در علوم ظاہری و باطنی کمال داشت و بہ شریعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم ثابت داشت و ہیچ شئے را فروگذاشت۔ مخدوم قدس سرہٗ چہار خلیفہ کامل داشتہ در عین حیات بخلفائے خویش فرمودہ کہ دست از اجرائی سلسلہ باز دارند کہ در روح محفوظ سلسلہ ما انقطاع نگرفتہ و میر سید محمد ابدال ابن میر عبد العزیز ابن مخدوم قدس سرہٗ صاحب ریاضات شاقہ بود۔ کشف و کرامات کامل داشت۔ اکثر بہ شیر سوار شدہ و لے در صحرا ہی گشتے و گمراہان را ہدایت کردے ہر جا کہ کسے او را باخلاص یا بطریق استمداد یاد آوردی حاضر شدے و وے طعام نخوردی بقدرے شیر اکتفا کردے از وقتے کہ مخدوم او را منع بیعت کردہ دست از بیعت مردم باز داشت و ہر چہ تبرک مخدوم از جبہ و دستار و نعلین و امثال آنہا می داشت بہ کسے نگذاشت۔ وقت وفات بیاران وصیت کرد و گفت کہ این تبرک جدما ہمراہ من دفن رہند۔ ہمچنان کردند و بتاریخ ہفدہم ربیع الاول وفات یافت۔ قبرے در امروہہ بالائے مزار مخدوم شاہ ولایت مایل بغرب طرف شمال است۔

الغرض یہی حالات کچھ کمی بیشی اور تغیر الفاظ سے ان کتب تذکرہ میں جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کے ملتے ہیں تذکرۃ الاولیا و دیگر کتب تذکرہ سے اکثر و بیشتر اکابر صوفیا وغیرہ کے حالات اس سے زیادہ نہیں معلوم ہو سکتے اور خصوصاً چھٹی ساتویں صدی ہجری کے اولیا رکرام میں سے صرف معدودے چند ہی صاحبان سلسلہ ایسے

ملتے ہیں جن کے حالات ان کتابوں میں درج شدہ روایات سے قدرے معلوم ہوتے ہیں
جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کے متعلق تواتر سے یہ بھی نقل ہوتا آیا ہے کہ آنجناب
امروہہ سے ساٹھ کوس پر پہاڑوں میں مصروف عبادت الٰہی رہے اور بالآخر اہل خاندان
کی استدعا پر آپ تشریف لائے۔ صاحب ثمرات القدس سید شرف الدین شاہ ولایت
کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

دمی آرند کہ در آخر عمر شریفش در قبائل وے کارے در میان آمدکس را فرمحا
واتماس مقدم وے نمودند اجابت فرمود)۔

صاحب تاریخ امروہہ تحریر فرماتے ہیں۔

تذکرہ نویسوں نے آپ کو شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا مرید و خلیفہ
لکھا ہے لیکن یہ قرین قیاس نہیں۔ حضرت سہروردی کا ۶۳۲ھ میں وصال ہو چکا
تھا۔ اور یقیناً یہ وہ زمانہ ہے جب شاہ ولایت رح ممدوح کی ولادت بھی
نہیں ہوئی تھی غالب قیاس یہ ہے کہ آپ خانوادہ مشائخ ملتان کے مرید اور فیض یافتہ
تھے۔ سید جلال اعظم بخاری بھی جنھیں آپ کا خسر بتایا جاتا ہے اسی خاندان کے مرید تھے
اور خود شاہ ولایت رح کا قیام بھی ملتان میں رہا وہیں سے آپ امروہہ تشریف
لائے آپ کے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسی رح بھی ملتان ہی کے باشندے تھے
جو بعد کسب کمالات ملتان ہی کو واپس تشریف لے گئے اور وہیں سلسلہ بیعت کا
اجرا فرمایا شاہ ولایت رح کے ابتدائی زمانہ میں حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی و مرید
خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ سہروردی کے فرزند اکبر و جانشین شیخ صدر الدین عارف سہروردی سے
ملتان میں سلسلہ سہروردیہ کا فیض جاری تھا زیادہ قیاس یہ ہے کہ آپ انہیں کے مرید
اور فیض یافتہ تھے مولانا ناصح الدین سہروردی فرزند قاضی

حمید الدین ناگوری رہے غالباً آپ کو اکتساب فیض حاصل تھا شاید اسی تعلق سے شیخ معین الدین ناگوری خلف مولانا ناصح الدین موصوف کو اپنے آغوش تربیت میں رکھ کر خرقہ خلافت سے ممتاز فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نویسوں نے عدم مبالاۃ کی بنا پر سلسلہ بیعت کے دو واسطوں کو ترک کر کے آپ کو شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کا مرید و خلیفہ قرار دیا۔

آپ کے صرف چار خلفائے باکمال اور صاحب حال ہوئے۔ ایک آپ کے پوتے سید محمد ابدال دوم ہادہاری۔ دوسرے قاضی عبداللطیف واسطی تیسرے شیخ معین الدین ناگوری چوتھے شیخ نظام الدین عباسی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اول الذکر تینوں حضرات امروہہ میں رہے اور یہیں آسودہ ہیں۔ ان حضرات سے سلسلہ بیعت جاری نہ ہوا۔ چوتھے خلیفہ حضرت شیخ نظام عباسی رح بعد اکتساب کمالات ملتان چلے گئے وہیں سلسلہ بیعت بھی جاری کیا۔ مجاوران درگاہ میں سے چند لوگ جو محلہ نوگزہ میں ساکن ہیں وہ آپ کے خادم شیخ نظام کی اولاد میں ہیں۔ ان کو حضرت شیخ نظام الدین عباسی علیہ الرحمہ کے خاندان سے جس کا کوئی فرد بھی کبھی امروہہ میں مسکن گزین نہیں رہا دور کا واسطہ اور تعلق بھی نہیں۔

عُرس:۔ انیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن آپ کا عرس ہوتا ہے۔ ہمیشہ سے عرس کا اہتمام آپ کی اولاد کی جانب سے ہوتا تھا۔ بڑے تلے والے کایستھ صاحبان بھی نور وثی عقیدت کی بنا پر عرس میں حصہ لیتے رہے ہیں۔

صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹرس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

آپ کی درگاہ وسیع احاطہ میں ہے جس میں کثرت سے آپ کی اولاد کی قبور

ہیں۔ یہ عجب واقعہ ہے کہ آپ کا عرس صرف سادات ہی نہیں کرتے بلکہ بڑہ تلے والے کا لیتھ بھی کرتے ہیں۔ جو یہاں کے قدیم ساکن ہیں۔ اور پہلے زمانہ میں اسلامی ارکان اور اسلامی رسوم کی زیادہ پابندی کرتے تھے)

ان کے علاوہ شہر کے عوام الناس بالخصوص آپ کے خاندان کے پروردہ و متوسلین اور رعایا کے لوگ پلاؤ پکا کر تقسیم کرتے ہیں۔ عہد اسلامی میں عرس کے اخراجات کے لیے کچھ املاک علیہ شاہی اور بعض اشخاص کی پیش کردہ وقف تھیں۔ جب سے آپ کی اولاد میں تشیع کا رواج ہوا رفتہ رفتہ عرس کے اہتمام سے بھی بے پرواہی ہوگئی۔ موقوفہ املاک بھی باقی نہ رہیں۔ اب مجاوران درگاہ اور بعض دوسرے عقیدتمند البتہ روشنی کا انتظام کرتے ہیں اور شہر کے عوام الناس تیلی تنبولی اور قسائی وغیرہ پلاؤ پکا کر تقسیم کرتے ہیں۔

اولاد امجاد حضرت شاہ ولایت رح کے دو فرزند قاضی سید امیر علی اور سید عبدالعزیز (جو عزیز اللہ اور عزیز الدین سے بھی موسوم ہیں) اور ایک مسماۃ بختوی ہوئیں۔

صاحب آئینہ عباسی جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ کا حال ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس عرصہ میں جناب سید شرف الدین شاہ ولایت رح تشریف لائے۔ جناب ممدوح سادات حسینی واسطی ہیں بایں طور کہ جناب سید شرف الدین شاہ ولایت رح بن سید علی بزرگ بن سید رتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفضل واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی بن امام ہادی علی نقی بن امام جواد محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق

بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین شہید بن علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ و رضی اللہ عنہم۔ واسطے مع اپنے والد ماجد جناب سید علی بزرگ کے جمعیت کثیر سے براہ ملتان ہندوستان میں آئے۔ اور اس قصبہ امروہہ میں اقامت فرما کر اور سب کو یہاں چھوڑ کر آپ جانب کوہ تشریف لے گئے اور مدتہائے دراز تک عبادت کی۔ وقت آخر میں تشریف لائے اور وہ درخت جو مقام عبادت میں نصب کئے تھے بحکم الٰہی ہمراہ لائے اور جانب غرب امروہہ نصب کر کے فرمایا کہ یہاں ہمارا مدفن ہو۔ چنانچہ بعد از انتقال وہیں دفن کیا اور تاریخ وفات آپ کی :۔

قدم مردانہ فوق لامکان زد ہوی

اور آپ کی اولاد دربار سلاطین ہند میں خصوصاً خاندان تیموریہ میں معزز اور منصب دار رہے جیسے سید محمد میر عدل کہ بڑے عالم فاضل صاحب نسب منصبدار نہصدی خطاب میر عدل زمانہ اکبر میں سرفراز تھے۔ اور ان کے بھائی اور برادرزادہ اور بیٹے مناصب پانصدی چہارصدی سہ صدی ممتاز تھے۔ اور زمانہ جہانگیر و شاہ جہاں و عالمگیر میں بھی اکثر صاحب منصب رہے۔ معافیات کثیرہ حاصل کی ہیں۔ اور ان میں اکثر صاحب جیسے سید عبدالخالق۔ و سید شرف الدین جہانگیر و سید محمد میر عدل صاحب علوم ظاہر اور باطن میں بہرہ ور تھے۔ چنانچہ اکثر صاحبان دربار کلاں مرید خاندان حضرت گنج بخش گنڈہ کمیشری و بعض صاحب بعد کو خاندان نقشبندی مجددی جناب شاہ عالم بچھراوتی سے بیعت ہوئے۔ جیسے خاندان سید اسد اللہ خان عرف بر کلو وغیرہ یہ اہل باطن صاحب نسبت تھے اور اب تک ان کی دودمان والا میں ریاست چلی آتی ہے۔ سید محمد علی مظفر خاں محلہ گذری میں اور سید محمد حسین خان دربار کلاں میں دربار سلاطین عہد میں ممتاز ہیں

محلہ لکڑا اور حقانی اور سٹھی اور غلام علی والہ اور شفاعت پوتہ اور مجا پوتہ اور چھپوڑہ وسرائے کہنہ و بگلہ محلہ اولاد سید صاحب کی ہیں۔ اور ایک صاحبزادہ کی اولاد مغلپورہ میں جاری ہے۔ (از نقل آئینہ عباسی)۔

صاحب آئینہ عباسی امروہہ کے بزرگان دین کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

اول اقدم واسبق ایشان جناب ولایت مآب سید شرف الدین شاہ ولایت خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بہت آدمی آپ سے فیضیاب ہوے۔ اور اکثر کرامات آپ کی کتب سیر میں مندرج ہیں۔ آپ کی درگاہ شبانہ روز زیارت گاہ خواص و عام ہے۔ "بچھوا اندر حصار درگاہ بلکہ درگاہ کا بچھو اور جگہ سے جاؤ جب بھی نہیں کاٹتا۔ آپ نے سلسلہ جناب باری سے چاہا تھا انقطاع ہوا۔ آپ نے بعیت اپنے خاندان میں موقوف کر دی (از نقل آئینہ عباسی)۔

صاحب تاریخ امروہہ تحریر فرماتے ہیں۔

حسینی ان میں سب سے قدیم تعداد میں سب سے زیادہ اور معزز و باوقار خاندان اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا ہے۔ حضرت ممدوح کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقیؑ سے متصل ہوتا ہے ان سادات نقوی کی سکونت شہر کے اکثر محلوں میں ہے آپ کے فرزند اکبر قاضی سید امیر علی کی نسل سے اکثر لوگ محلہ لکڑہ و حقانی اور کچہ گھر محلہ قاضی زادہ محلہ صدو اور محلہ پچدرہ میں ملقب بہ متولی ہیں۔ ان کے علاوہ موضع اخوان پور شہر بریلی و دہلی وغیرہ میں ساکن ہیں۔ آپ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کی اولاد سے امروہہ میں اکثر لوگ محلہ دربار کلاں ہی۔ گذری۔ شفاعت پوتہ۔ مجا پوتہ لورانی پوتہ۔ محلہ بگلہ چھپوڑہ۔ کٹرہ غلام علی بواجہ سرائے

میں ساکن ہیں۔ اور کچھ مگر محلہ سرائے۔ کہنہ حقانی و محبہ کرم علی خان میں ہیں۔ کچھ لوگ امروہہ سے باہر مثلاً سنبھل فیروزپور۔ دکنور پور ضلع فتح پور ہسوہ میں سکونت رکھتے ہیں۔ (تاریخ امروہہ)۔

اولاد سید شرف الدین شاہ ولایت رح

آنجناب علیہ الرحمہ کے دو فرزند نامدار تھے جن کے نام امیر علی اور عبدالعزیز ہیں عبدالعزیز صاحب کا نام عزیز اللہ و عزیز الدین بھی بیان کیا جاتا ہے۔ پسر اکبر امیر علی صاحب وہی ہیں جو بوقت ورود ابن لبطوط امروہہ کے قاضی اور بقول بعض اقضی القضاۃ ہند بھی رہ چکے ہیں۔ روایت متواتر کے علاوہ شہادت دستاویزی کثیر المقدار سے بھی یہی ثابت ہے کہ جناب شاہ ولایت رح کے دو ہی فرزند تھے صاحب اسرار یہ تحریر فرماتے ہیں

وہم ایں زیادہ تری گفت کہ از صاحب ولایت دو پسر ماندہ۔ سید امیر علی و سید عزیز اللہ۔ و از اولاد این دو عزیز چہ در امروہہ وچہ در سنبھل وچہ در غیر ذالک مردم بزرگ و اہل این کار پیدا شدند (اسرار یہ)۔

دیگر تمام کتب تذکرہ بھی اس بیان پر بلا استثناء متفق ہیں۔ اور خاندانی روایات بھی جو تواتر سے نسلاً بعد نسل چلی آ رہی ہیں۔ یہی ہیں کہ جناب شاہ ولایت رح کے یہ دو ہی فرزند تھے۔ اور ایک دختر مسماۃ بختوی تھیں۔

یہاں سید عبدالعزیز صاحب اور ان کی اولاد کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

سید امیر علی صاحب کی اولاد امجاد کا ذکر جلد دوم میں ہوگا۔

جیسا کہ ابھی بیان ہوا سید عبدالعزیز (بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح) کا نام عزیز اللہ و عزیز الدین بھی مشہور ہے آپ جناب ولایت مآب کے چھوٹے فرزند ہیں خاندانی روایات میں بیان ہوتا چلا آیا ہے کہ سید عبدالعزیز کی شادی بادشاہ ہند کی دختر سے ہوئی تھی کتب تذکرہ میں بھی اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مگر سخت تعجب ہے کہ صاحب اسرار یہ جو اسی خاندان کے ایک فرد اور زمانہ میں بھی قریب تر ہیں۔ اس شادی کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں جس بادشاہ وقت کا نام عام طور سے لیا جاتا ہے وہ فیروز ہے فیروز نام کے دو بادشاہوں کا ذکر تاریخ ہند میں موجود ہے۔ ان میں پہلا فیروز خلجی ہے اور دوسرا فیروز تغلق ہے فیروز خلجی کا زمانہ سلطنت ۶۸۹ھ سے ۶۹۵ھ تک تاریخ میں مذکور ہے۔ سید شرف الدین شاہ ولایت رح کے ذکر میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ آپ کے بڑے لڑکے سید امیر علی کی ولادت تقریباً ۷۱۰ھ میں ہوئی ہے کیونکہ آپ ابن بطوطہ سیاح کے میزبان امروہہ میں ۷۴۱ھ میں رہ چکے ہیں۔ اور اس وقت آپ قاضی شہر تھے۔ اور اس زمانہ کے عام حالات کے اعتبار سے ایک بڑے مجسٹریٹ اور جج کی عمر پچاس ساٹھ سال ہونا ہی بلحاظ اہمیت فرائض متعلقہ قرین عقل ہوتا ہے۔ پس اگر بڑے بھائی کی پیدائش قریباً ۶۸۰ھ میں تسلیم کی جائے تو چھوٹے بھائی کی پیدائش یقیناً ۶۸۰ھ سے بعد میں تسلیم کرنا واجب ہے۔ ان حالات میں مشکل ہا در کیا جا سکتا ہے کہ فیروز خلجی کے عہد سلطنت میں فیروز خلجی کی دختر سے سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا عقد ہوا یہ امر دیگر ہے کہ فیروز خلجی کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد اس کی دختر سے آنجناب کا عقد ہوا۔ مگر روایت میں یہ بھی کہا جاتا ہے

کہ خود بادشاہ نے جو لڑکی کا باپ تھا اپنی موجودگی میں یہ عقد کرایا تھا پس اگر یہ مانا جائے کہ فیروز خلجی کی کسی دختر سے سید عبدالعزیز مذکور کا عقد ہوا تو روایت کا یہ حصہ غلط تسلیم کرنا پڑے گا کہ خود بادشاہ نے یہ عقد کرایا تھا۔ اب رہا دوسرا بادشاہ یعنی فیروز تغلق اس کا زمانہ سلطنت ۱۳۵۱ء سے ۱۳۸۸ء تک ہے۔ اور یہ امر بڑی حد تک خلاف قیاس ہے کہ بادشاہ وقت نے ایک ایسے شخص سے اپنی لڑکی کا عقد کیا ہو جس کے بڑے بھائی کی عمر اس کے عہد سلطنت کے آغاز میں یعنی ۱۳۵۱ء میں قریباً ستر اسی سال ہو قطع نظر اس تاریخی بحث کے یہ امر بھی خاص طور پر اس شادی کی روایت کے سلسلہ میں قابل لحاظ ہے کہ خاندان شاہی میں اس شادی کے ہونے کا کوئی ذکر قدیم کتب تذکرہ مثلاً ثمرات القدس و اسرار یہ و مقاصد العارفین وغیرہ میں نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ عدم ذکر عدم شے کو مستلزم نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے روایت میں ضعف ضرور پیدا ہو جاتا ہے بڑی حد تک یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ فیروز خلجی کی کسی دختر سے آنجناب کی شادی ہونا کسی معتبر اور قدیم دستاویزی شہادت سے ثابت نہیں ہے۔ فیروز تغلق کی دختر سے عقد ہونا بھی کسی ایسی شہادت سے ثابت نہیں ہے۔ اور بڑی حد تک خلاف قیاس بھی ہے اگر اس دیرینہ روایت کی کوئی اصلیت ہے تو ممکن ہے کہ خانوادہ شاہی میں سے کسی دوسرے بادشاہ کی لڑکی سے آنجناب کا عقد ہوا ہو جس کی کوئی قدیم شہادت معتبر بجز زبانی روایت متواتر کے بالفعل ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ اکابر امت کے متعلق نکاح وغیرہ کے معاملات میں دیرینہ اختلافات چلے آتے ہیں۔ جن پر نہایت دلچسپی اور گرما گرمی سے آئے دن مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ تاریخی نقطۂ نظر سے یہ ایسا کوئی اہم معاملہ بھی نہیں ہے۔ یہ صرف ایک دیرینہ روایت ہے جو دہن بدہن چلی آ رہی ہے

البتہ اس کے دیرینہ تواتر سے ایک قیاس ضرور قایم ہوسکتا ہے کہ خانوادہ شاہی میں ایسی کوئی قرابت قائم ہوئی تھی۔ اب خدا ہی جانے کہ کیا واقعات تھے اور کس بادشاہ کی لڑکی سے یہ عقد ہوا تھا۔ اور کوئی ایسا عقد ہوا بھی تھا یا نہیں۔

سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت کا شجرہ نسب نیچے کی جانب سید محمد میر عدل امیر اکبری و سید مبارک تک اس طرح ہے۔ (سید مبارک و سید محمد میر عدل برادران پسران سید منتجب ثانی بن سید بڑے بن سید چاند بن سید منتجب بن سید راجی بن سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح۔

جناب سید شاہ ولایت رح کا سال وفات جیسا کہ اوپر تحقیق ہوا تقریباً ۷۴۰ھ ہے۔ اور یہ امر بھی بہرحال تحقیق شدہ ہے کہ سید محمد میر عدل نے سن رسیدہ ہوکر ۹۸۵ھ میں وفات پائی ہے۔ اور بوقت وفات وہ صوبہ بہکر یعنی سندھ کے گورنر تھے۔ چونکہ روایت متواتر یہ ہے۔ کہ پیرانہ سالی میں جناب نے وفات پائی۔ یہ قیاس کرلینا جائز ہے کہ بوقت وفات جناب کی عمر شریف ستر پچھتر سال ضرور تھی۔ اور پیرانہ سالی میں وفات پانے کی تائید میں دستاویزی شہادت متواتر بھی کثیر موجود ہے۔ پس اگر ۹۸۵ھ میں آنجناب کی عمر ستر سال باور کی جائے تو سراسر مقتضائے عقل و قرین قیاس ہے۔ اس حساب سے آنجناب کا سال پیدائش (۹۸۵ - ۷۰ = ۹۱۵) قریباً نو سو پندرہ ہجری برآمد ہوتا ہے۔ جناب سید شرف الدین شاہ ولایت رح کے سال وفات ۷۴۰ھ ہجری سے اس کا بعد زمانی (۹۱۵ - ۷۴۰ = ۱۷۵) تقریباً ایک سو پچھتر سال بر آمد ہوتا ہے۔ بحساب تین پشت فی صد سال ایک سو پچھتر سال کی مدت کے لئے تقریباً پانچ پشتوں کی ضرورت ہوتی ہے شجرہ نسب میں جانبین کو شمار میں نہ لانے کے بعد سید عبدالعزیز و سید راجی و سید منتجب و سید چاند

وسید بڑے و سید منتجب ثانی کے جملہ چھ نام شمار میں آتے ہیں۔ اور اس طرح یہ شجرہ نسب بالکل متصل اور متواترات سے ثابت ہے۔ صدہا دستاویزی شہادتیں بھی موجود ہیں۔ جن سے یہ شجرۂ نسب ہمیشہ سے متصل تسلیم ہوتا چلا آیا ہے۔

سید مبارک و سید محمدؒ ہر دو حقیقی بھائی سید منتجب ثانی کے فرزند ہیں ان دونوں نامی گرامی بھائیوں کے حالات سے امروہہ میں کون واقف نہیں ہے میر سید مبارک کی اولاد میں سادات محلہ گذری و شفاعت پوتہ وغیرہ ہیں۔ اور سید محمدؒ میر عدل کی اولاد کا کثیر حصہ بڑے دربار میں ہے۔ کٹرہ غلام علی و پرانی سرائے وغیرہ میں بھی ان کی اولاد موجود ہے۔ ان دونوں نامی گرامی بھائیوں کا شجرہ نسب جس کی تفصیل تحریر ہوتی چلی آرہی ہے حضرت امام نقی علیہ السلام تک یہاں درج کیا جاتا ہے۔ (سید مبارک و سید محمدؒ میر عدل برادران) پسران سید منتجب ثانی بن سید بہاء بن سید زین سید منتجب بن سید ابی بن سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابوالمعالی بن (ابوالفرح) بن سید داؤد بن سید حسین بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی (کذاب و تواب) بن امام علی نقی علیہ السلام۔ سید منتجب ثانی کے یہ دو فرزندان نامدار عہد اکبری کے نامی گرامی لوگوں میں ہوئے ہیں اور ان کی اولاد میں بھی امارت و ریاست کا سلسلہ صدیوں تک رہ چکا ہے۔ اب تک بھی اس کاروان رفتہ کے کچھ کچھ آثار نظر آجاتے ہیں۔ عہد اکبری اور بعد میں اس خاندان والاشان کو جو رفعت و عزت حاصل تھی۔ اس کا کچھ اندازہ اس فہرست سے ہوسکے گا جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ہم ممنون ہیں صاحب تاریخ امروہہ کے کہ ان سب منصبداران شاہی کی فہرست یکجائی ہمیں بلا کسی زحمت ترتیب کے مل گئی۔ اور اب ہم اسے مع ان تمام تشریحی و توضیحی عبارات کے جو مصنف ممدوح نے تحریر

فرمائی ہیں بغرض اظہار حال و توضیح مقال نقل کرتے ہیں:۔

شاہان اسلام کے زمانہ میں عمال سلطنت اور منصبداروں کو علی قدر مراتب جاگیریں عطا ہوتی تھیں ان کی بھی دو اقسام تھیں۔ ایک موقت یعنی وہ جاگیریں جو دوران خدمت میں عمال و عہدہ داران حکومت و منصبداروں کو ان کے عہدہ و منصب کے مصارف و تنخواہ کے لئے دی جاتی تھیں۔ ایسے بہت سے اعلیٰ جاگیرداروں کا تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں جن کی جاگیر میں کل پرگنۂ امروہہ وقتاً فوقتاً شامل رہا ہے۔ دوسری وہ جاگیریں تھیں جو بصلۂ خدمات منصبدار اور ان کی نسلوں کو بطور مدد معاش بطریق معافی علی الدوام والاستمرار عطا ہوئی تھیں۔ ساکنان امروہہ بالخصوص سادات امروہہ کی جاگیریں اسی شق دوئم کی تھیں جو نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ معافی میں دی گئی تھیں۔ ان کا حزوی حصہ اب بھی امروہہ کے بعض خاندانوں میں باقی چلا آتا ہے۔

امروہہ کی جاگیروں کی ابتدا شروع عہد مغلیہ سے سمجھنی چاہئے۔ اس عہد سے پہلے اہل امروہہ بالخصوص سادات اولاد حضرت شاہ ولایت رح کے متعدد افراد شاہی فوج میں بسلسلہ ملازمت منسلک تھے۔ بعض عہدہ قضاۃ امروہہ پر مامور تھے لیکن اس زمانہ میں یہاں کسی کو کوئی بڑا منصب یا جاگیر عطا نہیں ہوئی تھی امروہہ کے پہلے شخص جو اپنی ذاتی قابلیت اور سلطنت کی شاندار خدمات کی بدولت منصب جلیلہ پر پہنچے مولانا سید محمد میر عدل تھے۔ میر عدلی کے بعد ۹۸۳ھ میں صوبہ بکر (سندھ) کی گورنری کے اعلیٰ عہدہ پر مامور ہوئے۔ اس وقت ان کا منصب ہزاری ذات کا تھا جو آخر عہد مغلیہ کے دہ ہزاری منصب کے مساوی بلکہ وقت میں

اس سے بھی زیادہ سمجھنا بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت عطار منصب کے لیے ذاتی دیانت وقابلیت شرط تھی۔ عہد عالمگیری کے بعد سے تو منصب وراثتی یا موروثی ہو گیا تھا۔

امروہہ کے مورخین نے ان کا منصب نہصدی لکھا ہے۔ آئین اکبری میں بھی یہی تعداد درج ہے لیکن تاریخ معصومی میں جو صوبہ سندھ کی تاریخ ہے اور جس کے مؤلف مولنا سید محمد میر عدل کے ہمعصر بلکہ شناسا تھے منصب کی تعداد ہزاری ذات درج ہے اور یہی صحیح ہے ہزاری ذات کے منصبدار کو ۱۴۰ گھوڑے ۳۱ ہاتھی ۔ ۲۱ قطار اونٹ ۱۴ قطار خچر۔ اور ۲۴ غرابہ گاڑی رکھنے پڑتے تھے جس کے مصارف و تنخواہ میں آٹھ ہزار دو سو روپیہ ماہانہ ملتا تھا۔

عہد اکبری کے منصبدار عہد اکبری میں امروہہ کے منصبداروں کی تقریباً کل تعداد صرف ایک ہی خاندان یعنی مولانا سید محمد میر عدل اور ان کے بھائی سید مبارک اور ان کے نامور اخلاف پر مشتمل تھی۔ بعض اور خاندانوں کے منصبدار بھی تھے مگر خال خال عہد اکبری میں امروہہ کے مندرجہ ذیل اشخاص منصبدار تھے:۔

نمبر شمار	نام	تعداد منصب	نام بادشاہ	خاندان
۱	میر سید محمد میر عدل	ہزاری ذات	جلال الدین محمد اکبر	حضرت شاہ ولایت اولاد سید عبدالعزیز
۲	ابوالقاسم خلف میر عدل	پانصدی	〃 〃	〃 〃
۳	سید مبارک برادر میر عدل	چار صدی پنجاہی ذات	〃 〃	〃 〃
۴	سید ابوالمعالی خلف میر عدل مذکور	سہ صدی	〃 〃	〃 〃

نمبر شمار	نام	تعداد منصب	نام بادشاہ	خاندان
۵	سید ابو الحسن خلف میر عدل مذکور	دو صدی ذات	جلال الدین محمد اکبر	حضرت شاہ ولایت اولاد سید عبد العزیز
۶	سید عبد الواحد خلف سید مبارک	دو صدی "	" "	" "
۷	سید الہادی خلف "	یک صد پنجاہی	" "	" "
۸	سید ابو الفضل خلف میر عدل	صد و بستی "	" "	" "
۹	سید عبد الجلیل " سید مبارک	صد و بستی "	" "	" "
۱۰	سید عبد الغفار " "	یک صدی "	" "	" "
۱۱	سید عبد الحفیظ " "	یک صدی "	" "	" "
۱۲	سید عبد الرشید " "	" "	" "	" "
۱۳	سید عبد المجید " "	چہار بستی "	" "	" "
۱۴	سید خضر (مورث سادات کڑہ)	" "	" "	اولاد قاضی سید امیر علی
۱۵	شیخ منعم صدیقی	دو صدی "	" "	شیوخ صدیقی
۱۶	مولٰنا الہداد عباسی	یکصد پنجاہی "	" "	خاندان عباسی
۱۷	شیخ عبد المناف صدیقی	چہار بستی		شیوخ صدیقی۔

عہد اکبری کے بعد سے سادات امروہہ بالخصوص اولاد سید عبد العزیز بن حضرت شاہ ولایت رحمہ کی اس شاخ میں جو خاندان سید منتجب بن سید بڑے سے موسوم ہے منصبداروں کی تعداد بھی زیادہ رہی اور ان میں بعض اشخاص کو اعلیٰ مناصب

اور بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ ابتدائے عہد مغلیہ سے انتزاع سلطنت اسلامی تک باشندگان امروہہ میں منصب داران شاہی کی مجموعی تعداد قریباً ۲۰۰ تھی اس میں صرف اولاد حضرت شاہ ولایت رح میں تقریباً ۱۱۶۔ اور سادات وشرفاء امروہہ کے دوسرے خاندانوں میں ۸۴ منصب دار ہوئے جیسا کہ حسب ذیل گوشوارہ سے واضح ہوگا:۔

خاندان حضرت شاہ ولایت رح											
مجموعی تعداد	اولاد فرزند اکبر	اولاد فرزند اصغر	قاضی زادگان	دانشمندان	خشخشیاں	جرولہ سادات	ترکمان سادات	صدیقیان	پیرزادگان	کنبوہ صاحبان	کمال صاحبان
۱۱۶	۲۰	۹۶	۱۸	۱۶	۱۲	۷	۶	۷	۶	۶	۶

خاندان عالیہ	مجموعی تعداد
۱	۲۰۰

ذیل میں ہر خاندان کے منصبداروں اور جاگیرداروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

خاندان سید محمد میر عدل عہد اکبری کے منصبداروں کی جو فہرست پہلے دی جا چکی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ مولانا سید محمد میر عدل کے سب فرزند شاہی منصبدار تھے۔ سید ابوالفضل اپنے عالی منزلت باپ کے ساتھ صوبہ بندہ گئے شاہی فوج کے سپہ سالار رہے متعدد معرکہ ہائے جنگ سر کئے اور بعد وفات پدر بزرگوار کچھ عرصہ تک صوبہ بھکر کے گورنر رہے۔ ان کی اولاد میں دیوان سید ابراہیم ان کے فرزند دیوان سید محمد عاقل اور ان کے فرزند سید غلام علی جن کا کٹرہ مشہور ہے۔ نیز اخوالذکر کے فرزند سید مظہر علی خان بہ سب اپنے اپنے زمانہ میں نامور منصبدار شاہی ہوئے بڑی بڑی جاگیریں نسلاً بعد نسل عطا ہوئیں۔

سید ابو الفضل کے دو اور بھائی سید ابو القاسم اور سید ابو المعالی اپنی شجاعت و شہامت اور اپنے جنگی کارناموں کی وجہ سے زندہ جاوید ہیں۔ یہ دونوں بھائی شہنشاہ اکبر کے نامور فوجی جنرلوں میں سے تھے شجاعت ہاشمی و جلادت حیدری کے جوہر دکھائے۔ ان کی تلواریں کبھی بنگال میں چمکتی تھیں اور کبھی قندہار میں۔ کبھی راجپوتانہ کے معرکے سر کیے اور کبھی بندیلکھنڈ کے۔ ایک ہندی دوہا ان دونوں کی شجاعت و شہامت اور جان بازیوں کا جو راجہ جیل فتح سنگھ کے مقابلہ میں ان بہادر فوجی افسروں سے ظاہر ہوئیں مشہور ہے۔

دل و بادل کنجر و گہنا فوج کا فرنوکائے — عادل محمد کے مہابلی سندر قاسم شاہے (سید محمد عادل) (سید ابو القاسم)

پڑی دہماکے کی چوٹ تھر تھر کانپے کوٹ — جانے چھپو گھر اوٹ۔

دھنتھ پکڑ کے جائے چھپو ہندی دور مراج — جرس کا بند دیا لو چھپا جیسے معالی قاسم باج

ناری ہم پیدے تم چلین خان سلطان — معالی قاسم جب چلیں جب چھپ رہیگے بان

آخری مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ سید ابو القاسم اور سید ابو المعالی کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ کیوں نہ ہو آخر اسی کرار غیر فرار کی نسل سے تھے جس کی شان میں ہے۔ (لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار)۔ سید ابو المعالی لاولد رہے۔ سید ابو القاسم کے فرزند سید منعم عہد شاہ جہانی میں ششصدی ذات کے منصب دار تھے۔ ۱۰۴۵ھ میں انہوں نے لاولد انتقال کیا۔ ان کے ترکے کی مالک ان کی بہن یعنی سید سراج الدین قادری مورث سادات حسنی محلہ چلہ کی زوجہ بی بی اچھی ہوئیں۔

مولنا سید محمد میر عدل کے خلف اکبر سید شاہ ابو الحسن نیدات خود بھی منصبدار تھے

ان کے فرزند عبدالخالق کی اولاد میں دیوان سید عبدالماجد شاہجہانی عہد میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب پر فائز تھے۔ بڑی جاگیر انعام پائی انہوں نے اپنی سکونت کے لیے ایک قلعہ بطور گڑھی تعمیر کرایا تھا۔ اس کو نا تمام چھوڑ کر ۱۰۴۹ھ میں انتقال کیا ان کے نامور فرزند دیوان سید محمود نے قلعہ کی تکمیل کی۔ وہ خود بھی بڑے منصبدار اور عہد عالمگیری میں صوبہ سنبھل کے دیوان اور اپنے زمانہ میں امروہہ کے سب سے بڑے جاگیردار تھے۔ (تاریخ امروہہ)۔

سید محمد میر عدل کا نام آئین اکبری میں ہفصدی امرا کی فہرست میں درج ہے لیکن جیسا کہ نقل ہوا بقول صاحب تاریخ معصومی آپ کا شمول ہزاری امرا میں ہو گیا تھا صاحب طبقات اکبری تحریر فرماتے ہیں۔

سید محمد میر عدل از فحول علماء ہند است و در قصبہ امروہہ توطن داشت بمنصب میر عدل رسیدہ بحکومت بہکر سرفراز شدہ انجا وفات حیات سپرد۔

دوسرے مقام پر طبقات اکبری میں امرا اکبری کے بیان میں یہ عبارت درج ہے:۔

سید محمد میر عدل از پرگنہ امروہہ بود بمرتبہ امارت وحکومت رسید۔ و مدتہا میر عدل بود۔ وچند سال ولایت بھکر در جاگیر او بود وانجا گذاشت۔

عہد اکبری کی مفصل ترین و مستند ترین تاریخ علامہ عبدالقادر بدایونی کی مصنفہ منتخب التواریخ نامی ہے۔ اس میں سید محمد میر عدل کے حالات جابجا تحریر ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ سید محمد میر عدل نے منصب امارت وحکومت پر پہنچ کر جس قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض منصوبہ کو انجام دیا ہے اس کے متعلق صاحب منتخب التواریخ

لکھتے ہیں :—

دیں منصب جلیل القدر طریق عدالت وانصاف وصدق وامانت مسلوک داشتے چنانچہ قاضی القضاۃ ہم جہت ملاحظہ صلابت عمری آواز خیانت وخبث باز ماندہ بود تا زمانے کہ او (سید محمد میر عدل) بدربار بود ہیچ مبتدعی وملحدے را قدرت رخنہ انداختن در دین اسلام نبود۔ بعد از و نام میر عدل بر سائر مرقع مجازی وعاریتی گشت۔

(منتخب التواریخ)۔

اسی طرح مشہور ومعروف کتاب اقبالنامہ جہانگیری میں بھی ذکر سید محمد میر عدل اور ان کے پسران نامدار کا موجود ہے ملاحظہ ہو بیان توجہ آنحضرت بدار البرکت اجمیر و ذکر اغاز سال بست وسوم الٰہی بیان آغاز بست وپنجم از جلوس وبیان سال بست وششم جلوس وسال بست وہشتم جلوس وذکر ظفر یافتن شہباز خان نیز ذکر ہزیمت یافتن سلطان مظفر گجراتی وغیرہ وغیرہ۔ ان سب بیانات کی نقل ہونا موجب طوالت ہے لہذا ہم محض حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں صاحب واسطیہ نے یہ عبارات نقل بھی کر دی ہیں۔

صاحب تاریخ امروہہ اپنی تاریخ کی جلد دوم تذکرۃ الکرام میں سید محمد میر عدل کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

میر سید محمد میر عدل | نقاوۂ دودمان سیادت باعث افتخار سلف وخلف عہد اکبری کے مشاہیر علماء وفضلاء وارکین سلطنت سے تھے نسب چند واسطوں سے سید شرف الدین حسن شاہ ولایت رحمۃ اللہ سے متصل ہوتا ہے۔ بایں طریق میر سید محمد میر عدل بن سید منتجب ثانی بن سید بدھ بن سید چاند بن سید منتجب بن سید راجی بن سید عزیز اللہ بن سید شرف الدین حسن شاہ ولایت رح۔

سلالۂ سلسلۂ مصطفوی - خفیۂ دودمان مرتضوی - فخار خاندان نقوی - سید محمد بن
سید منتجب امروھوی - میر عدل دربار اکبری وگورنر صوبہ سندھ
ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۲ کتاب ھذا (سال وفات ۹۸۵ ھجری)

سید محمد میر عدل امروھوی امیر اکبری

قازمانے کہ سید محمد میر عدل بدربار اکبری بود ھیچ دیندے وعالمے را مجال وخنہ
انداختن دردین اسلام نبود (منتخب التواریخ مولفہ علامہ عبدالقادر بدایونی امام اکبر بادشاہ)

اس تصویر کی قدیم قلمی اصل جناب مولوی سید محمد صاحب مجتہد بن
مولوی سید احمد حسین صاحب (شفاعت پور تر شجرہ نشان ۲۵) کے پاس محفوظ ہے

تقریباً ۹۱۰ھ میں پیدا ہوئے عنفوان شباب میں تکمیل علم کی غرض سے وطن چھوڑا سنبھل و بداؤں اس زمانہ میں علماء و فضلاء عصر کی موجودگی سے جن کے درس کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی علوم و فنون کے معدن و مخزن بنے ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں عام دستور تھا کہ تحصیل و تکمیل علم کی غرض سے شریف زادے اکثر وطن سے باہر چلے جاتے تھے اور سالہا سال پردیس میں رہ کر علم حاصل کرتے۔ اس نوجوان طالبعلم کو بھی تکمیل علم کا شوق اور ولولہ امروہہ سے کھینچ کر اول سنبھل لے گیا۔ استاذ الاساتذہ میاں حاتم سنبھلی قدس سرہٗ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے سنبھل میں قیام زیادہ رہا میاں صاحب کے علاوہ بعض کتابیں دیگر اساتذہ سے بھی پڑھیں سنبھل سے بداؤں گئے اور سید جلال دانشمند کے درس میں جو علم حدیث میں سید رفیع الدینؒ کے شاگرد تھے۔ شامل ہوئے منقولات میں درجۂ تبحر حاصل کیا تکمیل و تحصیل علوم کے بعد وطن واپس آئے اور درس و تدریس میں مصروف ہوئے تقریباً پندرہ بیس برس تک امروہہ میں افادہ درس جاری رہا ۹۴۲ھ کی دستاویز پر آپ کے دستخط ان الفاظ میں ملتے ہیں "شہد علی اقرارہ محمد بن منتجب الحسینی حررہ بانا ملہ حامداً و مصلیاً" اس دستاویز پر آپ کے برادر حقیقی سید مبارک کے دستخط انہی الفاظ میں ثبت ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتجب التواریخ جن کے پدر بزرگوار شیخ لوک شاہ سنبھل اور بدایوں میں میر سید محمد میر عدل کے ہمدرس تھے ۹۶۵ھ میں امروہہ آکر میر صاحب موصوف کے حلقہ درس میں شامل ہوئے تھے۔ اوائل عہد اکبری میں علماء کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ میر سید محمد بھی تقریباً ۹۶۶ھ میں بیرم خان خانخاناں کی وساطت سے دربار اکبری میں پہنچے تھوڑے ہی عرصہ میں اہل دربار اور خود شہنشاہ اکبر پر

اپنے تبحر علمی کا سکہ جما دیا۔

سنہ ۹۶۶ھ میں میر سید محمد میر عدل کا قیام آگرہ میں تھا۔ اس زمانہ کا ایک واقعہ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے جس کے سلسلہ میں میر موصوف کی گفتگو کے بعض فقرات بھی نقل کیے ہیں ان فقرات سے ان کے طرز استدلال کا اندازہ ہوتا ہے ملا صاحب لکھتے ہیں کہ ان ایام میں شیخ مبارک ناگوری سے میں آگرہ میں پڑھتا تھا۔ میاں حاتم سنبھلی بھی کسی تقریب سے آگرہ میں تشریف فرما تھے۔ شیخ مبارک رح کا ایک استفتا میں نے میاں صاحب کے سامنے پیش کیا۔ میر سید محمد میر عدل بھی اس صحبت میں موجود تھے میر سید محمد جونپوری کے دعوے مہدویت پر گفتگو چھڑ گئی۔ ملا صاحب لکھتے ہیں :-

(ترجمہ) اس مجلس میں میر سید محمد میر عدل بھی جو میاں صاحب کے شاگرد تھے حاضر تھے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ پھر انھیں (یعنی میر سید محمد جونپوری) کو مہدی کیوں کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ سب کو وعظ و پند (امر معروف نہی منکر) کرتے رہتے ہیں۔ میر عدل نے پھر دریافت کیا کہ میر عبدالحی خراسانی جو کچھ عرصہ عہدہ صدارت پر مامور رہے خان خانان کے سامنے شیخ (مبارک) کی خدمت کر رہے تھے اس کا سبب تمہیں معلوم ہے۔ میں نے کہا شیخ نے ان کو وعظ و نصیحت میں ایک رقعہ بھیجا تھا۔ اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مسجد میں اگر نماز باجماعت پڑھا کرو یہ امر انھیں ناگوار ہوا کہ شیخ مہدوی ہیں اور مجھے رفض سے متہم کرتے ہیں۔ میر سید محمد نے فرمایا کہ یہ استدلال میر (سید محمد جونپوری) کا اپنے رفض سے متہم ہونے کا اس مقدمہ پر موقوف ہے۔ کہ تم نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے اور جو نماز جماعت نہیں پڑھتا وہ رافضی

ہے حالانکہ کبریٰ اس کا ممنوع ہے اور اسی طرح یہ مقدمہ بھی نا مسلم ہے کہ شیخ امر معروف کرتے ہیں اور جو کوئی امر معروف کرتا ہے وہ مہدی ہے۔

میر عدلی پر تقریر شاہی دربار میں پہونچکر اپنی خداداد قابلیتوں اور گوناگون اوصاف کو کام میں لانے کے بہت سے موقع ملے وہ اپنے خاندان کے پہلے فرد تھے جو شاہی ملازمت میں داخل ہوکر اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے۔ ملازمت بھی اگرچہ آخر حصہ میں اختیار کی تھی لیکن بایں ہمہ ان کا تبحر علمی ان کا زہد و تقویٰ ان کا تدین ان کی راست بازی ان کا بے لاگ انصاف ان کی شجاعت ان کی شہامت ان کا تدبر ان کی محبت دین ان کا جوش اسلامی یہ اور اسی قسم کے وہ مختلف اوصاف اور کمالات تھے جن کی بدولت بہت جلد انھیں درجہ اختصاص اور علو مرتبت حاصل ہوگیا۔ اور وہ ۹۸۱ھ میں "میر عدلی" کے اعلیٰ منصب پر مامور ہوئے۔

وہ اول فرد ہیں جو سلک ملازمان درگاہ بادشاہی بمرتبہ اختصاص رسیدہ بمنصب میر عدلی امتیاز یافت (

اس عہدے کے فرائض کو انہوں نے کس دیانت اور کس قابلیت کے ساتھ انجام دیا ان کے ایک معاصر کے الفاظ میں سنئے:۔

اس منصب جلیل القدر میں انہوں نے عدالت و انصاف اور صدق و امانت کا طریقہ اختیار کیا تھا حتیٰ کہ قاضی القضاۃ بھی ان کی بزرگی کے لحاظ سے خیانت اور خباثت سے باز رہتا تھا۔ جب تک ان کا دخل دربار شاہی میں رہا کسی ملحد اور بدعتی کو دین اسلام میں رخنہ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان کے بعد سے تو میر عدل کا عہدہ دوسروں کے لیے محض برائے نام رہ گیا تھا۔ منتخب التواریخ)

میر عدل کی مہر میں یہ عبارت کندہ تھی۔

المفتقر الی اللہ ذی الغفران والفضل عبدہٗ محمد الحسینی میر العدل۔

میر سید محمد میر عدل کا سن اس زمانہ میں تقریباً پچیتر برس کا تھا ان کی بزرگی زہد و ورع اور تبحر علمی کی بنا پر بادشاہ بھی ادب و اکرام سے پیش آتا بڑے بڑے قاضی اور مفتی بلکہ قاضی القضاۃ کو بھی دم مارنے کی مجال نہ ہوتی۔ ملا صاحب نے ایک واقعہ لکھا ہے۔ جسے مولانا آزاد کے الفاظ میں سنئے۔

حاجی سرہندی کی سردربار فضیحت کی اور کوئی دم نہ مار سکا۔ اس کی حکایت یہ ہے کہ حاجی موصوف نے ایک موقع پر اکبر کا شوق دیکھکر فتویٰ لکھا کہ سرخ اور غفرانی لباس پہنا جائز ہے اور سند میں کوئی ضعیف نحیف غیر مشہور سی حدیث بھی لکھدی ملانے پیچھے۔ لیتے اور جلسہ علما میں وہ فتویٰ پیش ہوا۔ انہوں نے حدیث مذکور کی صحت میں سند دوڑائی۔ میر عدل موصوف ان پر ہیبت چھبلائے اور مین مجلس بادشاہی میں بدبخت و ملعون اور دشنامی الفاظ ان کے حق میں صرف کرکے عصا مارنے کو اٹھایا یہ اٹھکر بھاگ گئے ٹھیرتے تو ضرور مارکھاتے۔ ان کا وقار و ادب اس قدر دلوں میں پیدا ہو اتھا کہ سب بجا اور برحق سمجھتے جاتے۔ (دربار اکبری)

بھکر کی صوبہ داری

لیکن اب اکبر کے مذہبی خیالات میں انقلاب پیدا ہو رہا تھا علامہ ابوالفضل و فیضی کی رسائی دربار شاہی میں ہو چکی تھی۔ آزاد خیالی کا دور دورہ تھا۔ علماء

کی سخت گیری طبیعتین بیزار تھیں میر صاحب کی دربار میں موجودگی آزاد خیالوں کے لیے مانع اظہار خیال تھی۔ شاید اسی لیے بادشاہ نے صوبہ بھکر کی گورنری پر انھیں نامزد کیا کہ ملک کا کنارہ ہے قندھار اور ایران سے پہلو لگتا ہے۔ آپ کے سوائے کسی دوسرے پر اطمینان نہیں یکچند برس کے بڈھے تو تھے لیکن جس طرح علم و فضل اور دیانت و امانت میں یکتائے روزگار تھے شجاعت و بہادری اور سیاست و تدبر میں بھی ممتاز تھے۔

مرزا سید محمد میر عدل ..... از سادات ہندوستان در کمال فضیلت و شجاعت اختصاص داشت۔ (تاثر جہانگیری)۔

بڑے بڑے معرکوں میں داد شجاعت و مردانگی دے چکے تھے ۹۸۱ھ میں راجہ مادھو کر بندیلہ کی تادیب کے لیے جو بغاوت پر آمادہ تھا سید محمود خاں بارہہ کے ساتھ میر سید محمد بھی متعین ہوئے تھے۔ اس معرکہ میں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ اسی طرح ۹۸۲ھ میں حسین خان نکریہ کی شورش فرو کرنے میں صادق محمد خاں کی معیت میں وہ اور ان کے برادر زادے جو شاہی ملازمت میں منسلک ہو چکے تھے شریک کار تھے اب تک ان کا منصب نہ صدی تھا بھکر کی ایالت و حکومت جب تفویض ہوئی تو منصب میں بھی اضافہ ہوا۔ نہ صدی سے ہزاری ذات کے منصب پر سرفراز ہوئے شمشیر خاص خلعت اور اسپ بادشاہ نے عنایت کیا۔ (اکبرنامہ) ملا عبدالقادر لکھتے ہیں کہ اسی سال اکبر نے مسئلہ متعہ کی تحقیق سے پہلے میر سید محمد میر عدل کو جن کا وہ بہت لحاظ کرتا تھا بھکر کا صوبہ مقرر کر کے بھیج دیا اور ایک شمشیر خاص اور گھوڑا اور خلعت عنایت کیا۔ (منتخب التواریخ ۹۸۳ھ

میں وہ مع اپنے فرزند سید ابوالفضل کے بھکر گئے صوبہ داری کے فرائض کے علاوہ بوجہ ان کے علم و فضل دیانت امانت اور سیادت کے فرمان صدارت ایمہ بھکر بھی بادشاہ نے ان کو تفویض کیا۔ اس خدمت کو انہوں نے اس خلق و مروت و سخاوت کے ساتھ انجام دیا جو لازمہ سیادت و بزرگی ہے۔ اس کا چشم دید حال بھکر ہی کے ایک منصف کے الفاظ میں سنئے:۔

چون او سید و عالم بود فرمان صدارت ایمہ بھکر باو تفویض فرمودند کہ فراخور استحقاق مدد معاش تعین نماید۔ در تاریخ ۱۱ ماہ رمضان ۹۸۳ھ بہ بھکر شریف آورد و منحادیم و اکابر با عزاز تمام پیش آمدہ قریب پنجاہ ہزار بیگہ زمین مدد معاش سادات و علما و مشایخ و موالی و اہالی۔ درخور حال ہر کس تعین نمودہ و مخادیم در زمان دولت آن فراغت کردند۔ (تاریخ معصومی)۔

اس زمانہ میں صوبہ بھکر کے بعض حصص میں رعایا نے تمرد و سرکشی پر کمر باندھ لی تھی۔ میر موصوف نے جاتے ہی سیوی (موجودہ سبی) پر لشکر کشی کی۔ میر ابوالفضل سردار لشکر تھے ان کے دوسرے بھائی میر ابوالقاسم اور میر ابوالمعالی بھی اسی مہم میں شریک تھے۔ ان دلاوروں نے ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھائے اور تھوڑے ہی دنوں میں قلعہ فتح کر لیا میر معصوم مصنف تاریخ معصومی کے والد میر سید صفائی نے تاریخ لکھی۔

فتح تنبوئی شدہا ولادنی سنہ ۹۸۴ھ

کمنجہ پرگنہ کاری (علاقہ سندھ) کی رعایا اہلکاروں کے ساتھ بدسلوکی سے

پیش آتی۔ لگان کی ادائیگی۔ میں حیلہ حوالہ کرتی۔ میر صاحب نے تمام علاقہ کا
از سر نو انتظام کیا تحصیل محصول کے قواعد وضوابط منضبط کئے اور مزروعات پر
صاحب اہتمامان مقرر کئے بعض اہلکاروں کی سختی اور تشدد کی وجہ سے کنجہ کی رعایا
نے میر عدل کے آدمیوں کا مقابلہ کیا یہ لوگ جب قلعہ میں محصور ہوگئے تو تیروں
کا مینہ برسا دیا۔ میر عدل کے بہت سے آدمی شہید ہوگئے لیکن ان ظالموں نے کافر
و مومن سب کو ایک ہی کنویں ڈالکر برابر کر دیا۔

جمع از مردم خوب میر عدل بشہادت رسیدند و این بے سعادتان چاہے کہ
کہ درون قلعہ بود مومن و کافر را باجمعہم در آن چاہ افگندہ برابر ساختند۔
(تاریخ معصومی)۔

میر صاحب اس واقعہ سے بہت متاثر و متالم ہوے فوراً اپنے لشکر کو جان کے
فرزند سید ابوالفضل کی قیادت میں اس قلعہ سیوی (سیبی) میں مقیم تھا ان متمردین
کی سزادہی کے لیے طلب کیا۔

میر عدل ازین واقعہ درہم شدہ مردم خود را از سیوی طلب نمود آن مردم
بہبت انتظام مردم کاکری توجہ فرمودند۔ باندک توجہ مردم کنجہ جلاوطن شدہ
رو بگریز نہادند۔ اخر الامر سید ابوالفضل ولد میر عدل کہ سردار لشکر بود عنان تعقب
سرتافتہ غزیمت مراجعت نمود و در قلعہ بھکر آمد۔ (تاریخ معصومی)۔

میر سید محمد میر عدل جب آگرے سے بھکر جانے لگے تو ملا عبدالقادر بدایونی
بھی کچھ دور تک ان کو پہنچانے گئے۔ راستہ میں انھوں نے میر صاحب سے حسین
خاں نحریہ کے انتقال کی خبر بیان کی اور دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرنے لگے اس

وقت ملا صاحب سے گفتگو ہوئی اس کے متعلق مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ مایوسی چپ کھڑی دیکھتی تھی حیرت ہنستی تھی اور بولا نہ جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھکر سے اپنے زندہ لوٹنے کی میر صاحب کو کوئی امید نہ تھی۔ اور امید کیا ہوتی۔ اسی برس کے بڈھے تھے۔ ایک ایسے دور دراز سرحدی صوبہ کے حاکم اعلیٰ بن کر جا رہے تھے جہاں آئے دن جنگ اور قتل کا طوفان برپا تھا۔ رخصت کے وقت ملا صاحب سے کہنے لگے کہ سب یار ہمارے چلدئے۔ خدا جانے اب تم سے ملاقات ہو یا نہ ہو حقیقتاً یہ پیش گوئی ان کی پوری ہوگئی۔ اس کے بعد ملا صاحب سے ان کی پھر ملاقات نہ ہو سکی اور وہ بھکر سے پھر نہ پلٹے۔

وفات

صوبہ سندھ کی زمام حکومت ہاتھ میں لیے دوسرا ہی سال تھا کاروبار کی تصرف آب و ہوا کی ناموافقت گرمی کی حدت سے کچھ سوداوی ہوی۔ فصدلی خون زیادہ آیا جس سے ضعف بہت زیادہ عارض ہوا۔ فصد لینا ہی بہانہ موت ہوگیا اور آٹھویں شعبان ۹۸۵ھ کو یہ آفتاب علم و فضل ہندوستان کے مغربی حصہ میں غروب ہوگیا بھکر کے پرانے قلعہ میں جسم خاکی سپرد خاک ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

"سید فاضل اور اللہ بافضل" تاریخیں ہوی ہیں"

اولاد

چار فرزندان نامدار یادگار چھوڑے۔ سید ابوالفضل۔ سید شاہ ابوالحسن۔

سید ابو القاسم۔ سید ابو المعالی یہ چاروں بھائی عبد اکبری کے نامدار تھے شجرہ الاولاد ملاحظہ ہو جلد سوم میں۔

میر سید محمد میر عدل

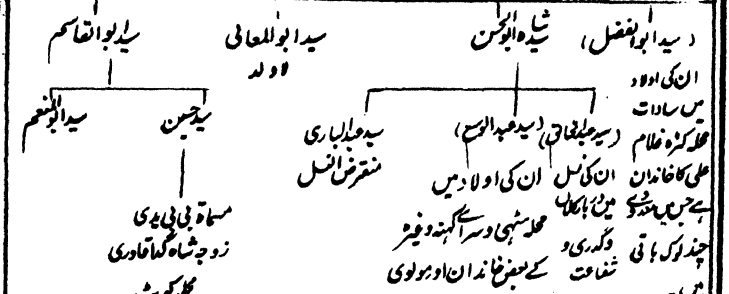

صاحب تاریخ واسطیہ سید محمد میر عدل کی اولاد کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"فائدہ دوسرا واقعات محلہ دربارکلاں بعض حالات سادات ساکنان محلہ مذکور منجملہ اولاد سید محمد میر عدل کے بیان ہیں"۔

کوائف حالات سادات ساکنان محلہ بڑا دربار یہ ہیں کہ ان کے جد امجد میر سید محمد میر عدل ابن میر سید منتجب جو بعد چار واسطوں کے پوتے مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت خلف الصدق میران سید علی بزرگ کے تھے جن کا ذکر ابھی

فائدہ اول میں ہو چکا ہے ان کے چار فرزند ارجمند اعلیٰ مراتب والا مناصب تھے اول میر سید ابو الفضل۔ دوسرے میر سید ابو الحسن تیسرے میر ابو القاسم چوتھے میر سید ابو المعالی یہ چاروں بھائی عہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ میں منصبدار ذی اقتدار نامدار تھے۔ انہوں نے عہد موصوف میں بڑے بڑے کارنمایاں کئے تھے بعض حکایات ان کی اب تک زبان زد خلائق ہیں۔ مؤلف۔

کیسے نامی تھے دلاور تھے بہادر تھے جری　　کام وہ وہ کر گئے ہے آج تک نام آوری

نیز ان کا بھی ذکر ابھی فائدہ اول میں ثبت ہو چکا ہے اور مکان مسکن میر سید محمد موصوف کا ایک حصہ شمالی محلہ حقانیوں کا تھا کہ اب جس مقام پر مسجد واقع محلہ مذکور و حویلی سید ملازم حسین نبیرہ سید فصیح اللہ و دیوان خانہ و امام باڑہ سید ہادی علی و سید حیدر علی پسران سید منہاد علی و حویلی شیخ عظیم واقع ہیں۔ مگر جناب مجدوح کے بیٹوں اور پوتوں نے اس شہر میں جدا جدا محلے خاندان وار آباد کئے۔ ان کا محل موقع پر علیحدہ علیحدہ ذکر ہوگا۔ چنانچہ میر سید ابو الحسن موصوف نے جانب جنوب الحاق میں حقانیوں کے محلہ سنی آباد کیا اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔ سید عبد الخالق جو بڑے بیٹے سید ابو الحسن موصوف کے تھے وہ محلہ پرانی سرائے میں سکونت پذیر تھے ان کے بیٹے سید عبد الماجد عہد شاہ جہاں بادشاہ میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب پر ممتاز تھے۔ چونکہ یہ بڑے اولوالعزم و عالی حوصلہ و صاحب مقدرت تھے انہوں نے ایک مسجد بہت وسیع محلہ پان بازی میں تعمیر کرائی پیش دروازہ مسجد ایک بازار آباد کیا اور آمدنی کرایہ دکانیں اس بازار میں مع حصہ تالاب پان بازی برائے صرف مسجد وقف کر دیا بلکہ صحن مسجد میں

ان کی قبریں ہیں اور وہ کل محلہ متعلقات زمینداری جناب سید عبدالماجد موصوف نے شہر کے گوشہ شرق وشمال میں بیرون حصار دوسو جنتر بگہ اراضی خام میں تعمیر کرایا جس کا ایک دروازہ شرق رویہ عالیشان بلند کمان نمود شہر اب تک موجود ہے جس کو مراد آبادی دروازہ کہتے ہیں۔ نام اس دروازہ کا شمل نام شہر کے مشہور ومعروف ہے۔ جانبین اس دروازے کے والا نچے اور بہوڑے کے کسی قدر منہدم اب تک موجود ہیں۔ شمالی پائے پر اس دروازہ کے پیش میں ایک سنگ لگا ہوا ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

اللہ اکبر

در عہد سلطان عالی شان صاحب قران ثانی شہاب الدین
شاہ جہاں بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ، سیادت مآب
میراں سید عبدالماجد این قلعہ بنا نمود۔

شد چو این قلعہ خرمی افزا — خوب مضبوط و خاص مستحکم
خواستم سالش از دبیر خرد — گفت بشمار قلعہ خورم

باہتمام بندہ کمال خان خانہ زاد شہر رمضان المبارک ۱۰۵۲ھ (معمار مان)

دوسرا دروازہ اس قلعہ کا شمال رویہ ہے جس کو چھینگا دروازہ کہتے ہیں صاحب تاریخ اصغری نے وجہ تسمیہ اس دروازہ کی یہ تحریر کی ہے کہ چھینگا ان کے دربان کا نام تھا۔ مولف کو وجہ تسمیہ اس دروازہ کی یہ تحقیق ہوئی ہے کہ چھگا نام سید محمود ولد سید عبدالماجد کے چھوٹے بیٹے کی عرفیت تھا اور محل سکونت ان کا ملحق دروازہ مذکور کے تھا اور نشست برخاست بھی ان کی وہاں رہتی تھی۔ لہذا یہ دروازہ ان کی

ان کی عرفیت کے نام سے چھنگا دروازہ مشہور ہوا لیکن بعد تعمیر قلعہ مذکور کے سید عبدالماجد موصوف کا انتقال ہوگیا بعدہٗ ان کے بیٹے دیوان سید محمود نے سکونت محلہ پرانی سرائے کی ترک کر کر اندرون قلعہ مذکور بہت بڑی عمارت عالیشان مثل محل سرائے و دیوان خانہ و باغ وغیرہ بنا کر مع برادران حقیقی کے رونق افزا ہوئے۔ اور ایک بازار کلاں اندرون قلعہ سید محمود موصوف نے آباد کیا جس کا مادہ تاریخ یہ مشہور ہے۔ کمال آراستہ بازار محمود۔

اور ایک کاروان سرائے پختہ اندرون قلعہ مذکور آباد کی اور تمام اراضی اندرون قلعہ میں بکثرت رعایا اہل اسلام و ہنود آباد کی۔ اور آبادی اندرون قلعہ مذکور کے چند محلے موسوم و مشتہر ہیں۔ اول محلہ بڑا دربار دوم محلہ مراد آبادی دروازہ سوم محلہ منڈی۔ چہارم محلہ بڑا بازار پنجم محلہ گھیر بدر علی چھنگا دروازہ۔ ہفتم محلہ کشتی۔ ہشتم محلہ بازار جٹ نہم محلہ بھٹی و ایک کاروان سرائے مسلور۔ بالائے اندرون قلعہ مذکور واقع ہیں حدود اربعہ قلعہ کی یہ ہے:۔

شرق کو تالاب کوفک۔ غرب کو تعلقات میراں سید فتح مراد ولد سید محمد صادق و بعض محلہ نیازیہ۔ جنوب کو اراضی قطعات متعلقہ قلعہ مذکور و شارع عام شمال کو سرائے شاہی کو بان تعلقہ سید محمود موصوف و محلہ شاہ علی سرائے۔ اول بڑا حصہ اندرون بڑا دربار ہے۔ اس میں اولاد نیک نہاد دیوان سید محمود ولد عبدالماجد کے شاد و آباد ہے۔ زمانہ سابقہ میں نام اس محلہ کا قلعہ سید عبدالماجد مشہور تھا عرصہ سے یہ محلہ باسم بڑا دربار مشہور ہے

(تواریخ واسطیہ)۔

شمس العلما مولنا محمد حسین آزاد مرحوم دہلوی دور حاضر کے نامور ادیب و مورخ ہوے ہیں آپ کی تصانیف اردو ادب کے لیے مایہ فخر و مباہات ہیں منجملہ دیگر تصانیف کثیرہ کے آپ کی نامی گرامی تصنیف دربار اکبری ہے۔ اور وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کسی تاریخ دوست کا کتبخانہ آپ کی اس تصنیف سے خالی نہیں ہے اس میں جا بجا سید محمد میر عدل کا ذکر موجود ہے۔ امرا اکبری کے ذکر میں عنوان قائم فرما کر سید محمد میر عدل کا ذکر اس کتاب مستطاب میں کیا ہے۔ اور جا بجا مختلف طور پر بھی اس میں میر عدل موصوف کا ذکر ہوا ہے بعض مقامات دربار اکبری سے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

مستقل عنوان قائم فرما کر شمس العلما مولنا محمد حسین آزاد دربار اکبری میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-

سید محمد میر عدل ملا صاحب لکھتے ہیں امروہہ علاقہ سنبھل کے رہنے والے تھے۔ دانشمند عابد۔ زاہد متقی۔ پرہیزگار۔ اوائل حال میں وہ اور میرے والد سنبھل اور بدایوں کے بزرگوں اور استادوں کی خدمت میں تحصیل علم کرتے تھے۔ میر سید جلال کے درس میں بھی ساتھ تھے۔ میر سید جلال حدیث میں میر سید رفیع الدین کے شاگرد تھے۔ میر سید محمد صاحب تحصیل علوم کے بعد درس و افادہ میں مصروف ہوے۔ اکبر کے دربار میں میر عدل ہوے اس منصب جلیل القدر کو نہایت عدالت انصاف راستی اور امانت کے ساتھ سرانجام کیا۔ اور حق یہ ہے کہ یہ جامہ انہی کے قد پر ٹھیک آیا تھا۔ پھر کسی کو میر عدل کہنا مثل کور سوا کرنا ہے۔ بڑے بڑے قاضی مفتی بلکہ قاضی القضاۃ ان کی بزرگی اور سن و سال کو دیکھ کر ادب سے اپنی

اپنی اپنی جگہ رک جاتے تھے۔

حاجی ابراہیم سرہندی کی سرور بار فضیحت کی اور کوئی دم نہ مار سکا اس کی مختصر حکایت یہ ہے کہ حاجی موصوف نے ایک موقع پر اکبر کا شوق دیکھ کر فتوٰی لکھا کہ سرخ وزعفرانی لباس پہننا جائز ہے اور سند میں کوئی ضعیف نحیف غیر مشہور سی حدیث بھی لکھدی۔ ملّا نے پیچھے لپٹے اور جلسہ علما میں وہ فتوٰی پیش ہوا۔ انہوں نے حدیث مذکور کی صحت میں سند دوڑائی۔ میر عدل موصوف ان پر بہت جھنجلائے اور عین مجلس بادشاہی میں بدبخت ملعون اور دشنامی الفاظ ان کے حق میں صرف کر کے عصا مارنے کو اٹھایا یہ الٹھ کر بھاگ گئے۔ ٹھیرتے تو ضرور مار کھاتے۔ اور ان کا وقار و ادب اس قدر دلوں میں پھیلا ہوا تھا کہ سب بجا و برحق سمجھتے تھے۔

ملا صاحب کہتے ہیں تعلق موروثی اور شفقت قدیمی کے سبب میرے حال پر بہت محبت کرتے تھے۔ میری ابتدائی ملازمت میں دربار کی رسائی اور بادشاہ کی شفقت دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ زمین جاگیر کے درپے نہ ہو۔ صدور کی خواریاں اٹھانی پڑیں گی۔ یہ لوگ مصر عزور کے فرعون ہیں۔ جو ہو سو داغ بادشاہی اختیار کر۔ ہائے میں ان کی نصیحت گوش قبول سے نہ سنی ناچار جو دیکھا سو دیکھا اور اٹھایا سو اٹھایا۔

۹۸۵ھ میں بادشاہ نے میر موصوف کو بھکر بھیج دیا کہ ملک کا کنارہ ہے اور قندہار ملکہ ایران سے پہلو لگتا ہے۔ بہانہ کیا کہ آپ کے سوا دوسروں پر اطمینان نہیں۔ انہوں نے جا کر کچھ رسائی کچھ چڑھائی کے ساتھ سیوی کو فتح بھی

کرلیا یہی جواب سبھی مشہور ہے) سید صاحب کی رخصت کے وقت جس حالت کے ساتھ ملا صاحب سے گفتگو ہوی۔ آہ آہ مایوسی چپ کھڑی دیکھتی تھی حسرت سنتی تھی اور بولا نہ جاتا تھا ۹۸۶ھ میں وہیں دنیا سے انتقال کیا سید فاضل اور اللہ بافضل تاریخیں لکھی ہیں۔ ملا صاحب کی ساری تاریخ میں ایک یہ اور پانچ چھ شخص اور ہوں گے کہ ان کے نشتر قلم سے صاف نکل گئے۔ فرشتہ بھی آیا ہوگا تو ایک نہ ایک کو چار ضرور کہا گیا ہوگا۔

دوسرے مقام پر شمس العلما محمد حسین آزاد دربار اکبری میں تحریر فرماتے ہیں:

علماے با اختیار میں کہ ارکین دربار تھے۔ بعض آشخاص فی الحقیقت صفا دل اور کریم النفس تھے مثلاً میر سید محمد میر عدل کہ خالص اسلام کے باخبر عالم تھے اور عالم بھی باعمل تھے۔ علوم دینیہ کی سب کتابیں پڑھے تھے مگر جتنے الفاظ کتاب میں لکھے تھے ان سے بال برابر سرکنا کفر سمجھتے تھے خاص سے لے کر عام تک سب ان کا ادب کرتے تھے۔ اور اکبر خود بھی لحاظ کرتا تھا سلطنت کی مصلحتوں کی نظر کر کے انھیں دربار سے نالا اور بھکر کا حاکم کر کے بھیج دیا۔ بے شک وہ ایسے نیک اور نیک نیت شخص تھے کہ ان کا دربار سے جانا برکت کا جانا تھا۔

حاجی ابراہیم سرہندی کے حالات تحریر کرتے ہوئے شمس العلما محمد حسین آزاد دربار اکبری میں تحریر فرماتے ہیں۔

حاجی ابراہیم سرہند کے رہنے والے تھے مگر بڑے جھگڑالو تھے۔ مباحثوں میں حریف کا دم بند کر دیتے تھے اور مغالطے کے بادشاہ تھے۔ ابھی یہ بات ابھی وہ بات۔ ابھی یہاں۔ ابھی وہاں۔ اکبر نے چاہا کہ دستی مہر پر (اللہ اکبر) کھدوائے

حاجی موصوف مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ اور یہ روکنا کچھ دین داری کی رعایت سے نہ تھا۔ فقط تفریر آزمائی تھی۔ پھر بادشاہ کی رغبت دیکھ کر آپ ہی سرخ و زعفرانی لباس کے جواز کا بھی فتوی دے دیا گرتے گئے سید محمد میر عدل نے عصا تو اٹھایا تھا لفظ کمبخت ملعون پر خیر گذر گئی بھاگ گئے ورنہ وہ مار بیٹھتے۔

ایک مقام پر دربار اکبری میں شمس العلماء آزاد تحریر فرماتے ہیں کہ سید محمد میر عدل کی معتدل تدبیروں سے قلعہ سیوی فتح ہوا جسے آج کل سیبی کہتے ہیں (صفحہ ۸۲ دربار اکبری)۔

اسی طرح دیگر مقامات پر جا بجا سید محمد میر عدل کا ذکر کتب تواریخ و تذکرہ میں موجود ہے۔ اگر ان تمام کتابوں کی متعلقہ عبارات نقل کی جائیں تو غیر معمولی طوالت اس بیان میں ہو جائے گی۔ پس ہم اس بیان کو مختصر کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کتب مثلاً آئین اکبری وغیرہ ہر کتب خانہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

میر سید محمد میر عدل کے چار فرزندان نامدار ہوئے۔ جن کے نام سید ابوالفضل و سید شاہ ابوالحسن و سید ابوالمعالی و سید ابوالقاسم ہیں۔ آخر الذکر دو صاحبان کی نسل پیری آگے کو نہ چلی سید ابوالقاسم مذکور کی نسل دختری میں سادات حسنی محلہ کوٹ کے افراد ہیں سید ابوالقاسم مذکور بن سید میر عدل کے ایک فرزند سید منعم اور دوسرے سید حسن تھے اور ایک دختر بی بی اچھی تھیں۔ یہ بی بی اچھی جو سید محمد میر عدل کی پوتی تھیں سید سراج الدین ولد سید محمد بغدادی الحسنی القادری کے حبالہ عقد میں آئیں جن کے بطن سے سید شاہ گدا مورث سادات محلہ کوٹ پیدا ہوئے اور اپنے حقیقی ماموں سید حسن کی دختر مسماۃ بدی کو اپنے حبالہ عقد میں لائے اس طرح سید ابوالقاسم پسر سید محمد میر عدل کی اولاد

دختری موجود ہے باقی دو پسران سید محمد میر عدل ابوالفضل و سید شاہ ابوالحسن کی اولاد امروہہ میں بکثرت موجود ہے۔ سید ابوالفضل کی اولاد کٹرہ غلام علی میں آباد ہے اور تعداد میں کم ہے۔ سید شاہ ابوالحسن کی اولاد میں تین فرزندان نامدار ہیں جن کے اسماء عبدالخالق و سید عبدالواسع و سید عبدالباری ہیں۔ سید عبدالباری کی نسل نہ چلی۔ سید عبدالخالق کی نسل میں سادات محلہ دربارکلاں وغیرہ ہیں اور سید عبدالواسع کی نسل میں محلہ سٹھی و سرائے کہنہ وغیرہ کے سادات ہیں جن میں مولوی سید رافت علی بن سید انعام علی و مولوی ابوالحکیم بن سید سخاوت حسین و سید نبی ہادی (خان بہادر) وغیرہ کے خاندان ہیں۔

میر سید محمد میر عدل کے برادر حقیقی میر سید مبارک کی اولاد امجاد میں سادات محلہ گندری وغیرہ ہیں شجرہ اولاد جناب میر سید مبارک کا اس طرح ہے۔

میر سید مبارک ولد سید منتخب از اولاد شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رح۔

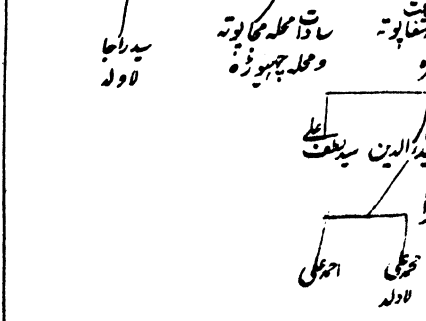

ان میں سے باعتبار تعداد و اقتدار سید غضنفر علی ابن سید محمد مختار بن سید عبدالغفار

بن میر سید مبارک کی اولاد زیادہ نمایاں ہے۔ سید مظفر علی صاحب مذکور کے چار فرزند نامدار ہوئے۔ جن کے نام سید ہنر بر علی و سید فیض محی الدین و سید وارث علی و سید حارث علی ہیں۔ آخر الذکر کی اولاد پسری نہیں ہے۔ سید وارث علی صاحب کی اولاد میں سید اصغر حسین صاحب مؤلف تاریخ اصغری و سید مومن حسین صفی وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید فیض محی الدین صاحب کی اولاد میں سید علمدار علی خاں وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید ہنر بر علی صاحب کی اولاد میں سید علی مرتضیٰ خاں کا خاندان ہے جو گھڑیال والوں کے نام سے موسوم ہے اور سید اسد اللہ خان عرف میر کلو وغیرہ کے خاندان ہیں۔

سادات محلہ بگلہ کے مورث سید محمد تقی صاحب کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

سید محمد تقی بن سید چھجو بن سید محمد باقر بن سید عبد الرحیم بن سید محمد بن سید شرف الدین بن سید ارزانی بن سید یسیں بن سید راجی بن سید عبد العزیز بن مخدوم شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت۔ سید محمد تقی صاحب مذکور کے چار فرزند سید محمد جواد و سید علی داد و سید شاہ محمد و سید عطا نظام الدین ہوئے۔ آخر الذکر کے اولاد نہیں ہے۔ سید شاہ محمد کی اولاد میں سید علی داد و سید علی تحسین وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید علی داد کی اولاد میں سید مقبول احمد صاحب و مولوی سید مصطفیٰ صاحب وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید محمد جواد کی اولاد میں سید کرامت اللہ وغیرہ کے خاندان ہیں۔

سید شرف الدین شاہ ولایت رحمہ کے پسر نامدار سید عبد العزیز صاحب کی نسل کے حالات یہاں تحریر کیے جا رہے ہیں۔ پس جس حد تک بیان ہو چکا ہے۔ اس کی

مزید توضیح کے لیے اسمار مندرجہ شجرہ کی وضاحت جلد اول میں کر دی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۲ سید امیر علی صاحب ابن سید شرف الدین شاہ ولایت رح) کی اولاد امجاد کے حالات جلد دوم میں تفصیل درج ہوں گے۔ سید امیر علی کا اسم شریف سید میر علی بزرگ بھی کتابوں میں بکثرت تحریر ہے۔ شجرہ جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت نقوی الواسطی الاموجوی کا اوپر کی طرف اس طرح ہے جس کی وضاحت پہلے کئی بار ہو چکی ہے۔ سید شرف الدین بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفرح (ابو الفضل) واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقیؑ بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظمؑ بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدینؑ بن امام حسینؑ بن شاہ مردان علیؑ ابن ابی طالب۔

میر سید محمدؐ میر عدل امیر اکبری کے حالات تفصیل قبل ازیں کتب تواریخ و تذکرہ سے تفصیل نقل ہو چکے ہیں اب آپ کی اولاد امجاد کا حال یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔ سکونت جناب میر سید محمدؐ میر عدل کی اس مقام پر بیان کی جاتی ہے جہاں اب خان بہادر سید نبی ہادی صاحب وغیرہ کے مکانات ہیں۔ آنجناب کی اولاد نے مختلف مقامات پر امروہہ میں اقامت فرمائی جناب کے فرزند نامدار سید شاہ ابو الحسن نے محلہ سٹھی آباد کیا آپ کی اولاد میں سے بعض اصحاب نے محلہ سرائے کہنہ آباد کیا اور وہاں اقامت فرمائی سید عبد الخالق بن سید شاہ ابو الحسن کی اقامت سرائے کہنہ میں رہی۔ اس کے بعد سید عبد الماجد بن سید عبد الخالق مذکور نے قلعہ تعمیر کرایا۔ آپ کی تمام اولاد کی سکونت تعمیر قلعہ کے وقت سے اندرون قلعہ یعنے بڑے دربار میں رہی جہاں محل سرائے وغیرہ

عالیشان عمارات بغرض سکونت بنائی گئی تھیں۔ دیوان سید محمود کے معتمد کمال خاں نامی نے بحکم جناب سید محمود صاحب موصوف ایک بازار تعمیر کرایا تھا جو اس وقت بڑے بازار کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تعمیر کا مادہ تاریخی (کمال آراستہ بازار محمود) ہے یہ بازار محمود اندرون قلعہ نہایت خوبصورت اور وسیع بنایا گیا تھا۔ اور یہ وہی کمال خاں معتمد ہیں جن کے نام سے آج تک کمال خانی اینٹ اس نواح میں مشہور ہے۔

سید محمد میر عدل کے چاروں فرزندان نامدار اپنے وقت کے سردار اور منصبداران شاہی میں سے تھے (ملاحظہ ہو فہرست منصبداران بضمن تذکرہ سید محمد میر عدل امیر اکبری) ان میں سے حضرت شاہ ابوالحسن صاحب باوجود امارت کے درویش سیرت اور فقیر دوست تھے۔ حدیقۃ الاولیا میں آپ کا ذکر لکھا ہے کہ آپ حضرت گنج بخش گڈھ مکٹیسری کے مریدوں میں سے ہیں ان کی تائید صاحب نجبۃ التواریخ وصاحب تاریخ امروہہ وغیرہ نے کی ہے صاحب تاریخ امروہہ لکھتے ہیں۔

مولنا سید محمد میر عدل کے فرزند سید شاہ ابوالحسن باوجود امارت کے درویش تھے وہ اور ان کے سب بھائی خانوادۂ حضرت اللہ بخش رح کے مرید اور عقیدتمند تھے میاں پیر بخش جن کا مزار مراد آبادی دروازے سے متصل ہے اس خاندان سادات دربار کلاں کے عقیدتمندانہ اصرار پر امروہہ میں آکر مقیم ہوئے تھے میاں صاحب کی ذات سے بزرگان سادات دربار کلاں کی عقیدت وارادت کا یہ حال تھا کہ کوئی دنیاوی کام بغیر ان سے دریافت کیے نہ کرتے تھے حتیٰ کہ گھروں میں کھانا بھی اس وقت شروع ہوتا جب یہ سن لیتے کہ میاں صاحب نے کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا ہے (تاریخ امروہہ)۔

حسب صراحت آئین اکبری سید شاہ ابوالحسن صاحب کا منصب دوصدی ذات کا تھا۔ آپ کے پوتے سید عبدالماجد صاحب بعہد شاہ جہاں بادشاہ ہزاری ذات و چہار صد سوار کے منصب پر فائز ہوے اور قلعہ بھی آپ ہی نے تعمیر کرایا۔ آپ کے امیر کبیر و عالی حوصلہ ہونے کے قصے آج تک زبان زد خلائق ہیں۔ بڑی جاگیر آپ کو انعام میں ملی تھی۔ (تواریخ واسطیہ و تاریخ امروہہ وغیرہ) اسی طرح سید عبدالماجد بانی قلعہ کے فرزند نامدار دیواں سید محمود اپنی ریاست و امارت کے لیے آج تک امروہہ و نواح امروہہ میں مشہور اور آپ کے جود و سخا کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں۔ قلعہ کے شکستہ در و دیوار سے ان سادات نامدار کی امارت و ثروت کی یاد تازہ ہو کر بے اختیار اس شعر کا مضمون یاد آجاتا ہے۔

تلک اٰثارنا تدل علینا　　فانظروا حالنا عن الاٰثار

دیوان سید محمود کے پاس بہت بڑی جاگیر تھی۔ ان کا منصب پانصدی ذات اور دو سو سوار کا تحریر ہے۔ صاحب واسطیہ تحریر کرتے ہیں:۔

سید محمود ولد سید ماجد } فرمان مذکورہ موسومہ سید عبدالواجد موصوف میں ان کا منصب پانصدی ذات دو سوار فوتی عہد خلد مکان میں تحریر ہے۔ عہد میں بنام آنجناب موصوف مطابق پروانہ مورخہ غرہ صفر ۴۰ھ میں چہار لک دام از پرگنہ امروہہ از تغیر سید عبدالمومن وغیرہ بحال و مقرر تھے۔ بعدہٗ عہدہ فرخ سیر بادشاہ میں حسب درخواست وکیل متعلقان سید محمود موصوف موافق پروانہ مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۲ جلوس و نیز مطابق پروانہ مورخہ ۱۲

رمضان سنہ ۲ جلوس احمد شاہ بادشاہ یک لک دام از پرگنہ امروہہ
بوجہ انعام بنام متعلقان سید صاحب موصوف بحال و مقرر تھے

صاحب تاریخ امروہہ کے ہم ممنون ہیں کہ آنجناب نے اپنی تاریخ میں دیوان سید محمود کے متعلق عمدۃ الملک امیر الامرا نواب اسد اللہ خاں وزیر اعظم شہنشاہ عالمگیر کی خاص تحریر مع اس کے اصل چوبہ کے شائع فرمائی ہے۔ درحقیقت یہ ایک اہم دستاویز ہے جس سے دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کے حاکمانہ اقتدار پر جو اس زمانہ میں تھا کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس کے متعلق جو کچھ صاحب تاریخ امروہہ نے تحریر فرمایا ہے ہم یہاں شکریہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ وہو ہذا۔

دیوان سید محمود کی اولاد میں خاندانی اعزاز اور تفاخر کے بہت کچھ مبالغہ آمیز قصے مشہور ہیں لیکن اس خاندان کو جو اقتدار اور تفوق واقعاً حاصل تھا۔ اس کا ذکر نہ کہیں نام نہاد "مورخین" امروہہ نے کیا اور نہ اہل خاندان کو اس کا صحیح علم ہے۔ حسن اتفاق سے خاکسار مؤلف کو دیرینہ کاغذات میں عمدۃ الملک نواب اسد خان عالمگیری کی ایک تحریر دستیاب ہوی جس سے ثابت ہے کہ دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں خاص قصبہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا۔ نواب اسد خان اس تحریر میں اس زمانہ کے حاکم سنبھل کو لکھتے ہیں کل قصبہ امروہہ چونکہ دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں شامل ہے اس لیے قصبہ مذکور کے کوتوال کا تقرر تم اپنی جانب سے نکرو اور جو تقرر غلطی سے ہو گیا ہے اسے مسترد کر دو۔ یہ اصل تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے اور خط دیدہ زیب اپنی

طلائی نقش و نگار ہیں۔ ذیل میں اس کی نقل اور اس کا عکس جداگانہ شائع کئے جاتے ہیں:۔

"امارت و ایالت پناہ ابہت و حشمت دستگاہ اخوت و خلت انتباہ

خان عالیشان بلند مکان درحفظ و حمایت ایزد منان باشند

بر ضمیر محبت پذیر مخفی نماند کہ درین ولا وکیل سیادۃ پناہ سید محمود ظاہر نمود کہ سابقاً ازیں جہت قصبہ پرگنہ امروہہ از توابع سرکار سنبھل بجاگیر چند کس تعلق داشت از طرف فوجدار سرکار مذکور کوتوال در قصبۂ مذبور دشانی الحال کہ قصبہ مرقوم در بجاگیر موکل کہ مہین شرکیت تنخواہ شد امارت پناہ نامدار خان کوتوال خود را از آنجا بطرف ساخت و الحال آن امارت پناہ کوتوال خود را بخلاف معمول در آنجا تعین کردہ امیدوار است کہ در باب برطرف نمودن کوتوال آن حشمت دستگاہ نگارش یابد۔ لہذا انگاشتہ می آید کہ چون قصبہ پرگنہ مذبور بجاگیر موکل کہ مہین شرکیت تعلق دارد و امارت پناہ نامدار خان کوتوال آنجا را برطرف ساختہ بودن امارت دستگاہ نیز کوتوال مزبور را برطرف نمایند۔ زیادہ چہ نوشتہ شود عواقب امور بخیر و خوبی مقرون باد۔ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۲ قلمی شد"۔ مہر

اس سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں دیوان سید محمود کے خاندان کو خاص قصبہ امروہہ میں حاکمانہ اقتدار حاصل تھا۔ عہد عالمگیر تک کی متعدد قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے باشندوں کے نزاعی معاملات عام اس سے کہ وہ سادات و شرفا کے ہوں یا اہل حرفہ کے اولاد شاہ ولایت کے ہوں یا دوسرے خاندان کے۔ دیوان سید محمود

اور ان کے اخلاف کے "پچوترہ" یعنے عدالت میں تصفیہ کی غرض سے پیش ہوتے تھے۔ گویا یہ حضرات موجودہ زمانہ کے انریزی ڈپٹی مجسٹریٹ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور شہر کا انتظام بھی ان کے سپرد تھا۔۔۔۔۔ (اس کے بعد صاحب تاریخ امروہہ ایک دستاویز صورت حال کی نقل کرتے اور پھر لکھتے ہیں) شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے مولنا سید محمدؒ میر عدل اور سید مبارک ان دونوں بھائیوں کی اولاد کو حق زمینداری خالصہ و آبادی شہر کا حاصل تھا شہر کی آبادی کے متعلق یہ تصریح تھی کہ سادات و شرفا کی املاک کے علاوہ بازاروں سرایوں اور میلوں وغیرہ کا حق زمینداری ان کا سمجھا جائے یہ حقوق اس خاندان کو روہیلوں کے زمانہ تک بدستور حاصل رہے۔ نواب دوندے خاں کے حسب ذیل پروانہ سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

نقل

پروانہ بہرخان صاحب دوندے خان بہادر آنکہ

متصدیان مہامات حال و استقبال قصبۂ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہ جہاں آباد بدانند۔ چون ارث زمینداری خالصہ و آبادی شہر بہ بنائران میر سید محمدؒ (میر عدل) و میر سید مبارک مغفور و مبرور است و ہمیشہ بامور متعلقہ مداخلت نشد معزالیہا قدیم و محکم مانۂ گاہے غیر دخیل نشدہ۔ حالا ہم بدستور قدیم تعلقات زمینداری معزالیہا بحال مسلم داشتہ باید کہ از فیما بین بحصہ نصفا نصف خود با در ترکہ وراثت دخیل بودہ بہرچہ از محصول و ابواب زمینداری حاصل شود موافق حصہ مسلور

میدہا نیدہ باشند امید وار امور متعلقہ مشاراً الیہا قرض بجا رسانند و سند مجدد
نہ للبند و درین باب تاکید دانستہ حسب المسطور عمل آرند۔ تحریر فی التاریخ یازدہم
شعبان سنہ ۲ جلوس عالمگیر ثانی۔

دیوان سید محمود کے سب بھائی اور ان کے سب فرزند جاگیردار منصبدار تھے
ان کی نسل میں متعدد اشخاص نے عہد مغلیہ میں مناسب جلیلہ پائے۔ اور بڑی
بڑی جاگیریں حاصل کیں۔ بالخصوص سید یوسف علی خان بن سید عبدالعزیز بن دیوان
سید محمود مذکور محمد شاہی عہد میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصبدار اور
خطاب خانی سے سرفراز تھے ان کے فرزند سید عاشق علیخان بھی عہد عالمگیر
ثانی میں سہ صدی ذات پچاس سوار کے منصبدار اور "خان" کے خطاب
سے ممتاز تھے۔ سید عاشق علیخاں کے فرزند سید عزت علیخاں بھی پانصدی
ذات کے منصبدار ہوئے۔ اسی طرح اس خاندان کے دیگر اشخاص یعنی
سید حسن علیخاں بن سید یوسف علی خان مذکور اور سید رحم علیخاں بن سید
عبدالعزیز مذکور اور سید غلام شرف الدین بن سید عبدالباری بن دیوان
سید محمود نامور منصبدار تھے۔ بڑی بڑی جاگیریں اس خاندان کو ملیں سید
شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کی دیگر اولاد میں بھی متعدد اشخاص جاگیردار
و منصبدار ہوئے۔ ان کے فرزند سید عبدالواسع خود بھی ذی اقتدار اور شاہی
منصبدار تھے ان کے اخلاف میں بھی بعض اشخاص مثلاً سید کرم علیخاں جاگیردار
منصبدار تھے۔ سید عبدالواسع کے دوسرے بھائی سید عبدالباری باوجود امارت
فقیر منش تھے۔ ان کی اولاد میں سید عبدالرزاق ہوئے جن کے نام سے بازار

رزاق موسوم ہے جاگیردار ذی اقتدار تھے۔ (تاریخ امروہہ)۔

دیوان سید محمود کی اولاد امجاد میں مدت دراز تک امارت و ریاست و حکومت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ان میں سے بعض بعض ریاست و حکومت کے لیے خاص طور پر آج تک مشہور ہیں۔ مرور ایام و حوادث روزگار کے باعث صدہا اہم دستاویزات جن سے اس خاندان والاشان کی رفعت و حکومت کا تفصیلی سراغ مل سکتا تھا تلف ہو چکی ہیں۔ بعض بعض اب بھی باقی ہیں اور بعض کا تذکرہ مختلف کتب تاریخ و تذکرہ میں باقی رہ گیا ہے۔ ہم یہاں صرف وہ نام نقل کرتے ہیں جن کی منصبداری و امارت و حکومت کے متعلق قابل اطمینان شہادتیں موجود ہیں اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ ان میں کثیر التعداد اکابر خاندانی کا ذکر اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ دست برد ایام نے ان کے متعلق ہمہ قسم کی شہادت تلف کر دی وکل من علیھا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام۔

سید عبدالخالق پسر دیوان سید محمود منصبدار شاہی تھے۔ مگر قدر و منصب معلوم نہیں پروانہ جاگیر عہد عالمگیری سے ثابت ہے کہ ان کے نام سہ لک و نہ ہزار و پانصد وسی و پنج دام مواضعات مذکورہ سے تحریر ہیں۔ مسجد جامع امروہہ واقع پائین باڑی انہیں کی تعمیر کردہ ہے جو بعد اضافہ و ترمیم موجود اور اس میں مدرسہ عربی قائم ہے۔ بزرگوں سے یہ بھی سنا ہے کہ اس مسجد کے بانی دراصل ان کے دادا دیوان سید عبدالماجد صاحب بانی قلعہ امروہہ تھے۔ اس میں ترمیم و اضافہ کر کے از سر نو سید عبدالخالق صاحب مذکور نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ سید عبدالخالق مذکور کے فرزند سید غلام مصطفیٰ کے نام عہد عالمگیری کے پروانہ سے ثابت ہوتا ہے کہ چہار لک و پنجاہ ہزار دامی قصبہ

امروہہ سے ان کے نام تحریر ہیں۔ تعداد منصب معلوم نہیں۔ سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود عہد عالمگیر میں منصبدار تھے اس زمانہ کے کاغذات سے منصب کا حال معلوم نہیں ہوسکا۔ مگر عہد شاہ عالم بادشاہ کے ایک فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چہار صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ سید یوسف علیخاں بن سید عبدالعزیز بن سید محمود عہد محمد شاہی میں خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ اپنے زمانہ میں مشہور و نامدار تھے۔ اور ہزاری ذات و چار سو سوار کے منصبدار تھے۔ ان کے فرزند سید عاشقان علی خان عہد عالمگیر ثانی میں ہفت صدی ذات پچاس سوار کے منصبدار اور خان کے خطاب سے سرفراز تھے۔ ان کے بھائی سید قمر علیخان بن سید یوسف علی خان بھی عہد عالمگیر ثانی میں یک ہزاری ذات دو صد سوار کے منصب اور خطاب خانی سے سرفراز تھے۔ اسی طرح سید حسن علی خاں بن سید یوسف علی خاں بن دیوان سید محمود بھی خطاب خانی سے سرفراز تھے۔ مگر تعداد منصب نہ معلوم ہوسکی سید تہور علی خاں بن سید قمر علیخاں بن سید یوسف علیخاں بن دیوان سید محمود عہد عالمگیر ثانی میں بمنصب پانصدی ذات و پنجاہ سوار سرفراز تھے۔ سید یادگار علی بن سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود بھی منصبدار شاہی تھے مگر تعداد منصب معلوم نہیں۔ بعض دیگر نامی گرامی جلیل القدر ہستیاں خاندان سید عبدالعزیز بن سید محمود میں ہوئی ہیں۔ جن کے مراتب و مناصب کے صحیح حالات معلوم نہیں ہوسکے مثلاً سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز و سید شمس علی خاں بن قمر علی خاں سید یوسف علی خاں بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود وغیرہ وغیرہ۔ سید دلاور علی خاں بن سید عاشقان علی خاں مذکور نواب وزیرالممالک

آصف الدولہ کے وقت میں امروہہ کے نامور حاکم ہوے۔ ان کے بھائی عزت علی خاں بھی نامور رئیس تھے جن کی منکوحہ ثانیہ مسماۃ بدلی نے پختہ حصار کا باغ مع ایک مسجد و مکان تعمیر کیا جو ابھی تک مراد آبادی دروازہ کے سامنے واقع اور بدلی کا باغ مشہور ہے

دیوان سید محمود کی دیگر اولاد امجاد میں بھی منصبدار و مشاہیر گذرے ہیں مثلاً سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود اور ان کے نامور فرزند رمضان علی اور ان کے تین فرزندان نامدار سید یسین علی و سید رحیم اللہ و سید عتیق اللہ۔ ان میں سے سید عتیق اللہ و سید رحیم اللہ عہد عالمگیر ثانی میں پانصدی ذات و پچاس پچاس سوار کے منصبدار تھے۔ سید یسین علی صاحب کا فرمان منصب نہیں مل سکا۔ سید عبد الباری بن دیوان سید محمود عہد عالمگیر اورنگ زیب کے نامی گرامی امراء شہر سے تھے۔ ان کے پوتے سید غلام شرف الدین کے فرمان منصب سے ان کا (سید عبد الباری کا) منصب شش صدی ذات پنجاہ سوار تحقیق ہوتا ہے۔ سید غلام شرف الدین بن سید عبد الباری بن دیوان سید محمود بعہد محمد شاہ بادشاہ چہار صدی ذات دس سوار کے منصب سرفراز تھے ان کی امارت و ریاست بھی آج تک یادگار ہے سید عظیم الدین بن سید غلام شرف الدین مذکور عہد عالمگیر ثانی میں دو صدی ذات کے منصبدار تھے سید دوست علی بن سید عظیم الدین بن سید غلام شرف الدین مذکور بھی منصبدار جلوہ بادشاہی تھے۔ مگر تعداد منصب ان کی نہ معلوم ہو سکی سید دوست علی صاحب مذکور نے بڑے دربار سے نقل مقام کر کے محلہ کٹکوئی میں اپنی محل سرا تعمیر کرائی اور اب تک آپ کی اولاد امجاد کا ایک کثیر حصہ اسی قطعہ میں آباد ہے۔ سید عبد الوالی بن سید شرف الدین مذکور عہد عالمگیر ثانی میں مہت صدی ذات پچاس سوار کے

منصب پر سرفراز تھے۔ سید کریم اللہ بن سید عبدالباری بن دیوان سید محمود کا نام بھی بندے
جلوبادشاہی میں تحریر ہے منصب کی تعداد معلوم نہیں ہوسکی سید افضل علی بن سید محمد
فاضل بن سید عبدالباری کا نام منصبداران داخل چوکی میں موجود ہے۔ مگر تعداد منصب
معلوم نہوسکی۔ سید عبدالواجد بن سید عبدالباری بن سید محمود عہد محمد شاہ بادشاہ میں منصبدار
ذات پچاس سوار کے منصب پر سرفراز تھے سید عبدالواجد مذکور کے فرزند سید ناصر علی
کا نام منصبداران جلوہ بادشاہی میں تحریر ہے مگر تعداد منصب معلوم نہوسکی۔ سید ناصر علی
مذکور کے فرزند سید قاسم علی بھی عہد عالمگیر ثانی میں منصبدار تھے۔ مگر تعداد منصب معلوم
نہیں ہوسکی۔

بعض دیگر مشاہیر خاندان واکابر وقت کے حالات بھی مرور ایام کے باعث
جیسا کہ چاہیے محفوظ نہ رہ سکے جس قدر حالات معلوم ہوسکے باختصار یہاں لکھے جاتے
ہیں ان سب کے متعلق قابل اطمینان شہادت موجود ہے۔

سید ولایت علیخان بن سید تبارک علی خان بن سید تہور علی خان بن سید قمر علی
خاں بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود مشہور ومعروف رئیس وقت اور شاعر خوش
بیان تھے ان کے فرزند سید حسین بھی مشاہیر میں سے تھے اور سید حسین مذکور
کے فرزند علی امین الحسینی اب حیدرآباد دکن میں ہیں سید اعظم حسین بن سید محمد تقی بن سید ولایت علیخان
مذکور ڈاکٹری میں سند یافتہ تھے ان کے ایک فرزند مظہر حسن بسلسلہ ملازمت
حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں۔ سید اعظم حسین بن سید محمد تقی کے دوسرے فرزند اظہر حسن ہیں
(شجرہ نشان ۴)۔

سید انور علی خان بن سید ارشد علی خاں بن سید باقر علی بن سید رحم علی خاں

بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود اپنے وقت میں امرا نامدار و عمائد شہر میں سے تھے ان کے فرزند نذر علی خان بھی رئیس نامدار اور گورنمنٹ کے درباری تھے آغاز ایام غدر ۱۸۵۷ء میں ان کا انتقال ہوا ان کے چھوٹے بھائی سید وجیہ الدین خاں بھی رئیس نامدار تھے۔ سید وجیہ الدین خان مذکور کے ایک بھائی سید محمد حسین خان بن انور علی خاں بھی اکابر شہر میں سے تھے اور گورنمنٹ کے درباری تھے۔ سید وجیہ الدین خان مذکور کے ایک فرزند سید احمد الدین خان بھی رئیس وقت عالم و فاضل اور امروہہ کے میونسپلٹی کے ممبر تھے۔ سید احمد الدین خاں مذکور کے تین فرزند سید صادق حسین خان و سید مجتبیٰ حسن خان و سبط حسن خاں تھے۔ سید صادق حسین خاں کے فرزند سید نوشہ علی خان اور سید سبط حسین خاں کے فرزند سید سمیع الحسن خاں موجود ہیں۔

سید سبط حسن خاں صاحب مرحوم بھی نہایت وضعدار ہر دلعزیز شخص تھے حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے خدا مغفرت کرے (شجرہ نشان ۳) سید وجیہ الدین خان مذکور کے ایک فرزند سید یوسف علی خان تھے جو اپنے وقت کے نامدار اشخاص میں سے تھے ان کے فرزندان سید تاج الحسن و منہاج الحسن خان و معراج الحسن خان موجود ہیں سید محمد حسین خان بن سید انور علی خاں مذکور کے ایک فرزند سید رشید اعلی خاں بھی رئیس وقت اور درباری تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سید فدا علی خاں بن سید محمد حسین خان بھی نامور رئیس اور درباری تھے جن کے فرزندان سید مظاہر الحسن خان و شجاع الحسن خاں و محمود الحسن خان و شفیق الحسن خان ہوئے۔ (شجرہ نشان ۳)۔

سید معروف علی خاں ابن سید امام علی خاں بن سید تہور علی خاں بن سید قمر علی خاں بن سید یوسف علی خاں بن سید عبدالعزیز بن دیوان (سید محمود) اپنے وقت کے

عابد و زاہد و عالم و فاضل و رئیس وقت تھے۔ ان کے بھائی سید محمد تقی خان کے فرزند سید منور حسن خان ہوئے جو نہایت وضعدار اور مشاہیر شہر میں سے تھے۔ اب سے تخمیناً دس سال قبل ان کا انتقال ہوا خدا مغفرت کرے۔ ان کے دو فرزند حکیم سید انور حسن خان و توصیف الحسن خاں ممبر میونسپلٹی امروہہ موجود ہیں۔ (شجرہ نشان ۴)

خاندان سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود میں اور بھی چند ہستیاں قابل ذکر ہوئی ہیں جن کے حالات ابھی تک فراموش نہیں ہوئے مثلاً سید غلام سجاد بن سید حسین علی بن سید امجد علی بن سید باقر علی بن سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود یا مثلاً سید اولاد حسن (بن سید قدرت علی بن سید نجف علی بن سید امیر علی بن سید یادگار علی بن سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود) جو عہدہ تحصیلداری سرکار انگریزی میں سرفراز رہے۔ اور اس دور آخر میں سادات امروہہ میں اپنی ذاتی وجاہت کے باعث ممتاز اور انجمن سادات امروہہ کے صدر بھی رہے۔ (شجرہ نشان ۴)

سید رحمت علی بن سید دوست علی بن سید محمد عظیم الدین بن غلام شرف الدین بن سید عبدالباری (بن دیوان سید محمود) مدت تک امروہہ کے منصف رہے۔ یہ اپنے وقت میں عالی مرتبت اور رئیس نامدار تھے۔ ان کے ایک فرزند سید ظہور حسن بعہدۂ تحصیلداری سرکار انگریزی میں سرفراز رہے۔ اور بزمانۂ غدر ۱۸۵۷ء امروہہ کے ناظم منجانب نواب یوسف علی خاں والئی رام پور رہے مملکت آصفیہ میں بھی زمانہ دراز تک تحصیلدار رہے۔ آپ کے سات فرزندان نامدار یادگار رہے جن کے نام سید منظور حسین و سید نور الحسن و سید آل حسن و سید سعید حسن و سید ریاض حسن و سید صابر حسین و سید محمد تسلم ہیں۔ سید منظور حسین صاحب مذکور کے دو فرزند سید ابن حسن

و سید حیدر حسین ہوئے سید نور الحسن صاحب کے دو فرزند سید شمس الحسن و بدر الحسن ہوئے
سید آل حسن صاحب کے دو فرزند سید جمال حسن و سید ہلال حسن ہیں ان میں سے سید
جمال حسن بی اے الہ آباد یونیورسٹی کے گریجویٹ علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتہ اور بعہدہ
ڈپٹی انسپکٹر محکمہ تعلیمات ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں ملازم اور لائق فائق اپنے
اقران و امثال میں غایاں ہیں سید سعید حسن بن سید ظہور حسن مذکور کے فرزند
سید حمید حسن صاحب نہایت لائق و فائق تھے۔ ان کے فرزندان سید عزیز حسن و حبیب حسن
موجود ہیں۔ (شجرہ نشان ۱۰)۔

سید ظہور حسن صاحب مذکور کے دوسرے بھائی سید ظہور حسین (بن سید رحمت
علی بن سید دوست علی نبیرہ۔ سید عبد الباری بن دیوان سید محمود) بھی بعہدۂ منصفی
سرکار انگریزی میں ممتاز اور اپنے وقت کے مشاہیر میں سے تھے ان کے فرزند سید
وصال محمد صاحب بی اے ایل بی۔ نہایت لائق و فائق و فخر خاندان ہیں الہ آباد
یونیورسٹی کے گریجویٹ علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتہ اور اب بعہدہ وکیل سرکار ریاست
رام پور میں مامور ہیں۔ ان کے حقیقی بھائی سید نہال محمد صاحب بھی ملازم
سرکار رہے اور اب پنشن پاتے ہیں ان کے دوسرے بھائی سید آل احمد صاحب
ہیں تعلیم یافتہ لائق و فائق ہیں۔ بعد ملازمت سرکاری اب پنشن پاتے اور قومی
کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ ان کے فرزند سید احمد بی اے مسلم یونیورسٹی
کے گریجویٹ اور ملازم سرکار انگریزی ہیں۔ سید ظہور حسین صاحب مذکور کے ایک
فرزند سید سرور حسین تھے جو پولیس میں تھانہ دار تھے۔ (شجرہ نشان ۱۰)۔

سید دوست علی مذکور نبیرۂ دیوان سید محمود کے ایک فرزند سید مدد علی کی

اولاد میں سید عمران علی و رضوان و ذیشان علی (پسران سید رحمان علی بن سید فرحت علی بن سید مدد علی مذکور) ہیں سید عمران علی صاحب بعہدہ انسپکٹری پولیس مامور تھے حال ہی میں ان کا دردناک قتل ان کی زمینداری کے ایک موضع میں ہوا ہے خدا مغفرت کرے (شجرہ نشان ۱۰)۔

سید دوست علی مذکور نبیرہ دیوان سید محمود کے ایک فرزند سید امام بخش کی اولاد میں سید ضامن حسین ابن سید شرافت علی بن سید حسین بخش بن سید امام بخش مذکور کا خاندان ہے۔ سید ضامن حسین صاحب مذکور با وجاہت شخص تھے۔ ان کے فرزندان نجم الحسن و ابو الحسن و معاون حسین ہوئے۔ دوسرا خاندان مولوی سید حسن بخش (بن سید امام بخش مذکور) کا ہے۔ سید حسن بخش اپنے وقت کے نامدار تھے۔ ان کے فرزند حاجی سید حسن ثنی بھی مشاہیر وقت اور عمائد شہر میں سے تھے۔ سید حسن ثنی مذکور کے دو فرزند سید سالم حسین جو مورخ و شاعر ہیں اور سید عاقل حسین موجود ہیں (شجرہ نشان ۹)۔

سید دوست علی مذکور نبیرۂ دیوان سید محمود کے ایک فرزند سید قادر علی کی اولاد میں مولوی شبیر علی (بن نصیر علی بن قادر علی مذکور) کا خاندان ہے۔ مولوی شبیر علی صاحب سنی مذہب کے عالم تھے مناظرہ کا شوق تھا۔ چند رسائل آپ کی یادگار ہیں۔ حکیم سید ضیاء النبی صاحب آپ کے فرزند تھے جن کے دو پسر سید مظہر حسن و ظفر حسن ہیں۔ سید شبیر علی صاحب کے بھائی سید سراج النبی صاحب بھی ذی علم و صاحب استعداد تھے ان کے دو فرزند سید معراج النبی و اسلام النبی ہوئے۔ سید معراج النبی کے فرزند انعام النبی ہیں۔ سید قادر علی مذکور کے دوسرے فرزند سید مظہر علی کے تین فرزند بشیر علی و لطیف علی و محمد حسین ہوئے۔ سید لطیف علی صاحب

لاولد ہوئے مگر ان کی ایک زندہ یادگار لطیف علی والا آم باقی ہے اور یہ آم خاص اپنی لطافت و حلاوت کے باعث اب دور دور تک اقصائے ہند میں عام ہو چکا ہے۔ امروہہ کے خاص و عام اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ (شجرہ نشان ۹)

سید شرف علی بن سید مدد علی بن سید دوست علی نبیرۂ سید عبدالباری بن دیوان سید محمود شیعہ مذہب کے عالم اور مناظرہ کے شوقین تھے۔ ان کے فرزند سید یعسوب الدین ایام غدر ۱۸۵۷ء میں کچھ دنوں کے لئے کوٹ گشت منجانب والئی رام پور تھے۔ ان کے دو فرزند سید گل حسن و سید مقداد حسن ہوئے۔ (شجرہ نشان ۱۰)

سید مبارک (بن سید منور علی بن سید محمد نعیم بن محمد زمان بن سید عبدالواجد بن سید عبدالباری بن دیوان سید محمود) بھی اپنے وقت کے معززین سے تھے ریاست جہانگیر آباد میں تحصیلدار رہتے۔ ان کے برادر حقیقی سید محمد کے فرزند سید عاشق حسین تھے جن کے فرزند سید زائر حسین بقید حیات ہیں شاعری اور قانون سے دلچسپی رکھتے ہیں سید مبارک مذکور کے پردادا سید محمد زمان بن سید عبدالواجد شاعر اور مشاہیر سے تھے۔ سید محمد زمان مذکور کی نسل میں حافظ سید محمد اسمٰعیل (بن سید جیون علی بن سید محمد فصیح بن سید محمد زمان مذکور) شیعی مذہب سے تھے۔ مورخ و شاعر بھی تھے۔ آخری معزول تاجدار اودھ واجد علی شاہ مرحوم کے ساتھ مٹیا برج کلکتہ میں مقیم رہے اور مشہور ہے کہ شاہ معزول نے انہیں سید الحفاظ کا لقب دیا تھا۔ ان کے لائق فرزند سید محمد اسرائیل بھی حافظ اور نواب صاحب رام پور کے کتب خانہ کے افسر ہیں۔ ان کے بھائی سید محمد عقیل مرحوم و سید محمد خلیل و سید نثیر حسن ہیں۔ سید محمد خلیل صاحب

مملکت آصفیہ میں محکمۂ رجسٹری میں ملازم ہیں۔ (شجرہ نشان ۸)

خاندان سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود میں سید عتیق اللہ و سید یٰسین علی و حاجی سید رحیم اللہ (پسران سید رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ مذکور) کی اولاد موجود ہے۔ ان میں سے سید رحیم اللہ کی اولاد حاجیون کے خاندان سے موسوم ہے۔ سید عتیق اللہ صاحب کے فرزند سید حفیظ اللہ نامی گرامی اور اپنے وقت کے مشاہیر میں سے تھے۔ موضع حفیظ پور آدی انہیں کے نام سے آباد ہے۔ ان کے فرزند سید تراب علی بھی اپنے وقت کے نامدار ذی وقار درویش دوست اور جناب شاہ رحمٰن بخش چشتیؒ سے بیعت تھے۔ ان کے دو فرزندان نامدار مولوی سید فقیر اللہ و سید بشیر اللہ اپنے وقت کے ذی وجاہت اکابر شہر و رؤسا مقامی میں تھے دونوں بھائی امروہہ کے آنریری مجسٹریٹ رہے۔ مولوی سید فقیر اللہ مذکور درویش سیرت بھی تھے۔ ان کے فرزند سید قدیر اللہ الحسین ہیں ان کے پسران سید مظفر علی و سید شہاب الدین و سید شرف الدین ہیں (شجرہ نشان ۶) سید عتیق اللہ مذکور کے بھائی حاجی سید رحیم اللہ (ابن سید رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود کی) اولاد میں حاجیون کا خاندان ہے۔ سید رحیم اللہ مذکور کے فرزند سید عباد اللہ اپنے وقت کے بڑے عابد و زاہد درویش دوست حاجی حرمین شریفین اور مشاہیر میں سے تھے ان کے دو فرزند نامدار حاجی مظفر حسین و حاجی سید حاجی حسین بھی مشاہیر وقت میں سے تھے۔ حاجی سید مظفر حسین کے تین فرزند ہوئے۔ جن کے نام سید بہادر حسین و سید منی اللہ و سید عبد القیوم ہیں۔ ان میں سے مولانا سید عبد القیوم صاحب باقتدار اپنے علم و فضل کے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے فرزند محمد نسیم ہوئے۔ مگر ان

سے اولاد باقی نہ رہی۔ سید صفی اللہ مذکور کے تین فرزند ہوئے جن کے نام سید آل احمد و سید نور احمد و سید ظہور احمد ہیں۔ (شجرہ نشان ۵)۔ سید آل احمد صاحب بعہدہ ڈاکٹری افواج انگریزی میں زمانہ دراز تک عہدہ دار رہے۔ اور پنشن لینے کے بعد سرکار انگریزی کے درباری بنے۔ اور زمانہ دراز تک امروہہ میونسپلٹی کے ممبر بھی رہے۔ یہ مؤلف کتاب ہذا کے حقیقی دادا ہیں ان کے فرزند سید نہال احمد و سید وصال احمد و جلال احمد و ہلال احمد ہیں۔ سید نہال احمد صاحب مؤلف کتاب ہذا کے والد بزرگوار ہیں الہ آباد یونیورسٹی کے ایم اے ایل ایل بی اور بعہدہ ڈویژنل مجسٹریٹ و منصف مملکت آصفیہ میں مامور ہیں۔ حالی تخلص ہے۔ علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتہ ہیں اور اب بیس پچیس سال سے ترک سکونت کر کے مستقل سکونت مملکت آصفیہ میں اختیار کر لی ہے۔ ان کے دو پسر ہیں ایک برادرم سید کمال احمد جو مسلم یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں اور دوسرا یہ عاجز مؤلف کتاب ہذا جو کمتر کمتریان اور ہر قسم کے فضل و کمال سے بے بہرہ ہے

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درخت سایہ دارم ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

دادا سید صفی اللہ صاحب مذکور کے دیگر دو فرزندان سید نور احمد و سید ظہور احمد کی اولاد موجود ہے۔ سید نور احمد صاحب کے فرزند ارجمند الحاج مولوی سید بدر الحسن صاحب مرحوم عالم و فاضل و حافظ کلام اللہ تھے۔ اور سلسلہ چشتیہ میں شاہ قیام الدین صاحب جعفری امروہی سے بیعت تھے۔ حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ خدا مغفرت کرے۔ ان کے دو فرزند سید حبیب المصطفیٰ و شفیق المرتضیٰ یادگار ہیں۔ سید ظہور احمد بن سید صفی اللہ مذکور (کہ جو راقم الحروف کے حقیقی نانا ہیں) فرزند سید ضمیر احمد صاحب ہیں جو بیس پچیس سال سے حیدرآباد دکن میں مستقل سکونت رکھتے ہیں۔ آپ کے پسران سید خورشید حیدر و سفیر حیدر و شمیم حیدر و

ونسیم حیدر موجود ہیں۔ (دادا سید صفی اللہ مرحوم کے تیسرے بھائی سید بہادر حسین صاحب مذکور تھے جو عالم وفاضل اور خصوصاً علم فرائض کے بڑے عالم تھے تمام عمر کلام پاک تحریر کرتے ہوئے اور ذکر وشغل میں بسر کی۔ ان کے دو فرزند سید دلاور حسین وحکیم سید آل محمد ہوئے۔ اول الذکر کی نسل قطع ہوگئی۔ حکیم سید آل محمد کے تین فرزند سید شبیہ الحسن وسید وحید الحسن وسید شریف الحسن ہیں۔ ان میں سے سید وحید الحسن صاحب کثیر العیال ہیں۔ ان کے ایک فرزند سید سعید احمد صاحب بی ایس سی۔ (علیگ) گورنمنٹ آف انڈیا کے صدر دفتر میں عہدہ دار ہیں دوسرے فرزند سید سلطان احمد صاحب ممالک متحدہ کی پولیس اور تیسرے فرزند سید محمد احمد مملکت آصفیہ کی پولیس میں عہدہ دار ہیں ان کے ایک بھائی سید آفتاب احمد مسلم یونیورسٹی میں کسی خدمت پر مامور ہیں (شجرہ نشان ۵)

مولوی حاجی سید مظفر حسین مذکور کے برادر حقیقی حاجی سید حاجی حسین (ابن سید عباد اللہ بن سید رحیم اللہ بن سید رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود) کے پسران سید حاجی حسن وسید مہدی حسین ومحمد محسن ہوئے۔ یہ تینوں برادران حاجی تھے حاجی سید حاجی حسن کے پسر حاجی سید محمد ادریس ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند حاجی شجر الدین بھی اثنائے راہ حج میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند قمر الدین موجود ہیں حاجی سید مہدی حسین صاحب کے پسران سید مظہر الحسن وانظر الحسن وہادی حسن وسید حسین محمد حاجی سید محمد محسن کے فرزندان یوسف حسن ویونس حسن ہوئے۔ یونس حسن کے فرزند محمد ایوب موجود ہیں۔ (شجرہ نشان ۵) سید یسین علی (ابن سید رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود) کی اولاد میں سید محمد عرف منڈھو (ابن سید مقبول علی بن سید کفایت علی بن سید یسین علی مذکور) انگریزی فوج میں رسالدار تھے مہم کابل میں بہادرانہ

کام آئے۔ ان کے بیٹے سید ابو احمد بھوپال میں تحصیلدار تھے ان کے بھائی سید گل محمد بھی بھوپال میں عہدہ دار رہے۔ سید غلام محسن بن سید اولاد علی (بن کفایت علی بن سید یٰسین علی مذکور) حاجی حرمین باوضع اور روساء وقت میں سے تھے۔ ان کے اولاد پسری باقی نہ ہی ان کے حقیقی بھائی سید محمد احسن کے دو فرزندان سید محمد متحسن و سید محمد زکی باقی رہے۔ سید محمد متحسن کے تین فرزند سید عقیل احمد و شکیل احمد و سید محمد ظل اللہ اور سید محمد زکی کے تین پسر یس احمد و ذیشان احمد و شان احمد موجود ہیں (شجرہ نشان ۶)۔

سید اختر حسین بن سید نعیم اللہ (بن سید عظیم اللہ بن سید اشرف علی بن سید عتیق اللہ بن رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود) ترک سکونت کر کے بھوپال جا رہے ہیں۔ ان کے فرزند سید اظفر حسین موجود ہیں۔ (شجرہ نشان ۶)۔ بانی جامع مسجد امروہہ واقع پانبا ڑی سید عبد الخالق بن دیوان سید محمود کی اولاد کی تعداد قلیل ہے۔ معدودے چند افراد باقی ہیں ان میں سے حکیم سید ریاض حسن صاحب (بن محمد فیاض بن عون علی بن سید محفوظ علی بن اسد اللہ بن سید غلام مصطفےٰ بن سید عبد الخالق بن دیوان سید محمود) نہایت خلیق و متواضع و ہمدرد تھے۔ ان کے فرزند سید مستفیض حسن صاحب بھی طبیب ہیں۔ (شجرہ نشان ۱۱)۔

بڑے دربار میں ایک تلوار حضرت زید شہید بن امام زین العابدین ؑ کی یادگار تبرکات میں سید محمد صاحب (بن سید منور علی بن سید محمد نعیم بن سید محمد زمان بن سید عبد الواجد بن سید عبد الباری بن دیوان سید محمود) کی حویلی میں محفوظ ہے۔ یہ تلوار تبرکاً سادات میں محفوظ چلی آتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب کوئی عالمگیر مصیبت آنے والی

ہوتی ہے تو اس تلوار پر ایک یا دو داغ زنگ کے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ حضرت زید شہید کی یہ تلوار شاہ سید ابوالحسن بن سید محمدؒ میر عدل کو اپنے مرشد حضرت گنج بخشؒ سے ملی تھی اور حضرت گنج بخشؒ کو یہ تلوار اپنے مرشد حضرت شیخ مبارک بالادست جھنجانوی سے ملی تھی اور اُن کو اپنے مرشد میر سید علی قوام الدین شطاری جونپوری سے جو حضرت زید شہید کی اولاد میں تھے۔ حضرت گنج بخش رحؒ کی اولاد میں سے حضرت پیر بخش ہیں جن کا مزار قلعہ دیوان سید محمود کے شرقی دروازے کے سامنے ہے اور اکثر اولاد دیوان سید محمود کی قبور یہیں ہیں۔ ایک مسجد بھی یہاں ہے جس میں اہل سنت نماز عیدین ادا کرتے ہیں صاحب تاریخ امروہہ لکھتے ہیں۔

میاں پیر بخشؒ حضرت شاہ اللہ بخش گنج بخش گڈھ مکتیسری کے خاندان سے تھے۔ سادات امروہہ بالخصوص اولاد میر سید محمدؒ میر عدل ساکنان محلہ دربار کلاں کو حضرت گنج بخش کے خانوادہ سے موروثی عقیدت تھی ان حضرات کے عقیدت مندانہ اصرار پر میاں پیر بخش صاحب نے امروہہ میں اقامت اختیار کر لی تھی متوکل و قانع پسند بزرگ تھے سادات محلہ دربار کلاں کی ارادت و عقیدت کا یہ حال تھا کہ بغیر استصواب میاں صاحب کے کوئی کام نہ کرتے حتیٰ کہ گھروں میں کھانا بھی اس وقت کھایا جاتا جب یہ سُن لیتے کہ میاں صاحب نے کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا ہے۔ جائداد کی بیع و شری اور تقسیم میں آپ ہی کی جانب رجوع کرتے تھے۔ دستاویزات و تحریرات میں نام نامی تبرکاً و تعظیماً کاغذ کی پیشانی پر اس طرح لکھا جاتا جس طرح پروانجات شاہی میں بادشاہ وقت کے نام لکھنے کا عام دستور تھا۔ (اس کی تائید میں صاحب تاریخ امروہہ نے ایک دستاویز اقراری سید امجد علی و سید غضنفر علی پسران سید باقر علی بن سید

سید رحم علی خاں بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود وغیرہ نقل کی ہے)

صاحب تحفۃ التواریخ لکھتے ہیں :-

وسید ابوالحسن (بن سید محمد میر عدل) ..... از مریدان خاص حضرت شیخ اللہ بخش گڈھ یکیشری بود و ہم اکثر مردمان این دومان حلقہ ارادت خدمت ایشان بگردن خود می داشتند (ص ۵۳)

دیوان سید محمود کے خاندان کا ذکر اس حد تک کیا گیا۔ اولاد سید ابوالفضل بن سید محمدؒ میر عدل و اولاد سید عبدالواسع بن شاہ سید ابوالحسن بن سید محمدؒ میر عدل کا ذکر ابھی باقی ہے۔ اور وہ یہاں کیا جاتا ہے۔

سید عبدالواسع بن شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل امیر اکبری کے پانچ فرزندان نامدار ہوئے جن کے نام سید جہانگیر و سید چاند و سید عبدالاول و سید عنایت علی و سید محمدؒ پناہ ہیں۔ سید جہانگیر کے دو فرزند سید اللہ بخش و سید امام الدین ہوئے۔ سید اللہ بخش کے دو فرزند سید عبدالواسع و سید عبدالہادی ہوئے۔ سید عبدالواسع بن سید اللہ بخش کے فرزند سید غلام شاہ اور ان کے فرزند سید بہیکا ہوئے ان کی اولاد محلہ سٹھی میں آباد ہے۔ سید بھیکا مذکور کے تین فرزند ہوئے سید ولی نذر و سید شاہ نذر و سید علی نذر۔ اول الذکر لاولد ہوئے۔ سید شاہ نذر کی اولاد میں مولوی سید رافت علی بن سید انعام علی بن سید کریم علی بن شاہ نذر مذکور اور سید شاکر حسین بن صابر حسین بن جعفر حسین بن تفضل حسین بن محمد وجیہہ بن شاہ نذر مذکور وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید علی نذر مذکور کی اولاد میں مولوی سید احمد نذر (بن جعفر نذر بن علی نذر مذکور) وغیرہ کے خاندان ہیں۔

خاندان میر سید ابوالحسن بن سید محمدؐ میر عدل کی اس شاخ میں بھی اُمرا و منصبدار ہوے ہیں۔ سید بھیکا بن سید غلام شاہ بن سید عبدالواسع بن سید اللہ بخش بن سید جہانگیر بن سید عبدالواسع بن میر سید ابوالحسن مذکور عہد محمدؐ شاہ بادشاہ میں منصبدار شاہی تھے مگر بوجہ نہ ملنے فرمان منصب کے مقدار منصب معلوم نہ ہوسکی۔ ان کے فرزند سید علی نذر بھی احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں پانصدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ دیگر اصحاب خاندان کے مناصب و مراتب کی تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں اس لیے اندراج میں ہم معذور ہیں۔ سید احمد نذر (ولد سید جعفر نذر بن سید علی نذر بن سید بھیکا مذکور) اپنے وقت میں عابد و زاہد و متقی مشہور و معروف تھے۔ سید شاکر حسین بن سید صابر حسین بن سید جعفر حسین بن سید تفضل حسین بن سید محمد وجیہ بن سید شاہ نذر مذکور مدت دراز تک ریاست جے پور میں نیک نام ملازم رہے تاریخ کے فن میں شہرت رکھتے ہیں۔ مولانا سید رافت علی بن انعام علی بن سید کریم علی بن سید شاہ نذر بن سید بھیکا بن سید غلام شاہ بن سید عبدالواسع بن سید اللہ بخش بن سید جہانگیر بن سید عبدالواسع بن شاہ سید ابوالحسن بن سید میر عدل امیر اکبری اپنے وقت میں امروہہ میں اہل سنت کے نامی گرامی عالم ہوے ہیں۔ مناظرہ میں خاص شہرت حاصل کی تھی متعدد تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔ ننہیالی قرابت کے لحاظ سے آپ کی اور آپ کے برادران کی ذاتی متقل سکونت بڑے دربار میں ہوگئی۔ تین فرزند سید محمد عبداللہ و سید عبدالرؤف و سید عبدالنور یادگار چھوڑے جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کے فرزند اکبر سید محمد عبداللہ نے زیادہ عمر نہ پائی دوسرے فرزند مولوی سید عبدالرؤف صاحب موجود ہیں۔ جو عالم و فاضل و حاجی ہیں اور حکیم الامت مولانا

شاہ اشرف علی تہاوی سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہیں۔ تیسرے فرزند سید عبد النور ہیں۔ سید محمد عبد اللہ مذکور کے فرزند سید ماجد حسین باقی رہے اور افسوس ہے کہ ابھی چند روز قبل ان کا انتقال ہوگیا خدا مغفرت کرے محمد عارف فرزند اپنی یادگار انہوں نے چھوڑا۔ مولوی سید عبد الرؤف صاحب مذکور کے فرزند مرغوب احمد صاحب بھی حاجی و عالم ہیں۔ مولنا السید رافت علی صاحب کے دو بھائی سید راحت علی و سید رحمت علی بھی حاجی و عالم و زاہد و اتقیا روقت سے تھے دونوں کی اولاد دختری موجود ہے (شجرہ نشان (۱۳)۔

سید چاند بن سید عبد الواسع بن شاہ سید ابو الحسن بن سید محمد میر عدل امیر اکبری کے دو فرزند سید منور و سید محمد ماہ ہوے۔ سید منور کی اولاد سرائے کہنہ اور سید محمد ماہ کی اولاد گھیر کرم علیخاں متصل محلۂ حقانی میں آباد ہے۔ اول الذکر کی اولاد میں مولوی ابو القاسم صاحب بن سید سخاوت حسین بن سید منور حسین بن۔ سید قاسم نذر بن سید مبارک نذر بن سید محمد غوث بن سید قطب علی بن سید منور بن سید چاند بن سید عبد الواسع بن شاہ سید ابو الحسن بن سید محمد میر عدل امیر اکبری وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید محمد ماہ بن سید چاند مذکور کی اولاد میں سید نبی ہادی صاحب بن سید ہادی علی وغیرہ کے خاندان ہیں۔ اولاد سید منور مذکور میں سید علی مراد (ولد سید مبارک علی بن سید منور بن سید چاند بن سید عبد الواسع بن شاہ سید ابو الحسن بن سید محمد میر عدل) اور ان کے بھائی سید حسن رضا منصبداران شاہی میں شامل تھے۔ مگر فرمان منصب اُن کا نہ مل سکا۔ اس لیے مقدار منصب معلوم نہ ہیں۔ سید منور حسین (بن سید قاسم نذر) جو مولوی ابو القاسم صاحب مذکور کے دادا ہوتے

ہیں اپنے وقت میں مشہور و معروف اصحاب میں سے تھے۔ اور وکالت کرتے تھے۔ ان کے لائق فرزند مولوی سید سخاوت حسین صاحب جو عالم و فاضل اور شاعر تھے۔ مدت دراز تک مملکت آصفیہ میں تحصیلدار رہے ان کے ایک فرزند سید جود غفار بھی تحصیلدار رہے۔ دوسرے فرزند مولوی سید ابو القاسم صاحب عالم و فاضل و ذاکر و شاغل تھے سنہ ۱۳۳۹ھ میں حیدر آباد دکن میں فوت ہوئے ان کے لائق فرزندان مولوی سید محبوب الحسن صاحب جو عالم و فاضل اور واعظ شیرین بیان اور مولوی کامل کی سند پائے ہوئے ہیں۔ اور سید محمد بصیر و شفیق احمد و آل حسن و لئیق احمد مملکت آصفیہ کے محکمۂ تعلیمات کے مختلف عہدوں پر کارگذار ہیں۔ ان کے ایک بھائی مشہود النبی عثمانیہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں مولوی ابو القاسم صاحب مذکور کے تیسرے بھائی مولوی فضل الستار صاحب بھی عالم فاضل اور ممالک متحدہ کے محکمۂ تعلیمات میں ملازم ہیں۔ (شجرۂ نشان ۱۴)۔

سید محمد ماہ بن سید عبد الواسع بن شاہ سید ابو الحسن بن سید محمد میر عدل کی اولاد میں سید کرم علی خان صاحب نامی گرامی منصبدار عالی وقار گذرے ہیں۔ پانصدی ذات کا منصب تھا۔ اور خطاب خانی سے سرفراز تھے امروہہ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی آپ کو جاگیر ملی تھی۔ ان کے فرزند نامدار سید ظفر علی و لد اعلیٰ و عارف علی و مصاحب علی و شیر علی منصبداران شاہی تھے سید تقی ولد سید اصغر بن سید محمد ماہ بن سید چاند مذکور عہد عالمگیر اورنگ زیب میں یک صدی ذات کے منصبدار تھے۔ سید کرم علی ولد سید سعادت بن شیر علی علی مذکور۔ حیدر آباد دکن میں بسلسلہ ملازمت تھے وہیں انتقال کیا۔ ان کے دوسرے بھائی حاجی سید بنیاد علی (بن سعادت علی بن شمشیر علی بن سید کرم علی خان مذکور) اپنے وقت میں نہایت باوقار اور معزز تھے۔ ان کے دو فرزند سید علی حیدر و سید ہادی علی

ہوئے۔ آخر الذکر امروہہ میں وکالت کرتے تھے۔ اور عمائد شہر میں سے تھے۔ ان کے لائق فرزند سید نبی ہادی ہیں جو اپنے اقران و امثال میں ممتاز اور جماعت سادات میں منتخب افراد میں سے ہیں۔ امروہہ میونسپلٹی کے چیئرمین اور وائسرائے کی کونسل کے ممبر بھی رہے ہیں اور خطاب خاں بہادری سے سرفراز ہیں۔ ان کے لائق فرزند سید تقی ہادی تعلیم یافتہ اور نیک خصال نوجوان ہیں۔ (شجرہ نشان ۱۴)۔

ایک شاخ اولاد سید محمد فاضل بن سید عبدالباری بن شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کی محلہ پچدرہ میں آباد تھی۔ ان میں سید ہدایت اللہ بن سید جیا بن سید محمد فاضل مذکور و سید میر بن سید محمد فاضل مذکور منصبدار شاہی ہوئے ہیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہوا۔ اس شاخ کی نسل پسری باقی نہیں رہی۔ اگر جلد دوم کی طباعت تک کوئی دوسرا حال معلوم ہو سکا تو درج کر دیا جائے گا۔

سید محمد میر عدل امیر اکبری کے دو فرزندان نامدار شاہ سید ابوالحسن و سید ابوالفضل کی اولاد پسری باقی رہی۔ از انجملہ شاہ سید ابوالحسن کی اولاد امجاد کا ذکر صفحات سابق میں اجمالاً کر دیا گیا۔ دوسرے فرزند سید ابوالفضل کی اولاد تعداد میں قلیل اور کثرہ غلام علی میں آباد ہے۔ سید ابوالفضل اپنے نامی باپ کے نامی فرزند تھے۔ کتب تواریخ میں مسلسل درج ہوتا چلا آیا ہے کہ ۸۴ھ میں شہنشاہ اکبر نے سید محمد میر عدل کو بھکر یعنی صوبہ سندھ کا گورنر مقرر کیا اور انہوں نے اپنے بیٹوں سید ابوالفضل وغیرہ کو قلعہ سنبوی (سیبی) پر روانہ کیا۔ قلعہ فتح ہوا۔ اور میر صفائی نے اس فتح نمایاں کی تاریخ اس طرح کہی۔

(فتح سنبوی شد باولادنبی)

سید ابوالفضل بن سید محمد میر عدل کی اولاد میں بھی متعدد منصبداران نامدار ہوئے

خان بہادر سید نبی ہادی صاحب نقوی

شبیہ خان بہادر سید نبی ہادی صاحب بن سید ہادی علی صاحب

از اولاد

شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل امیر اکبری (شجرہ نشان ۱۴)

خود سید ابوالفضل مذکور کا منصب آئین اکبری میں صد و بستی ذات کا درج ہے۔ سید مظہر علی خاں بن سید غلام علی بن سید عاقل بن سید عادل بن سید ابراہیم بن سید ابوالفضل مذکور عہد فرخ سیر میں سہ صد ذات تیس سوار کے منصب دار تھے بعد میں ترقی ہو کر مفت صدی ذات سو سوار کے منصب اور خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ ان کے بھائی سید محمد علی بھی ایک صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ سید مظہر علی خان مذکور کے فرزند سید میر علی عہد عالمگیر ثانی میں منصب دار داخل ہو گئی تھے مگر تعداد منصب معلوم نہ ہو سکی۔ سید غلام علی بن سید منور علی (بن سید کرم علی بن سید مجتبیٰ علی بن غلام علی بن سید عاقل بن سید عادل بن سید ابراہیم بن سید ابوالفضل مذکور) اپنے وقت میں نامور شاعر تھے حسینی تخلص تھا۔ سید مظہر علی بن سید رمضان علی بن سید شمشیر علی بن مظہر علی خاں بن غلام علی مذکور مظفر نگر میں نامی وکیل تھے اسیطرح سید مظہر علی بن مردان علی بن سید شمشیر علی مذکور شاہجہانی میں نامی وکیل ہوئے ان کے فرزند سید یوسف علی بھی مظفر نگر کے مشہور وکیل ہوئے۔ اور ان کے فرزند سید جعفر حسن بھی وہیں وکالت کرتے ہیں (شجرہ نشان ۱۵)۔

یہاں تک سید محمد میر عدل امیر اکبری کی اولاد پسری کا ذکر اجمالاً کر دیا گیا۔ اب میر عدل موصوف کی اولاد دختری کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (یہ مضمون جلد دوم کے لیے مخصوص تھا مگر بوجہ عدم گنجائش جلد دوم یہاں تحریر ہوتا ہے)۔

ذکر سادات حسنی ساکن محلہ کوٹ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سید ابوالقاسم بن سید محمد میر عدل کی دختر بی بی اچھی

سید سراج الدین بن سید محمد بغدادی الحسنی القادری کے حبالہ عقد میں آئیں اور ان سے سید شاہ گدا مورث سادات حسنی ساکن محلہ کوٹ پیدا ہوئے اور اپنے حقیقی ماموں سید ابو الحسن بن سید ابو القاسم بن سید محمد میر عدل کی دختر مسماۃ بدی کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے اس طرح سید ابو القاسم (فاتح سیبی) بن سید محمد میر عدل کی اولاد دختری کا سلسلہ امروہہ میں قائم ہوا سید ابو القاسم (فاتح سیبی) بن سید محمد میر عدل اپنے وقت میں نامور منصبدار اور اپنے جلیل القدر باپ کے جلیل القدر فرزند تھے اسی طرح ان کے فرزند سید منعم بن سید ابو القاسم مذکور اور ان کے بھائی سید ابو الحسن بھی نامور منصبدار اور جاگیردار تھے ان دونوں بزرگوں کا ترکہ سید شاہ گدا موصوف کی والدہ اور زوجہ کو ملا اور اس ترکہ میں علاوہ دیگر اموال وغیرہ کے بڑی جاگیر اس خاندان میں سید محمد میر عدل کے گھرانے سے منتقل ہوی اس کے بعد دیوان سید محمود کے برادر حقیقی سید حامد بن سید عبد الماجد کی دختر اس خاندان میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر سید سراج الدین بن سید نور اللہ بن سید راجہ بن سید شاہ گدا موصوف کے نکاح میں آئیں۔ سید سراج الدین بن سید نور اللہ مذکور کی خوشدامن بی بی جیو زوجہ سید حامد برادر دیوان سید محمود نے متعدد عمارات عالیشان یہاں بنوائی تھیں اس لیے بمجرد اتنک بی بی جیو کا کوٹ مشہور ہے۔ اولاد سید شرف الدین شاہ ولایت میں جس قدر قدیم و جدید رشتہ داریاں سادات حسنی محلہ کوٹ سے ہوی ہیں۔ غالباً اتنی کسی دیگر سادات میں نہیں ہوئیں اور اب تک یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

سادات حسنی محلہ کوٹ کا سلسلہ نسب بواسطہ حضرت غوث الثقلین سراج السالکین برگزیدہ آل نبی واقف اسرار یزدانی قطب ربانی غوث صمدانی محبوب سبحانی شیخ الکل ہادی طریقت و مرشد سبل محی الدین سید عبد القادر جیلانی جناب امام حسن علیہ

علی آبادہ و اولادہ الف الف سلام و تحیات سے متصل ہوتا ہے۔ اہل سنت کے تمام گروہوں میں آپ سرتاج اولیاء عالم تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور جس قدر محامد و مناقب آنجناب کے بیان کئے جاتے ہیں وہ جماعت اولیا میں کسی دوسرے کے نہیں ہیں۔ جس طرح ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری کی ذات اقدس سلطان الاولیاء ہند و غریب نواز مشہور و معروف ہے۔ اسی طرح حضرت غوث پاک کی ذات گرامی سلطان الاولیا عالم و پیر دستگیر روشن ضمیر مشہور ہے۔ آپ کا حسب و نسب اقصائے عالم میں جس قدر مشہور و معروف ہے شائد کسی دوسرے خاندان سادات کا اس قدر مشہور نہیں ہے۔ مغرب اقصیٰ سے لے کر تمام بلاد طرابلس و مصر و شام و حجاز و عراق و ایران و افغانستان و چین و ہندوستان وغیرہ کے ہر زاویہ و خانقاہ میں انجناب کا شجرۂ نسب و شجرۂ بیعت سلسلہ قادریہ محفوظ اور معتقدین کے لیے حرز جان ہے۔ ہزارہا سوانح عمریاں آپ کی مرتب ہو چکی ہیں بیشمار دیوان شعرا کے آپ کی مدح و منقبت میں لکھے جا چکے ہیں۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ مسٹر سید امیر علی پریوی کونسلر جو زمانہ حال کے اکابر شیعہ میں سے ہیں اور بزرگ ترین اسلامی انگریزی مصنف ہیں۔ حضرت غوث پاک کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ) بعض اہل سنت حضرت عبدالقادر جیلانی کے بے حد و بے حساب ثنا و منقبت بیان کرتے ہیں اور ان کی تعظیم مفرط کرتے اور انہیں غوث اعظم و محبوب سبحانی و قطب ربانی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں جیسا کہ گلدستہ کرامات میں تحریر ہے اس کے بعد سید امیر علی جامع ممدوح الشان بالقابہ تحریر فرماتے ہیں کہ) حضرت غوث اعظم عالم باطن اور یقیناً فاطمی تھے علماء باطن اور درویشان باصفا میں ان کا درجہ نہایت اعلیٰ و ارفع ہے" (اسپرٹ آف اسلام صفحہ ۳۱۴ مصنفہ ڈی رائٹ

آنریبل سید امیر علی ایم۔ اے۔ سی۔ آئی۔ ای بیرسٹرایٹ لا پریوی کونسلر۔

حضرت غوث پاک کی ولادت باسعادت اور مدت عمر و سال وفات کو ایک شاعر نے اسی طرح ایک شعر میں ظاہر کیا ہے۔

سنش کامل ۹۱ و عاشق سال تولید ۴۷۱ وفاتش دان تو معشوق آلہی ۵۶۲

پیدائش آپ کی بمقام گیلان جو نواح طبرستان میں بغداد سے سات دن کے راستہ پر ہے۔ شب اول رمضان المبارک میں ہوی۔ سلسلہ نسب پدری آپ کا حضرت امام حسن علیہ السلام سے اور سلسلہ نسب مادری جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے متصل ہوتا ہے۔ آپ کے خوارق عادات و کرامات کا اگر ذکر لکھا جائے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اسی طرح آپ کے فیوض باطنی وارشادات عالیہ و ملفوظات گرامی پر بھی مستقل تصنیفات موجود ہیں۔ مسٹر ٹامس ولیم اپنی مشہور کتاب مفتاح التواریخ میں اور دیگر معتبر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سلطان سنجر سلجوقی نے آپ سے ملاقات کی استدعا کی اور عریضہ لکھا کہ میری حاضری میں امور سلطنت مانع ہیں اگر آنجناب یہاں قدم رنجہ فرمائیں تو آنجناب کی خانقاہ کے مصارف کے لیے ملک نیمروز وقف کر دوں گا۔ اس کے جواب میں حضرت غوث پاک نے یہ قطعہ لکھ کر بھیج دیا:۔

چوں چرخ چنبری رخ بختم سیاہ باد ۔۔۔ با فقر گر بود ہوس ملک سنجرم

تا یافت جان من خبر از ملک نیم شب ۔۔۔ من ملک نیمروز بنیک جو نمی خرم

مصرعہ ثالث میں ملک نیم شب سے مراد عبادت نیم شبی و تہجد سے ہے۔ لبیں متعدد کتب حضرت غوث پاک کی تصنیف سے یادگار ہیں۔ از انجملہ ایک غنیۃ الطالبین مشہور ہے۔ اب تک ہم بھی یہی سنتے آئے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوث پاک کی تصنیف ہے

مگر حال میں علماء عراق و مصر و شام وغیرہ نے ایک مبسوط رسالہ لکھ کر اس امر کا اعلان کیا ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوث پاک کی تصنیف نہیں ہے۔ اور بکثرت داخلی و خارجی شہادت درج کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ آنجناب کی تصنیف نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ رسالہ راقم الحروف نے بچشم خود حیدر آباد میں اپنے ایک کرم فرما کے کتبخانہ میں دیکھا تھا جس میں صدہا علماء عراق و عرب وغیرہ کے دستخط اس امر کی تصدیق کے لیے دکھائے گئے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوث پاک کی تصنیف کسی طرح نہیں ہو سکتی ہے اور اس میں بعض وہ مضامین درج ہیں جو واضح طریقہ سے حضرت غوث پاک کے مسلک و ارشادات سے مغائر ہیں۔ حال ہی میں دہلی کے مشہور رسالہ ماہواری (مولوی) کا غوث اعظم نمبر شائع ہوا۔ اور اس میں بھی غنیۃ الطالبین کو حضرت غوث اعظم کی تصنیف تسلیم نہیں کیا گیا۔ مولنا مراد صاحب مارہروی تحریر فرماتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ غنیۃ الطالبین غوث پاک کی تصنیف ہے مگر اکابر اور واقفان اسرار نے اسے حضور کی تصنیف قرار دینے میں تامل کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ صرف نام کی یکرنگی دیکھ کر نے اس کتاب کو حضرت غوث پاک کی طرف منسوب کر دیا ورنہ یہ ایک اور شخص عبد القادر جیلانی کی تصنیف ہے..... فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین کی عبارات میں بعد المشرقین نظر آتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور غوث اعظم کا ہاتھ بھی غنیۃ الطالبین کو نہیں لگا..... غوث پاک کا منصب بہت بلند تھا اور یہ کتاب ان کی لکھی ہوئی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ جن لوگوں نے اس کتاب کو حضور کے نام سے منسوب کیا ہے۔ ہمارے نزدیک انہوں نے غلطی کی ہے اور یہ ان کی تحقیق کی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔

متقدمین میں بھی اکابر نے بعض بعض مقامات پر غنیۃ الطالبین کو حضرت غوث پاک کی تصنیف تسلیم نہیں کیا اور عصر حاضر کے علما میں اکثر تعداد ان کی ہے جو اس کتاب کو جناب غوث اعظم رض کی تصنیف نہیں مانتے ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ نے بھی حال میں اسی خیال کی تائید فرمائی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب غنیۃ الطالبین میں بعض مضامین رد مذہب شیعہ میں بھی درج ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ اکثر بزرگان شیعہ کا خیال حضرت غوث پاک کی نسبت اچھا نہیں ہے بخلاف دیگر اکابر صوفیا مثلاً خواجہ اجمیری وغیرہ کے کہ اکابر شیعہ آنجناب کا نام نامی ہمیشہ ادب و تعظیم سے لیتے اور حفظ مراتب کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں۔

صاحب سعادۃ الکونین تحریر فرماتے ہیں:۔ (اولاد حسن بن علیؓ از زید بن حسن و حسن بن حسن باقیست چنانچہ شیخ عالم و عامل و عارف کامل محی الدین ابو محمد عبدالقادر الجیلانی از اجلہ سادات حسنیہ است)۔

اسی طرح دیگر تذکرہ نویس بھی لکھتے آئے ہیں آنجناب کا شجرۂ نسب جو اہل خاندان اور آپ کے بے شمار متوسلین و معتقدین کا مقبولہ ہے یہ ہے: محی الدین عبدالقادر جیلانی بن ابو صالح موسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن محمد الرومیہ بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن جناب امام حسن علیہ السلام بن جناب شیر خدا علی بن ابی طالب۔ جناب امام حسن علیہ السلام کا سال وفات ۵۰ھ اور جناب غوث پاک کا سال ولادت ۴۷۱ھ ہے۔ پس اس حساب سے بموجب قاعدہ اکثریہ مقبولہ نسابین بحساب تین پشت فی صدی بارہ تیرہ پشتوں کا شمار میں آنا ضروری ہے اور جانبین کو شمار میں لانے کے بعد تیرہ پشتیں اس مقبول عام شجرہ میں موجود ہیں۔ پس سلسلہ نسب متصل

اور صحیح ہے۔

سید سراج الدین اکبر آبادی بن سید محمد بغدادی الحسنی القادری مورث سادات حسنی امروہہ کا سلسلہ نسب حضرت غوث پاک سے اس طرح متصل ہے :۔ (سید سراج الدین مذکور بن سید محمد بغدادی بن جلال الدین بن سید نجن بن سید احمد حاجی الحرمین بن نصر اللہ بن قطب العالمین بن موسیٰ بن عبد الجبار بن ابو نصر صالح بن عبد الرزاق بن غوث صمدانی قطب ربانی حضرت غوث پاک سید عبد القادر جیلانی) حضرت غوث پاک کا سال وفات ۵۶۱ھ ہے۔ سید سراج الدین اکبر آبادی اکبر بادشاہ کے ہمعصر ہیں جس کا سال آغاز سلطنت ۹۶۳ھ ہے۔ اور اسی زمانہ میں یعنے بعہد اکبری سید محمد میر عدل کی پوتی قبلی اچھی سے آپ کا عقد ہوا ہے۔ پس آپ کا سال ولادت تخمیناً ۹۴۰ھ باور کر لینا قرین عقل و صواب ہے۔ اس حساب سے (۹۴۰-۵۶۱=۳۷۹) قریباً تین سو اسی سال کا بعد زمانی سید سراج الدین اکبر آبادی اور حضرت غوث پاک کے درمیان ثابت ہوتا ہے اس مدت میں اتصال نسب کے لیے بحساب تین پشت فی صدی قریباً گیارہ پشتوں کی ضرورت ہے۔ اور اس شجرہ میں بشمول جانبین بارہ پشتیں موجود ہیں پس سلسلہ نسب متصل اور صحیح ہے۔

سید سراج الدین اکبر آبادی کے فرزند سید شاہ گدا عالی نسب والا حسب تقویٰ و طہارت میں یکتا کاملیں وقت سے تھے۔ (تاریخ امروہہ) اس خاندان میں بقول صاحب تاریخ واسطیہ سید غلام محی الدین بن سید شرف الدین بعہد عالمگیر ثانی پانصدی ذات کے منصبدار تھے اور سید عطا محی الدین بن سید محمد زاہد دوصدی ذات کے منصبدار تھے۔ دیگر صاحبان خاندان کے مناصب و مراتب کا حال کسی دستاویزی شہادت

سنے معلوم نہیں ہو سکا۔ اس لیے ان کا ذکر ترک کیا گیا۔ مولوی سید رمضان علی بن سید نورالدین بن سید محمد زاہد بن سید سراج الدین بن سید نوراللہ بن سید راجہ بن سید شاہ گداند کور مولنا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ علم و فضل زہد و تقویٰ میں یگانہ روزگار تھے ان کے لائق فرزند مولوی سید نذراللہ عاشق و ذاکر رسول تھے۔ آج تک ان کا نام امروہہ میں ذکر رسول کے لئے مشہور ہے (شجرہ نشان ۳۱)۔

ان کے فرزند سید شعیب احمد و سید حبیب احمد و سید یٰسین احمد و سید تحسین احمد موجود ہیں سید شعیب احمد صاحب کے فرزند محمد احمد رکالمانگریزی میں محکمہ خفیہ پولیس میں انسپکٹر ہیں۔ سید حبیب احمد صاحب مذکور اپنے والد مرحوم کے قدم بقدم صید افگنی کے لیے امروہہ میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ سید ظہور حسن مرحوم المتخلص بہ ثاقب بن سید محمد حسین بن سید شاہ علی بن سید محمد زاہد بن سید سراج الدین بن سید راجہ بن سید شاہ گداند کور شاعر خوش بیان تھے وکالت کرتے تھے۔ ان کے فرزند سید حمید حسن صاحب نامی وکیل ہوئے ان کی اولاد پسری باقی نہ رہی (شجرہ نشان ۳۱)۔ ایک دختر سید وحید الحسن بن سید آل محمد بن سید بہادر حسین بن سید مظفر حسین سے منعقد ہوئیں۔ جن سے اولاد پسری موجود ہے۔ اور جن کا ذکر خاندان دیوان سید محمود میں ہو چکا ہے۔ سید آل احمد بن سید عبدالعلی بن سید رحیم بخش بن سید علاءالدین بن سید محمد زاہد بن سید نوراللہ بن سید راجہ بن سید شاہ گدا اس خاندان میں سجادہ نشین تھے ان کے بعد ان کے فرزند سید احمد سجادہ نشین ہیں۔ سید خیرات علی بن سید رمضان علی بن سید عبدالغنی بن سید نصراللہ بن سید راجہ بن سید شاہ گدا اس خاندان میں صاحب ثروت و مشاہیر میں سے تھے۔ ان کے دو فرزند سید آل علی۔ و سید ایمان علی

ہوے اول الذکر کے فرزند آل مرتضیٰ لاولد فوت ہوے دونوں بھائیوں کی نسل آگے کو نہ چلی (شجرہ نشان ۳۱)۔

سید ضیاء الحسن بن سید محمد نذر بن سید منور علی بن غلام محی الدین بن شرف الدین بن محمد مراد بن سید قایم راجہ مرسان کی ریاست میں تحصیلدار تھے ان کے فرزند سید فیاض الحسن حیدرآباد دکن کے دفتر معلومات عامہ میں عہدہ دار ہیں۔ ان کے بھائی سید ریاض الحسن صاحب بھی نیک سیرت ہیں اور ملک اودھ میں بسلسلہ کاروبار مقیم ہیں۔ سید شاہ علی بن سید غلام مرتضیٰ بن سید نصر اللہ بن سید راجہ بن سید شاہ گداند کورنے محلہ کوٹ کی سکونت ترک کی اور ایک نیا محلہ اپنے نام سے شاہ علی سرائے شہر کے شمال میں متصل محلہ دربار کلاں آباد کیا۔ یہ لاولد ہوے۔ اور ان کے قائم مقام ان کے بھائی سید حسن علی شاہ علی سرائے میں جا رہے اور ان کی اولاد اب تک یہیں ساکن ہے۔ سید حسن علی مذکور کے بیٹے سید غلام شاہ ہوے۔ ان کے بیٹے سید منور علی ہوے ان کے سات فرزند ہوے۔ از انجملہ نسین علی و علمدار علی و نثار علی و رستم علی لاولد ہوے۔ باقی سید مردان علی و مہدی علی و بشارت علی کے اولاد ہے۔ مہدی علی کے فرزند تحسین علی ہیں۔ مردان علی صاحب کے تین فرزند محمد احسن و مظفر علی و اکبر علی ہوے محمد احسن صاحب اپنے وقت کے علماء اور علوم دین کے بے مثل عالم تھے۔ کثیر تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔ آخر عمر میں احمدی مشرب اختیار کیا تھا۔ آج تک اس جماعت میں اور دیگر مقامات پر بھی آپ کا نام روشن ہے عمر بھی کثیر پائی ۱۰۵ سال کی عمر میں ۱۳۴۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ سید محمد اسمٰعیل و سید محمد یعقوب و سید محمد یوسف و سید محمد اسحٰق و سید محمد یحییٰ آپ کے

آپ کے پسران موجود ہیں۔ سید محمد اسمٰعیل صاحب مذکور التخلص بہ عیش رنگون میں طبیب اور وہاں کے سربرآوردہ اشخاص میں ہیں عالم و فاضل و کثیر المطالعہ شخص ہیں۔ (شجرہ نشان ۳۱)۔

سید محمد میر عدل اور ان کی اولاد پسری و دختری کا تذکرہ اجمالاً یہاں تک ہوا۔ اب یہاں سے سید صاحب موصوف کے برادر عالی قدر میر سید مبارک کی اولاد امجاد کے حالات اجمالاً بیان کئے جاتے ہیں۔

تذکرہ خاندان سید مبارک بن سید منتجب

سید مبارک بن سید منتجب ثانی (بن سید بڑے بن سید چاند بن سید منتجب بن سید راجی بن سید عبد العزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفرح (ابو الفضل) واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقی عہد اکبری میں چہار صد پنجاہی ذات کے منصب پر سرفراز تھے جو عہد مغلیہ کے دور آخر کے مناصب کے چار ہزاری بلکہ اس سے بھی زیادہ منصب کے مساوی سمجھنا چاہیے آپ کے فرزند نامور سید عبد الواحد صاحب بھی حسب صراحت آئین اکبری دو صدی ذات کے منصب پر عہد اکبری میں جو سلطنت مغلیہ کا عہد طلائی تھا سرفراز تھے آپ کے دوسرے فرزندان سید عبد الہادی یک صد پنجاہ و سید عبد الجلیل صد و بستی

و سید عبدالغفار و سید عبدالحفیظ و سید عبدالرشید یک یک صدی پر اور سید عبدالمجید چہارصدی منصب پر عہد اکبری میں سرفراز رہے۔ الغرض امارت و ریاست اس خاندان والاشان میں نہایت قدیم ہے۔ سید عبدالواحد صاحب مذکور بن سید مبارک نے اس مقام پر جسے اب محلہ گذری کہتے ہیں عالی شان محلسرائے اور دیگر عمارتیں تعمیر کرائیں آپ کے دو فرزند ہوئے۔ جن کے نام عبدالوارث و عبدالباقی ہیں۔ اول الذکر بزمانہ شہنشاہ جہانگیر ہزاری ذات و ہزار سوار کے منصب پر سرفراز تھے۔ ایک دختر آپ سے باقی رہیں جو آپ کے بھتیجے سید محمد مختار بن سید عبدالغفار کے نکاح میں آئیں۔ دوسرے فرزند سید عبدالباقی کی نسل امروہہ میں باقی نہ رہی سید محمد مختار مذکور بن سید عبدالغفار بن سید مبارک کے چار فرزندان نامدار غضنفر علی و جعفر علی و بہاءالدین و لطف علی ہوئے ان میں سے سید بہاءالدین منقرض النسل ہیں سید لطف علی لاولد ہوئے سید جعفر علی صاحب کی اولاد محلہ راجہ سرائے میں ہے۔ سید غضنفر علی صاحب کی اولاد امجاد سے محلہ گذری آباد ہے۔ اور باعتبار کثرت تعداد و اقتدار سید مبارک مذکور کی اولاد میں یہ شاخ زیادہ نمایاں ہے۔ سید غضنفر علی مذکور (بن سید محمد مختار بن سید عبدالغفار بن سید مبارک) کے چار فرزندان نامور ہوئے جن کے نام سید فیض محی الدین و سید ہزبر علی و سید وارث علی و سید حارث علی ہیں۔ سید حارث علی کی نسل پسری نہیں ہے۔ مابقی تین فرزندان والاشان کی اولاد کا تذکرہ سطور مابعد میں کیا جاتا ہے۔ (شجرہ نشان ۱۶ و مابعد)۔

سید محمد مختار بن سید عبدالغفار بن سید مبارک عہد شاہ جہانی میں امیر کبیر و ذی ثروت تھے۔ دوصدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ ان کے فرزند سید

سید غضنفر علی بھی عہد شاہ جہانی میں دو صدی ذات کے منصب پر فائز رہے۔ ان کے ایک فرزند سید فیض محی الدین کو صاحبان شجرہ نے چہار صدی منصب پر فائز لکھا ہے جو غالباً عہد عالمگیری سے متعلق ہے۔ اسی طرح سید فیض محی الدین کے فرزند سید عبدالماجد کے متعلق چہار صدی ذات کا منصب تحریر ہے۔ سید عبدالماجد مذکور کے دو فرزند سید عبداللہ و سید عطا نظام الدین ہوئے۔ اول الذکر صد و پنجاہی ذات کے منصب سے سرفراز تھے۔ سید عطا نظام الدین منصبدار داخل چوکی ہوئے۔ مگر تعداد منصب معلوم نہو سکی (شجرہ نشان ۱۷)۔

سید غضنفر علی صاحب مذکور (بن سید محمد مختار بن سید عبدالغفار بن سید مبارک) کے دوسرے فرزند سید وارث علی بھی منصبدار تھے چہار صدی ذات ۳۰۰ سوار کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ سید وارث علی مذکور کی اولاد امجاد میں ان کے فرزند سید عبدالواحد عہد محمد شاہی میں ہزاری ذات دو سو سوار کے منصب پر فائز تھے۔ ان کے فرزند سید وزیر علی بھی عہد مذکور میں ایک صدی ذات کے منصب پر فائز ہوئے۔ ان کے فرزند سید ذوالفقار علی عہد عالمگیر ثانی میں پانصدی ذات پچاس سوار کے منصب پر فائز ہوئے۔ سید عبدالواحد کے دوسرے فرزند سید نیر علی بھی عہد محمد شاہی میں یک صدی ذات کے منصب سے سرفراز تھے۔ سید عبدالواحد مذکور کے تیسرے فرزند سید منصور علی بھی اس زمانہ میں یک صدی ذات کے منصب پر فائز تھے۔ سید منصور علی کے فرزند سید مظفر علی عہد عالمگیر ثانی میں پانصدی ذات پچاس سوار کے منصبدار ہوئے۔ یہ لاولد ہیں ان کے بھائی سید نصرت علی بھی عہد عالمگیر ثانی میں پانصدی ذات پچاس سوار کے منصبدار ہوئے۔ ان کے تیسرے بھائی سید محب علی

صاحب کا منصب بھی یہی تھا۔ سید محب علی صاحب مذکور کے فرزند سید عزیز علی ہوئے۔ ان کے فرزند حاجی سید اصغر حسین مصنف تاریخ اصغری ہیں۔ جو اپنے وقت میں عالم فاضل اور دیگر صفات سے متصف تھے۔ ان کے فرزند حاجی سید آل محمد ذی علم و نیک خصلت ہوئے (شجرہ نشان ۱۶) سید وزیر علی مذکور بن سید عبد الواحد بن سید وارث علی بن سید غضنفر علی بن سید محمد مختار بن سید عبد الغفار بن سید مبارک (کے ایک فرزند نامی سید صفدر علی ہوئے جن کے ایک فرزند سید حیدر علی تھے۔ سید حیدر علی مذکور کے فرزند سید ولی حسین ہوئے جو شاعر اور بے مثل خطاط تھے۔ ولی تخلص تھا۔ ان کے لائق فرزند سید مومن حسین صفی بھی شاعر نازک خیال تھے۔ دور دور تک ان کی شاعری مشہور ہے۔ خطاط بھی تھے۔ ان کے دو فرزند سید زیرک حسین و لائق حسین قوی ہوئے۔ یہ دونوں لائق بھائی بھی فن خوش نویسی و شاعری میں استاد تھے۔ اول الذکر ڈاکٹری میں بھی پاس تھے۔ اور عالم و فاضل تھے۔ سید مومن حسین صفی مذکور کے دوسرے بھائی سید محسن حسین سخی بھی فن خوشنویسی کے اوستاد اور شاعر تھے۔ ان کے لائق فرزند سید عین الحسن جری بھی اپنے والد کے قدم بقدم ہیں۔ (شجرہ نشان ۱۶)

سید غضنفر علی مذکور (بن سید محمد مختار بن سید عبد الغفار بن سید مبارک) کے فرزند چہارم سید ہزبر علی کی اولاد تعداد میں کثیر باعتبار مناصب و مراتب زیادہ نمایاں ہے۔ سید ہزبر علی صاحب مذکور کے چار فرزند نامدار ہوئے۔ جن کے نام سید مراد علی و سید علی مرتضیٰ خان و سید شجاعت علی و سید مصطفیٰ علی ہیں۔ سید مراد علی صاحب کی نسل پسری آگے چل کر قطع ہو گئی۔ باقی تین فرزندان عالی قدر کی نسل سے محلہ گذری آباد ہے۔ سید ہزبر علی مذکور خود بھی منصبدار ذی اقتدار تھے مگر مقدار منصب معلوم نہیں ہو سکی

اسی طرح آپ کے فرزند سید مراد علی مذکور کی مقدار منصب کا علم بھی نہ ہو سکا۔ سید علی مرتضیٰ خان بن سید ہز بر علی مذکور عہد محمد شاہی میں ہزاری ذات دو سو سوار کے منصب اور خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ امارت و ریاست ان کی اولاد میں متوارث رہی۔ اور یکے بعد دیگرے امرائے نامدار ذی وقار ان کی نسل میں ہوتے رہے۔ یہ خاندان گھڑیال والوں کا مشہور ہے (شجرہ نشان ۱۸) سید علی مرتضیٰ خاں مذکور کے فرزند عالی وقار سید علی اعظم خاں عہد شاہ عالم بادشاہ میں سہ ہزاری ذات کے منصب اور خطاب بہادر سے سرفراز ہوئے۔ ان کی امارت و ریاست آج تک اہل میں یادگار ہے۔ آپ نے اپنی محلسرائے علیحدہ تعمیر کرائی جس کے آثار ابھی تک باقی ہیں اور اس میں آپ کی اولاد کی ابھی تک اقامت چلی جاتی ہے محلسرائے کے بلند کمان دروازہ کا مادہ تاریخ (در اعظم) ہے جس سے ۱۲۱۵ھ برآمد ہوتے ہیں۔ پندرہ گاؤں بطور التمغا آپ کو جاگیر میں ملے تاریخ وفات آپ کی (در د اعظم) ہے آپ کے دو فرزندان عالی قدر ہوئے۔ جن کے نام سید بنیاد علی خان و امان علی خان ہیں۔ ان دونوں کو بھی جاگیریں انعام میں ملیں۔ اول الذکر صوفی مشرب اور باوجود امارت کے درویش سیرت تھے لاولد فوت ہوئے۔ سید امان علی خان اپنی ریاست و وقار کے لیے اب تک مشہور ہیں۔ شاعر بھی تھے۔ عزیز آنجناب کا مخلص تھا۔ پانصدی ذات کے منصب اور خطاب خانی سے سرفراز تھے۔ مادہ تاریخ آپ کی وفات کا (در د دل اعظم ہے) آپ کے دو فرزندان نامدار یادگار رہے۔ جن کے نام سید علی احسن خان و سید علی مظفر خان ہیں۔ اول الذکر بھی اپنی ریاست و امارت کے لیے مشہور ہیں۔ احسن تخلص تھا خود بھی صاحب کمال تھے۔ اور اہل کمال کے قدردان تھے۔ مادہ تاریخ آپ کی وفات کا (رنج اعظم)

ہے ان کے چھوٹے بھائی حاجی سید علی مظفر خاں بھی اپنے نامور اسلاف کے قدم بقدم رہے۔ اور طریقہ ریاست و دربار داری باقی رہا۔ ان کے فرزند سید علی منتظم خاں ہوئے جن کا تخلص منتظم تھا۔ یہ بھی اکابر وقت میں سے تھے ان کے تین فرزند ہوئے۔ جن کے نام سید علی نقی خان و علی مجتبیٰ خاں و سید علی مہتدیٰ خاں ہیں۔ سید علی نقی خاں کے فرزند علی اختر خان و علی محتشم خان ہیں۔ حافظ سید علی مجتبیٰ خاں کے۔ دو فرزند ان حافظ علی متقی خان و علی اجتبیٰ خاں ہیں۔ اول الذکر قومی کاموں میں اکثر دلچسپی لیتے ہیں۔ علی اجتبیٰ خاں صاحب سلسلہ ملازمت اودھ میں مقیم ہیں۔ سید علی مہتدی خاں مذکور کے فرزندان علی معتمد خان و علی عطا خاں و علی مرتضیٰ خاں و علی صابر خاں و علی صفدر خاں ہیں۔ ان میں سے سید علی معتمد خاں صاحب منتظم اور معاملہ دان شخص ہیں۔ ان کے بھائی سید علی مرتضیٰ خاں صاحب نیک سیرت اور قومی ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے ہیں۔ یہ خاندان سادات امروہہ میں دور آخر میں لحاظ امارت و ثروت کے ممتاز رہا۔ سید بنیاد علی خاں مذکور بن سید علی اعظم خاں نے اپنے بڑی جاگیر بذریعہ وقف نامہ مورخہ ۲ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ وقف کی اور اپنے دو برادر زادگان علی احسن خان و علی مظفر خاں کو نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ متولی اور منتظم بنایا۔ اب سنا گیا ہے کہ عدالت العالیہ سے یہ وقف وقف علی الاولاد قرار پایا ہے۔ اور اسی پر عمل درآمد ہے۔ (شجرہ نشان ۱۸)۔

سید ہنر بر علی (بن سید غضنفر علی بن سید محمد مختار بن سید عبد الغفار بن سید مبارک مذکور کے تیسرے فرزند سید شجاعت علی مذکور عہد محمد شاہی میں پانصدی ذات و یک صد سوار کے منصب پر فائز ہوئے۔ اپنے وقت کے اکابر میں سے تھے۔ اور سرکار سنبھل کے

سررشتہ موازنہ کی تصحیح کی خدمت بھی آپ سے متعلق تھی۔ ان کے چار فرزند سید ہدایت علی و منور علی و فضل علی و فیروز علی ہوے (شجرہ نشان ۱۹)۔ آخر الذکر منقرض ہیں۔ سید منور علی بن شجاعت علی مذکور عہد محمد شاہی میں پانصدی ذات کے منصبدار اور امیر وقت تھے۔ ان کے بھائی سید فضل علی صاحب بھی اسی منصب پر فائز ہوے تیسرے بھائی فیروز علی بھی منصبدار تھے۔ مگر مقدار منصب کا علم نہیں ہے۔ ان کے بھائی ہدایت علی بھی منصبدار داخل چوکی تھے۔ مگر مقدار منصب کا علم نہیں ہے سید شجاعت علی صاحب بن سید ہزبر علی مذکور کی اولاد کثیر تعداد میں ہے۔ دور آخر میں ڈاکٹر سید رضی الحسن صاحب (بن سید اولاد علی بن سید حیدر بخش بن سید علی بخش بن سید ہدایت علی بن سید شجاعت مذکور) اپنے وقت میں طبابت میں خاص شہرت رکھتے تھے سید عرفان احمد ان کے فرزند موجود ہیں۔ حکیم سید جواد حسین (بن سید نذر حسین بن سید ضمیر علی بن سید بو علی بن سید منور علی بن سید شجاعت علی بن سید ہزبر علی مذکور) بھی اپنے فن میں نہایت ہوشیار اور مشہور ہوے ہیں۔ ان کے بھائی سید علی موسیٰ رضا بھی خردمند و ممتاز ہوے۔ سید نذر الحسن المتخلص بہ تپش (بن سید ناصر علی بن سید عنایت علی بن سید فضل علی عرف مکھو بن سید شجاعت بن سید ہزبر علی مذکور) شعر گوئی میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ ان کے فرزند سید نجم حسن صاحب نے جو اسٹر سید نجم حسن مشہور ہیں تعلیم انگریزی کے دور اول میں خاص شہرت انگریزی تعلیم دینے میں حاصل کی۔ امروہہ کے اکثر انگریزی دان اصحاب آپ کے افادات تعلیمی کے ممنون ہیں۔

(شجرہ نشان ۲۰) حاجی سید محمد حسین (بن سید انور علی بن سید رحیم اللہ بن سید شجاعت علی بن سید ہزبر علی مذکور) صوفی مشرب اور شاعر تھے۔ ان کے فرزند

سید اعزاز حسین صاحب بھی فقیر دوست اور درویش پسندی میں مشہور ہوے۔ ان کے فرزند سید معظم حسین صاحب نہایت پختہ عقیدہ کے ہیں اور رد بدعات میں سرگرم رہتے ہیں۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع مسجد پانہاڑی کے منتظم بھی رہے۔ نیک خصلت اور خالص مذہبی جوش رکھنے والے ہیں شہر کے اکثر مذہبی معاملات میں آپکا نام سب سے اول لیا جاتا ہے۔ (شجرہ نشان ۱۹)۔

سید ہزبر علی ابن سید غضنفر علی بن سید محمد مختار بن سید عبدالغفار سید مبارک مذکور کے چوتھے فرزند سید مصطفےٰ علی صاحب ہیں جو پانصدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ آپ کے چھ فرزندان نامدار ہوے جن کے نام سید سلطان علی و سید غلام قطب الدین و سید غلام زین العابدین و سید غلام نظام الدین و سید عطا محی الدین و سید غلام اسد اللہ خان (عرف میر کلو) ہیں اول الذکر سید سلطان علی عرف گمانی و سید غلام نظام الدین مذکور کے اولاد پسری باقی نہیں ہے۔ سید غلام زین العابدین کی نسل بھی دو پشتوں کے بعد باقی نہ رہی۔ سید غلام قطب الدین کی اولاد پسری بھی اب باقی نہیں مابقی دو فرزندان نامدار سید غلام اسد اللہ خان عرف میر کلو و سید عطا محی الدین کی اولاد امجاد موجود ہیں۔ سید عطا محی الدین صاحب کے دو پسر سید احمدی و سید محمدی ہوے (شجرہ نشان ۲۱)۔ سید احمدی صاحب کے فرزند سید ہزبر علی ہوے سید ہزبر علی مذکور کے تین پسر قربان علی و انتظام علی و مہربان علی ہوے۔ انتظام علی مذکور کے فرزند خادم علی ہوے۔ جن کے دو فرزند سید کرار حسین و جرار حسن ہوے۔ سید کرار حسن صاحب مذکور عالم و زاہد و پیش نماز تھے۔ آپ کے چار پسران سید حاجی حسن و حامد حسن ہوے۔ اول الذکر ضلع بیڑ مملکت آصفیہ میں وکیل ہیں۔ ثانی الذکر حامد حسن صاحب

ضلع نظام آباد میں نظام ساگر پر محکمہ تعمیرات میں عہدہ دار ہیں۔ سید مصطفیٰ علی صاحب
ابن سید منور علی بن سید غضنفر علی بن سید محمد مختار بن سید عبدالغفار بن سید مبارک
مذکور کے فرزند سید غلام اسد اللہ خاں عرف میر کلو کا نام نامی و اسم گرامی امروہہ کی
تاریخ میں خاص طور پر یادگار ہے۔ اور ہمیشہ یادگار رہے گا۔ میر سید اسد اللہ صاحب
مذکور نواب دوندے خاں صاحب کے رفیق اعلیٰ اور مشیر با تدبیر تھے ۱۷۶۱ء
میں پانی پت کا مشہور اور آخری معرکہ پیش آیا جو تاریخ ہند میں کئی
حیثیت سے نہایت اہم اور مشہور ترین واقعہ ہے۔ جس میں فیصلہ کن جنگ ہوکر
ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوا۔ تمام ہندوؤں کی مشترکہ قوت مسلمانوں کی پریشاں
شدہ اور بظاہر کسی قدر مجمع قوت سے ٹکرائی احمد شاہ درانی کی قیادت میں نواب شجاع
الدولہ و حافظ الملک حافظ رحمت خاں صاحب و نواب دوندے خاں و احمد خاں
بنگش والی فرخ آباد وغیرہ سے مسلمانوں کا لشکر مرتب ہوا تھا ان کے مقابل تمام راجے
مہاراجے۔ اور ہندوستان بھر کے ہندو نبرد آزماؤں کا کئی لاکھ کا لشکر تھا جو اس زمانے
کے اعتبار سے بہترین فوجی تربیت پائے ہوئے اور بہترین ساز و سامان سے آراستہ
ہوکر اس عزم بالجزم سے عازم شمال ہوا تھا کہ نہ صرف سرزمین ہند سے مسلمانوں کو
خارج کیا جائے۔ بلکہ استنبول اور حرمین شریفین پر ہندو جھنڈا اڑایا جائے۔ ۶ جمادی
الثانی ۱۱۷۴ھ کو یہ مشہور عالم معرکہ درپیش ہوا۔ عقلائے روزگار حیران ہیں کہ لشکر اسلامی
کو باوجود قلت تعداد و اختلاف باہمی اور باوجود بہتر ساز و سامان مہیا نہونے کے کس
طرح فتح نصیب ہوی۔ خوش عقیدہ مسلمانوں سے اب تک بھی ہم نے یہ سنا ہے کہ ملائکہ مقربین
نے اس جنگ میں مسلمانوں کی امداد کی تھی۔ ابتداء جنگ میں مسلمانوں کے لشکر میں انتشار و

انہزام کی شکل پیدا ہوئی مگر بالآخر بالفاظ صاحب تاریخ اودھ (یک لخت ایسا اتفاق ہوا کہ گویا کسی سحر و طلسم کے زور سے سارے مرہٹے قریب دو بجے دن کے بھاگ نکلے اور لڑائی کے کھیت کو کشتوں کے پشتوں سے معمور چھوڑ گئے۔ فیروزمندوں نے بڑے جوش و خروش سے بھگوڑوں کا پیچھا کیا اور کسی کو پناہ نہ دی۔ اسی باعث ایسا بھاری قتل پڑا کہ حد قیاس سے باہر ہے۔ چنانچہ ہر جانب کو پندرہ پندرہ بیس بیس میل تک تعاقب کیا گیا جدھر نظر کرتے تھے ہندوؤں کی لاشیں ہی لاشیں نظر آتی تھیں۔ اور جو ہمتے فاقوں کے مارے بچے رہے وہ دیہاتیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ..... مرہٹوں کو ایسی بھاری شکست کبھی نہیں ملی تھی۔ جس سے بڑی افسردگی و پژمردگی ان میں پھیلی اور سارے مرہٹوں پر مایوسی اور غمگینی چھا گئی۔ بائیس ہزار مرہٹے عورت و مرد غلام و باندی بنائے گئے پچاس ہزار گھوڑے اور دو لاکھ بیل اور بیس ہزار اونٹ اور پانسو ہاتھی علاوہ توپ خانہ و نقد و جنس کے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ مرات احمدی میں لکھا ہے کہ قریب سات سو ہاتھی اور پچیس ہزار گھوڑے اور اسی طرح بہت سے اونٹ اور دوسرا سامان و اسباب شجاع الدولہ و نجیب الدولہ و والی نجیب آباد کی سرکار میں داخل ہوا جو کئی کرور روپیہ کا مال تھا۔ تاریخ اودھ مصنفہ نجم الغنی خانصاحب مرہٹہ لشکر کی تعداد میں مورخین کے بیانات میں اختلاف ہے۔ لیکن اس سے بدرجۂ یقین یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ تعداد لشکر تین اور پانچ لاکھ کے درمیان تھی۔ ادھر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد جس میں غیر تربیت یافتہ افراد کی کثرت تھی۔ ایک لاکھ کے قریب ہی قریب تھی۔ ایک ہندی شعر میں اس جنگ عظیم کی تاریخ اس طرح بیان کی گئی ہے۔ سن گیارہ سو چوہتر (۱۱۷۴) ہجری میں اک بودہ ہوا بھوجیارا چھٹی جمادی الثانی کو شہ جتیا ہاؤ ہارا۔ ہمارا مقصد یہاں اس جنگ کی

تفصیلات بیان کرنا نہیں ہے۔ تاریخی دلچسپی کے خیال سے تعارفاً اس قدر بابس عرض لکھا گیا کہ اس قومی جنگ میں سادات امروہہ کے فرزند عزیز و جلیل میر اسد اللہ خاں عرف میر کلو نفس نفیس صف قتال میں شریک اور بہادرانہ داد شجاعت دے کر مجروح اور دین و دنیا میں سرخرو اور غازیان دین دار و مجاہدان تہور شعار کی جماعت میں داخل ہوئے۔ آج تک آپ کی اولاد امجاد اور تمام خاندان سادات کے لیے آپ کا یہ کارنامہ باعث صد فخر و افتخار رہے۔ نواب دوندے خاں کے آپ معتمد خاص و مستشار موتمن بلکہ ان کی سرکار میں سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ خداوند عالم نے دولت و ثروت بھی بہت دی تھی۔ اہل علم و صاحب دل بھی تھے۔ ایک مسجد آپ کی تعمیر کردہ ابھی تک موجود ہے۔ اور اس میں پتھر پر یہ کتبہ کندہ ہے (بانی این مسجد میر اسد اللہ راجی الی اللہ لکم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اللھم عزلہ ولمن دخل وعبد فی ھذا المسجد بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یکہزار و یک صد و ہفتاد و دو سنہ بنا ہجری) موضع جہرن در وسط اس مسجد اور اس کے متعلقہ اخراجات کے لیے آپ نے وقف فرمایا۔ مدرسہ بھی اس مسجد میں ابھی تک موجود ہے جس میں علم دین کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضرت شاہ اعظم ؒ بچھراپونی کے مرید و معتقد تھے اور باوجود امارت و ریاست درویش سیرت اور صاحب دل تھے۔ صاحب نخبۃ التواریخ لکھتے ہیں:۔

"در آخر نقشبندیہ بعضے از حضرت شاہ اعظم ؒ بچھراپونی استفاضۂ باطن نمودند چنانچہ میر اسد اللہ عرف میر کلو از ایشان بیعت ارادت آوردہ نسبت درست کرد و مغتنم وقت بود) اپنی جاگیر میں سے دو گاؤں رام پور و ابراہیم پور حضرت شاہ اعظم ؒ صاحب کے بیٹوں کے حق میں دواماً واگذاشت کئے صاحب خلاصۃ الانساب تحریر فرماتے ہیں

مصارف مدرسہ و مسجد میر صاحب کہ مصارف موصوف میں داخلے علماء و حفاظ
مسافرین و مستحقان کے آمدنی موضع کثیر الرقبہ و منفعت موضع جہان کی دوام
وقف ہے۔ خدا کے فضل سے ابتک جاری ہے۔ اور ورائے اس کے کئی گاؤں
میر صاحب (میر کلو) نے اور خان صاحب (علی اعظم خان بن سید علی مرتضیٰ خان) نے
مدد خرچ شاہ اعظم صاحب کے چھراؤں والے میں بطور نذر و نیاز کے دے رکھے ہیں۔

الغرض جناب میر اسد اللہ خان عرف میر کلو سادات امروہہ میں ایک نامی گرامی
ہستی ہوئے ہیں۔ عہد عزیز الدین عالمگیر ثانی میں بمنصب پنجہزار سوار و پنجہزار ذات سرفراز
ہوئے سلطنت مغلیہ کے دور آخر میں اس منصب عظیم پر سادات امروہہ میں سے کوئی
دوسرا شخص فائز نہیں ہوا۔ آج تک آپ کا نام نامی سادات امروہہ کے لیے باعث
فخر چلا جاتا ہے۔ آپ کے آٹھ فرزندان نامدار ہوئے جن کے نام بدر الدین علیخاں و ظہور
علی و عبد الہادی و سعادت اللہ و عنایت حسین و فتح علی و نعیم اللہ و مہدی علی ہیں۔
(شجرہ نشان ۲۲ و ۲۳) ان میں سے دو آخر الذکر کی نسل پسری باقی نہیں ہے۔ اول الذکر
یعنی بدر الدین علی خان عرف میر بساون پانصدی ذات پچاس سوار کے منصب پر فائز
تھے۔ نواب دوندے خاں بہادر کی سرکار میں ان کی بہت عزت تھی اور خاص امروہہ
میں بھی بے حد معزز تھے۔ بساوں گنج آپ ہی کے نام نامی سے منسوب ہے۔ میر کلو صاحب
موصوف کے فرزندان سید نعیم اللہ و سید ظہور علی بھی بعہد شاہ عالم گیر ہر ایک پانصد ذات
و یکصد سوار کے منصب پر فائز تھے۔

سید بدر الدین علی خان عرف بساون (بن سید اسد اللہ عرف میر کلو مذکور) کے
دو فرزند علی محمد خاں و فضل اللہ ہوئے علی محمد خان صاحب موصوف نے ایک مسجد (در اعظم)

کے سامنے تعمیر کرائی جو ابھی تک اُن کی یاد تازہ کر رہی ہے۔ ان کی نسل پسری باقی رہی دوسرے فرزند سید فضل اللہ مذکور کے پسر محمد حسین ہوئے جن کے دو پسر سید ظہور اللہ و سید اسد اللہ ہوئے۔ سید ظہور اللہ صاحب کے فرزند سید مطاہر حسین اور سید اسد اللہ کے فرزند سید مجتبیٰ حسین ہوئے۔ سید مطاہر حسین صاحب کے فرزند سید حبیب اور سید مجتبیٰ حسین کے فرزندان اجتبیٰ حسین وارتضیٰ حسن ہوئے۔

سید ظہور علی (بن سید اسد اللہ خاں عرف میر کلو مذکور) کے فرزند سید نذر علی ہوئے۔ ان کے فرزند سید محمد علی اور ان کے فرزند مولوی سید علی حسن صاحب ہوئے سید علی حسن صاحب مذکور کے دو پسران نامدار مولوی سید مصطفیٰ حسن و مولنا السید اعجاز حسن صاحب ہوئے (شجرہ نشان ۲۲) یہ دونوں برادران عالی قدر بھی اپنے خاندان میں ماہتاب و آفتاب ہوئے۔ اول الذکر مولوی حکیم سید مصطفیٰ حسن صاحب طبیب حاذق و عالم و فاضل و حاجی اور اپنے وقت میں نامی گرامی افراد سادات میں سے تھے۔ ان کے لائق فرزند حکیم سید معصوم حسن صاحب بہہ جہت اپنے لائق باپ کے لائق فرزند اور سادات امروہہ کے منتخب افراد اور وساء عصر میں سے ہیں۔ سید علی حسن صاحب مذکور کے دوسرے فرزند مولنا سید اعجاز حسن صاحب کی ذات گرامی سادات امروہہ اور خصوصاً شیعہ سادات کے لیے باعث فخر ہے۔ اپنے وقت کے بے مثل عالم اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ جناب شریعت مدار مفتی محمد عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ مجتہد لکھنؤ کے شاگرد رشید اور حج و زیارات سے مشرف تھے۔ گورنمنٹ کے درباری بھی تھے۔ اور آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ اپنے زمانہ میں شیعہ سادات امروہہ کی قیادت و ہدایت کے منصب پر فائز رہے۔ نہایت باوضع خلیق اور علم دوست شخص تھے۔ امارت اور علم

دونوں آپ کی ذات والاصفات میں جمع تھے سنہ ۱۳۴۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا آپ کے خلف اکبر سید ممتاز حسن صاحب نے تاریخ وفات کہی۔

از غم مولوی اعجاز حسن　　پیر یارب شدہ ممتاز حسن

سید ممتاز حسن صاحب مذکور آپ کے خلف اکبر لائق فائق اور عہدہ تحصیلداری پر فائز رہے۔ دوسرے فرزند سید امتیاز حسن صاحب نے طبابت میں ڈپلومہ انگلستان سے حاصل کیا اور اب ریاست رامپور میں عہدہ دار ہیں۔ جناب مولٰنا السید اعجاز حسن صاحب مذکور کے دیگر فرزندان سید محمد سبطین و سید احمد حسنین و سید نسیم حسن ہوئے سید محمد رضا (بن سید ممتاز حسن بن سید اعجاز حسن صاحب مذکور) مسلم یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں

سید اسد اللہ خاں عرف سیر کلو کے ایک فرزند سید عبدالہادی ہوئے۔ جن کے چار فرزندان نامدار مردان علی و نیاز علی و فرحت علی و سرفراز علی ہوئے ان میں سے سید نیاز علی کے فرزند محسن علی ہوئے۔ ان کی نسل پسری آگے کو نہ چلی۔ باقی تین کی نسل پسری موجود ہے۔ سید فرحت علی مذکور (بن سید عبدالہادی بن سید اسد اللہ خاں عرف میر کلو) کے دو فرزند سید مظہر حسن و سید ابراہیم علی ہوئے۔ اور ان دونوں برادران نے وکالت میں نام پیدا کیا۔ سید مظہر حسن مذکور کے تین فرزند ڈاکٹر اظہر حسن و اطہر حسین و اصغر حسن ہوئے۔ سید ابراہیم علی مذکور کے پانچ فرزند مسیح الحسن و شبیہ الحسن وجیہ الحسن و ملیح الحسن و محمد احمد ہوئے (شجرہ نشان ۲۲) مسیح الحسن صاحب وکیل ہیں۔ شبیہ الحسن صاحب کے فرزند افسر حسین مراد آباد میں مختار عدالت ہیں۔ ملیح الحسن صاحب نواب سالار جنگ بہادر (حیدر آباد دکن) کی اسٹیٹ میں عہدہ دار تعمیرات ہیں۔ سید عبدالہادی (بن سید اسد اللہ عرف میر کلو) کے ایک فرزند سید سرفراز علی ہوئے

جن کے دو فرزند سید محمد جواد و سید کاظم علی ہوے اول الذکر کی نسل نہیں چلی۔ کاظم علی کے تین فرزند ان اصطفی حسن و ارتضی حسن ہوے اصطفی حسن صاحب مذکور نے طبابت میں خاص شہرت حاصل کی۔ ان کے فرزند سید معجز حسن بی اے ایل ایل بی وکیل ہیں۔ سید مردان علی (بن سید عبد الہادی بن سید اسد اللہ خان عرف میر کلو) کے فرزند سید مہدی حسن ہوے جن کے فرزند سید ابن حسن عالم و فاضل و طبیب حاذق ہوے۔

سید اسد اللہ خان عرف میر کلو کے ایک فرزند سید فتح علی ہیں۔ جن کے دو فرزند عظیم علی و نجب علی ہوے۔ ثانی الذکر لاولد ہیں۔ اول الذکر عظیم علی کے چار فرزند احسن علی و جعفر علی و غلام مرتضی علی و غضنفر حسین ہوے ان میں سے اول الذکر لاولد ہیں۔ باقی کی تین کی نسل پسری موجود ہے۔ جعفر علی صاحب مذکور کے تین پسر ابو القاسم و محمد زکریا و ابرار حسین ہوے ان میں سے سید ابو القاسم کے فرزند سید مظاہر الحسن مختار عدالت مراد آباد ہیں اور علمی مذاق رکھتے ہیں۔ ان کے بھائی سید تہور حسین ڈاکٹر ہیں ان کے فرزند تصویر حسن۔ ایم اے اور مصور حسین فاضل عربی اور تصور حسین زراعت میں انجلستان کے ڈپلوما یافتہ ہیں۔ سید عظیم علی مذکور بھی اپنے وقت میں مشہور و نامدار تھے۔ موجودہ چہتہ کی عمارت انہیں کی تعمیر کردہ ہے۔ (شجرہ نشان ۲۳)۔

میر اسد اللہ خان عرف میر کلو کے ایک فرزند میر عنایت حسین کی اولاد میں سید شریعت حسن بن سید رحیم علی بن سید معصوم علی بن سید عنایت حسین مذکور اور سید ارتضی حسن بن مرتضی حسن بن احمد حسن بن معصوم علی بن عنایت حسین مذکور کی اولاد پسری موجود ہے۔

سید اسد اللہ عرف میر کلو کے ایک فرزند سید سعادت اللہ بھی اپنے وقت کے

مشاہیر میں سے تھے۔ ان کے فرزند سید نجابت اللہ اور ان کے فرزند سید سیادت اللہ کے وقف متعلقہ میر اسد اللہ خان کے متولی بھی اصحاب ہوئے اور اب سید سبط رسول بن سید سیادت اللہ مذکور اس کے متولی ہیں۔ ان کے ایک بھائی سید نہال احمد محکمہ زراعت میں ملازم ہیں۔ (شجرہ نشان ۲۳)۔

سید جعفر علی بن سید محمد مختار بن سید عبد الغفار بن سید مبارک بن سید منتجب کی اولاد کی تعداد قلیل ہے اور ان کی سکونت محلہ راجہ سرائے متصل کٹکوری میں ہے۔ سید فرحت بن سید یادگار علی بن سید بہار علی بن سید امید علی بن سید عنایت علی بن سید کاظم علی بن سید جعفر علی مذکور کی اولاد میں سے چند افراد باقی ہیں۔ (شجرہ نشان ۱۶)۔

سید مبارک بن سید منتجب کی اولاد امجاد میں سے یہاں تک سید محمد مختار بن سید عبد الغفار بن سید مبارک مذکور کی اولاد کا ذکر ہوا۔ یہاں سید عبد الجلیل بن سید مبارک بن سید منتجب کی اولاد امجاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ کی اولاد محلہ شفاعت پوتہ میں آباد ہے۔ سید عبد الجلیل صاحب عہد اکبری میں صد و بستی ذات کے منصب سے سرفراز تھے آپ کے فرزند ارجمند سید عبد الجبار ہوئے۔ ان کے تین فرزند سید اچھے و سید عبد اللطیف و سید عبد الوالی خان ہوئے۔ اول الذکر دو کی اولاد پسری موجود نہیں ہے آخر الذکر عبد الوالی خاں کے دو فرزند سید محمد شفاعت و سید غلام محی الدین ہوئے۔ ثانی الذکر کی اولاد پسری موجود نہیں۔ سید محمد شفاعت صاحب مذکور کی نسل آپ کے نام سے موسومہ محلہ شفاعت پوتہ مذکور میں آباد ہے۔ سید عبد الوالی خاں بن سید عبد الجبار مذکور چہار صدی ذات کے ویک صد سوار کے منصب پر

سرفراز ہوئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید محمد شفاعت بھی اسی منصب پر بعہد عالمگیر اورنگ زیب سرفراز ہوئے۔ سید عبدالوالی خان صاحب مذکور خطاب خانی سے بھی سرفراز تھے۔ عہد شاہ جہانی میں آپ ہی نے محلہ شفاعت پورہ اپنے فرزند عالی قدر سید محمد شفاعت کے نام پر آباد کیا۔ اور محلسرائے تعمیر کرائی۔ سید محمد شفاعت کے تین فرزندان نامدار ہوئے۔ جن کے نام سید عبدالہادی و سید عظمت اللہ و سید محمد نجابت ہیں۔ ان تینوں برادران سے نسل پسری باقی ہے۔ (شجرہ نشان ۲۴ و ۲۵)

سید محمد شفاعت (بن عبدالوالی خان بن عبدالجبار بن عبدالجلیل بن سید مبارک مذکور) کے ایک فرزند عظمت اللہ کے فرزند سید کریم اللہ ہوئے۔ ان کے فرزند سید ببر علی ہوئے۔ ان کے تین فرزند سید علی اسد علی و سید ہزبر علی ہوئے سید ہزبر علی صاحب سہسوان میں مدت تک وکالت کرتے رہے ان کے فرزند سید آل احمد صاحب (جو امروہہ میں اب سید آل احمد سہسوانی کے نام سے زیادہ مشہور ہو گئے ہیں) زمانہ دراز تک سہسوان میں وکالت کرتے رہے۔ اب امروہہ میں وکالت کرتے اور اپنی ذاتی وجاہت سے امروہہ میں ممتاز ہیں۔ نعیم تخلص ہے۔ ان کے فرزند سید عطا حسین صاحب گریجویٹ ہیں۔ (شجرہ نشان ۲۴)۔

سید محمد شفاعت صاحب مذکور کے دوسرے فرزند سید عبدالہادی صاحب ہوئے۔ ان کے چار فرزند ہوئے جن کے نام سید محمد اصالت و سید محمد سعادت و سید محمد صلابت و سید محمد شہامت ہیں۔ ان میں سے اول الذکر سید محمد اصالت عہد محمد شاہی میں دوصدی ذات کے منصبدار تھے۔ ان کے بیٹے سید محمد امانت بھی دوصدی ذات کے منصبدار ہوئے۔ ان میں ان کا بیٹا علی سید محمد امانت مذکور کے فرزند سید محمد امین بھی عہد محمد شاہی میں پانصدی ذات کے منصب پر سرفراز ہوئے

سید ظفر علی (بن سید محمد سعادت بن سید عبدالہادی بن سید محمد شفاعت) عہد محمد شاہی میں منصبدار تھے۔ مگر مقدار منصب معلوم نہ ہو سکی۔ سید محمد اصالت بن سید عبدالہادی مذکور کے دو پسران سید محمد کرامت و سید محمد رعایت بھی منصبدار ہوئے مگر مقدار منصب معلوم نہ ہو سکی۔

سید عبدالہادی بن سید محمد شفاعت مذکور کے فرزند سید محمد شہامت بھی بعہد محمد شاہی منصبدار تھے۔ مگر مقدار منصب ان کی بھی معلوم نہ ہو سکی۔ سید عبدالہادی بن سید محمد شفاعت مذکور کے ایک فرزند سید محمد صلابت کو بعہد محمد شاہ عبدالوالی خاں خطاب ملا۔ جو ان کے جد امجد کا بھی نام تھا۔ دو صدی ذات کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ اور چکلہ داری مراد آباد کی خدمت پر ان کا تقرر ہوا۔ ان کے فرزند سید علی قوام خاں بھی منصبداران بندہائے جلو قدیم میں شامل تھے۔ مقدار منصب ان کی معلوم نہ ہو سکی۔ ان کے فرزند سید فرزند علی بھی منصبدار داخل چوکی تھے مگر مقدار منصب معلوم نہیں۔

سید حسین علی (بن سید محمد سعادت بن سید عبدالہادی بن سید محمد شفاعت مذکور) کے تینوں فرزند امیر علی و مظفر علی و رحمت علی بھی منصبدار تھے اول الذکر سہ صدی ذات اور مابقی دو صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ سید رحمت علی صاحب مذکور مشاہیر وقت سے تھے۔ سید امیر علی مذکور کے فرزند سید نیاز علی ہوئے۔ ان کے فرزند سید ابوالحسن امروہہ کے مشہور شاعر ہوئے جو رقمی تخلص تھا۔ ان کے فرزند سید حسن مشہور وکیل ہوئے۔ ضیا تخلص تھا۔ (شجرہ نشان ۲۴) ان کے فرزندان سید ابن حسن وزائر حسین وزہیر قمین و محمد حسن ہیں۔

سید محمد شفاعت صاحب (بن سید عبدالوالی خان بن سید عبدالجبار بن سید عبدالجلیل بن سید مبارک) کے تیسرے فرزند سید محمد نجابت ہوے۔ خاندان کی اس شاخ میں علم و فضل متوارث رہا۔ زمانہ دراز سے اس خاندان میں شیعہ سادات کے پیش نمازی وارشاد و ہدایت اور دینی قیادت کا سلسلہ جاری ہے۔ سید محمد نجابت صاحب خود بھی عالم و فاضل ہوے۔ آپ کے لائق فرزند جناب مولوی سید محمد عبادت صاحب بھی عالم و فاضل و عابد و زاہد ہوے۔ ان کے فرزند ارجمند مولنا السید محمد ریاست کا نام نامی آج تک اپنے علم و فضل و زہد و تقوی کے لیے مشہور چلا آتا ہے۔ نہایت قوی الحافظہ شخص تھے۔ آپ کے تبحر علمی و قوت حافظہ کے قصے آج تک مشہور ہیں رجون سال کی عمر میں ۱۲۶۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کے لائق و فائق فرزند جناب مولنا السید محمد عسکری صاحب آپ کے جانشین ہوے۔ علم و فضل میں یکتاے روزگار شب و روز عبادت گذار تھے۔ طبیب حاذق بھی تھے ۱۲۸۹ھ میں آپ کی وفات واقع ہوئی۔ آپ کے فرزند جناب مولنا السید حسین صاحب بھی علم و فضل و زہد و تقوی میں اپنے مقدس و واجب الاحترام باپ کے قدم بقدم اور پیش نمازی وغیرہ میں جانشین رہے سید ابن الحسین صاحب آپ کے فرزند ہوے (شجرہ نشان ۲۴)۔

جناب مولنا السید محمد ریاست صاحب (بن مولوی سید محمد عبادت بن مولوی محمد نجابت بن سید محمد شفاعت مذکور) کے دوسرے فرزند ارجمند علامہ موحمن فخر زمن جناب مولنا السید محمد حسن طاب ثراہ ہوے۔ آپ کا علم و فضل و زہد و تقوی یادگار زمانہ ہے طبیب حاذق و غایت درجہ حلیم الطبع بزرگ تھے ۱۳۱۹ھ میں آپ کی وفات ہوی۔ اس نیک اور لائق باپ کے نیک اور لائق فرزند جناب مولنا السید اولاد حسن صاحب

صاحب قبلہ ہوے۔ اس دور شر و فتن میں آپ کا وجود مسعود درحقیقت سلف صالح کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ عالم و عامل و عابد و زاہد و ناظم و ناثر فرض جمیع صفات حسنہ سے آپ متصف تھے۔ آپ کی خوشنویسی پر اشرف المساجد کے در و دیوار گواہ ہیں۔ آیات قرآنی اس مسجد کی استرکاری پر آپ ہی کے قلم روشن رقم کی تحریر کردہ ہیں۔ تمام مسلمانان امروہہ حتی کہ ہنود کو بھی آپ سے ایک خاص عقیدت تھی شعر خوب کہتے تھے (سلیم تخلص تھا۔ ستر سال کی عمر میں ۱۳۳۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مولوی سید محمد عبادت صاحب آپ کے لائق فرزند آپ کی یادگار ہیں۔ (سلمہ اللہ تعالیٰ) (شجرہ نشان ۲۴)۔

مولوی سید احمد حسین صاحب (بن سید رحیم علی بن سید حسین علی بن سید محمد درایت بن سید محمد اصالت بن سید عبدالہادی بن سید محمد شفاعت بن سید عبدالوالی خان بن سید عبدالجبار بن سید عبدالجلیل بن سید مبارک) بھی عالم و فاضل اور مذہب شیعہ کے ممتاز مناظر تھے چند کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ سید ابو جعفر و سید محمد آپ کے دو لائق فرزند ہیں۔ سید محمد صاحب مذکور مجتہد مجاز صاحب تصنیف اور پیش نماز ہیں۔ (شجرہ نشان ۲۵)۔

سید مبارک بن سید منتجب کے فرزندان نامدار میں سے سید عبدالمجید صاحب عرف سید مجا کا ذکر ابھی باقی ہے۔ سید عبدالمجید عرف مجا مذکور عہد اکبری میں چہارہزاری ذات کے منصب پر فائز تھے آپ کی اولاد نے محلہ مجا پوتہ آباد کیا۔ آپ کے چار فرزند ہوے۔ جن کے نام سید محمد صادق و سید مجب و سید عبدالرحیم و سید عبدالعلیم ہیں۔ اول الذکر سید محمد صادق صاحب کے چار فرزند ہوے جن کے نام ابو محمد و سید چھجو و سید عبدالرشید و

سید راجو ہیں۔ ان میں سے اول الذکر ابو محمد صاحب منصب دار تھے۔ مگر مقدار منصب معلوم نہ ہو سکی اور یہ لاولد بھی ہیں۔ آخر الذکر سید راجو کی اولاد محلہ چھیوڑہ میں آباد ہے سید چھجو مذکور و سید عبدالرشید مذکور کی اولاد موجود ہے۔ سید چھجو کی اولاد میں سید مہدی علی بن سید محمد علی و سید مہدی علی بن سید کرم علی و سید زوار حسین و علمدار حسین پسران سید علی حسین وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید عبدالرشید مذکور بن سید محمد صادق کے فرزند سید غلام بخش ہوئے ان کے دو فرزند غلام شرف الدین و نجم الدین ہوئے۔ اول الذکر غلام شرف الدین کے تین فرزند الٰہی بخش و کریم بخش ہوئے آخر الذکر لاولد ہیں۔ الٰہی بخش صاحب کی اولاد میں سید مجتبیٰ حسن بن احمد رضا و سید ابن علی بن نثار علی وغیرہ کے خاندان ہیں۔ رحیم بخش صاحب مذکور (بن غلام شرف الدین) کے فرزند سید ولایت علی ہوئے۔ جن کے پانچ فرزند حافظ سید مہربان علی و انتظار علی و فضل حسین و نذر حسین و تجمل حسین ہوئے ان میں سے سید مہربان علی صاحب عالم و فاضل تھے۔ جامع مسجد امروہہ واقع محلہ پان ہاڑی کی امامت و خطابت تا حیات آپ ہی سے متعلق رہی۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپ مرید تھے۔ آپ کے برادر زادہ مولوی اجمل حسین صاحب (بن تجمل حسین بن سید ولایت علی مذکور) بھی ذی علم ہیں۔ ان کے ابن عم سید نذیر حسن صاحب بن سید نذر حسین بن سید ولایت علی مذکور بھی ذی استعداد و ہر دلعزیز شخص ہیں۔ (شجرہ نشان ۲۸)۔

سید اجو (بن سید محمد صادق بن سید عبدالمجید عرف مجا بن سید مبارک) کے فرزند سید اسحاق ہوئے۔ جو بعہد محمد شاہ بادشاہ پانصدی ذات کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ ان کے فرزند سید محمد آیات بھی اسی زمانہ میں یک صد و پنجاہی ذات کے منصب پر فائز تھے ان کے بھائی سید قمر الدین ولد محمد آیات بھی یک صدی ذات کے منصب

ہوے۔ سید غلام شرف الدین بن سید محمد آیات مذکور بھی یک صدی ذات کے منصب پر فائز تھے۔ ان کے فرزند سید نوازش علی بھی بعہد شاہ عالم پانصدی ذات پچاس سوار کے منصبدار تھے۔ سید غلام علی بن سید محمد آیات مذکور بھی پانصدی ذات کے منصب پر فائز ہوے۔ سید نوازش علی (بن سید غلام شرف الدین مذکور) کے فرزند سید مہربان علی اپنی شہزوری کے لیے مشہور ہیں۔ ان کے فرزند سید حسنین علی خاں بھی جوسید دلاور علی خاں (بن سید عاشقان علی نبیرہ دیوان سید محمود) کے نواسے تھے۔ اپنی شہزوری وامارت کے لیے مشہور ہیں۔ ان کے دو فرزند نوازش حسین خان و نیاز حسین خاں ہوے۔ نیاز حسین خان صاحب کے فرزند مبارک حسین خاں ہوے نوازش حسین خان صاحب مذکور کے دو فرزند مہربان حسن خان و دلاور حسن خان ہوے۔ سید محمد اسحاق (بن سید محمد صادق بن سید عبدالمجید عرف مجا بن سید مبارک) کے دوسرے فرزند سید محمد واسطے تھے۔ سید محمد واسطے مذکور کے دو پسران سید عجیب و سید امیر بھی منصبدار تھے۔ مگر مقدار منصب کا علم نہیں ہے۔ خاندان سیدراجو مذکور کے اکثر افراد کی سکونت محلہ جیسوڑہ میں ہے۔ (شجرہ نشان ۲۹)۔

سید عبدالمجید عرف مجا بن سید مبارک کے دوسرے فرزند سید مجیب کے فرزند سید محمد سعید ہوئے۔ ان کے دو فرزند سید خاصہ (لاولد) و سید مبارک سعید خاں ہوے۔ سید مبارک سعید خاں کے سات فرزند سید فیض و سید غلام حسن و سید غلام مصطفےٰ و کرم علی و محمد بخش خاں و غلام رسول و غلام نبی ہوے اول الذکر تین لاولد ہیں۔ سید مبارک سعید صاحب مذکور عہد احمد شاہ بادشاہ میں ہشت صدی ذات پچاس سوار کے منصب پر فائز ہوے۔ ان کے فرزند سید محمد بخش خان صاحب بھی منصبدار ذی اقتدار

تھے۔ مگر تعداد منصب معلوم نہیں۔ ان کے بھائی غلام نبی بن مبارک سعید خاں عہد احمد شاہی میں یک صدی ذات کے منصبدار تھے ان کے بھائی سید غلام حسن بھی یک صدی ذات کے منصبدار ہوئے۔ ان کے دوسرے بھائی سید غلام مصطفےٰ بھی منصبدار تھے مگر تعداد منصب کا علم نہیں۔ سید غلام نبی بن سید مبارک سعید خان کے فرزند سید مقصود علی بھی بعہد عالمگیر ثانی پانصدی ذات کے منصب پر فائز تھے۔ ان کے بھائی سید محبوب علی بعہد محمد علی بادشاہ اودھ لکھنؤ کے تھانہ دار رہے۔ ان دونوں بھائیوں کی نسل پسری باقی نہیں ہے۔ (شجرہ نشان ۲۷)۔

سید عبدالمجید عرف مجا بن سید مبارک کے تیسرے فرزند سید عبدالعلیم ہیں ان کے فرزند سید اصغر ان کے فرزند سید غلام محی الدین ان کے فرزند سید محمد اور ان کے فرزند سید عبدالمبارک ہوئے۔ جو عالمگیر ثانی کے زمانہ میں منصبدار داخل چوکی تھے۔ مقدار منصب معلوم نہیں ان کے فرزند امام بخش ہوئے ان کے دو فرزند غلام حسین و سید محمد علی ہوئے غلام حسین مذکور کے تین فرزند تصدق حسین و نواز ش حسین و نثار حسین ہوئے۔ (شجرہ نشان ۲۶)۔

سید عبدالمجید عرف مجا بن سید مبارک کے چوتھے فرزند سید عبدالرحیم ہیں۔ ان کی اولاد میں سید ولایت بخش بن سید مبارک بن سید ابوالحسن بن سید عبدالرحیم مذکور بعہد محمد شاہ منصبدار جلو قدیم تھے۔ مقدار منصب ان کی معلوم نہیں (شجرہ نشان ۲۶)۔

ذکر سادات محلہ بنگلہ

یہاں تک سید محمد میر عدل امیر اکبری اور ان کے برادر اعلیٰ قدر سید مبارک (پسران سید منجب) کے حالات اجمالاً تحریر کر دئے گئے ہیں۔ سید عبدالعزیز بن مخدوم شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد کے شجرہ میں سے ایک شاخ سید ارزانی (بن سید یس بن سید راجی بن سید عبدالعزیز بن مخدوم شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ) کی ابھی قابل ذکر ہے جن کی سکونت محلہ بنگلہ میں ہے مورث خاندان کے نام کی رعایت سے اس محلہ کا نام ارزانی پوتہ قدیم کاغذات میں موجود ہے مگر اب محلہ بنگلہ کے نام سے زیادہ معروف ہے۔ سید ارزانی مذکور کے پسر سید شرف الدین ہوئے۔ ان کے پسر سید محمدؒ ہوئے۔ ان کے پسر سید عبدالرحیم ہوئے۔ ان کے پسر سید محمدؒ باقر ہوئے جو محلہ بنگلہ کے سادات کی اس شاخ کے مورث اعلیٰ کہے جا سکتے ہیں۔ سید محمدؒ باقر صاحب مذکور کے دو فرزند سید ابوالخیر (منقرض) و سید مجو ہوئے۔ سید مجو بن سید محمد باقر مذکور کے فرزند سید محمدؒ تقی ہوئے۔ جن کی نسل میں سادات محلہ بنگلہ کے کل افراد ہیں۔ (شجرہ نشان ۲)۔ سید محمد تقی صاحب مذکور بعہد اورنگ زیب عالمگیر یک صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ آپ کے چار فرزند سید علی داد و محمدؒ جواد و شاہ محمدؒ و عطا نظام الدین ہوئے۔ آخر الذکر لاولد ہیں۔ اول الذکر علی داد بعہد محمد شاہ دو صدی ذات کے منصبدار تھے۔ ان کے دو فرزند سید عظمت علی و سید محمدؒ باقر بھی منصبدار رہے اول الذکر بعہد محمد شاہ یک صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے ثانی الذکر سید محمد باقر کی مقدار منصب کا علم نہیں ہے۔ سید عظمت علی مذکور (بن سید علی داد) کے فرزند

سید ارزانی ہوے۔ ان کے فرزند سید داد علی ہوے جو اپنے وقت میں ذی مقدرت وصاحب ثروت تھے۔ اور تیراندازی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ان کے تین فرزند یاد علی وسجاد علی وارشاد علی ہوے۔ سید یاد علی صاحب مذکور بھی صاحب ثروت اور خوشنویس تھے۔ ان کے چار فرزند سید محمد جعفر و سید محمد باقر و سید نذر حسین و سید محمد حسین ہوے۔ سید محمد جعفر مذکور کے فرزند سید حسین ہوے۔ سید نذر حسین صاحب کے فرزند مولوی سید مصطفیٰ صاحب عالم وطبیب ہوے۔ ان کے ایک فرزند مولوی سید مجتبیٰ صاحب عرف چاند ہیں۔ جو ذی علم اور امام المدارس کے سکرٹری ہیں۔ دیگر تین فرزند ان اتقیٰ حسن و اجتبیٰ حسن و اصطفیٰ حسن ہوے۔ سید محمد باقر (بن سید یاد علی بن سید داد علی) مذکور کے دو فرزند سید مبارک حسن، و سید معجز حسن ہوے۔ اول الذکر کے فرزند سید متقی حسن اور ثانی الذکر کے فرزند سید معز حسن لائق فائق اور گریجویٹ ہیں۔ سید داد علی (بن سید ارزانی بن سید عظمت علی مذکور) کے دوسرے فرزند سید سجاد علی صاحب کے سات فرزند ہوے۔ جن کے نام سید علی محسن و مقبول احمد و منظور احمد و معصوم احمد و محمود احمد و سبط احمد و صغیر احمد ہیں ان میں سید مقبول احمد صاحب حاجی و ذی تمول ممبر میونسپلٹی امروہہ گورنمنٹ کے درباری اور ذی رسوخ تھے۔ ان کے فرزند سید مقبول احمد صاحب بی اے ہیں جو ریاست رامپور میں ملازم ہیں سید سبط احمد صاحب مذکور کے دو فرزند سید سبطین احمد و نورین احمد ہیں صغیر احمد صاحب کے دو فرزند بصیر احمد و سفیر احمد ہیں منظور احمد صاحب کے دو فرزند منصور احمد و شکور احمد ہوے۔ سید منصور احمد صاحب کے فرزند سید محمد ارزانی ہیں سید محمود احمد صاحب کے فرزند معود احمد و خوشنود احمد ہیں سید معصوم احمد صاحب مذکور کی اولاد دختری موجود ہے۔ . . . . . سید علی صاحب

کے دو فرزند علی احسن و علی محسن ہوے۔ علی احسن صاحب کے فرزند سید علی حسن صاحب ہیں۔ سید ارشاد علی (ابن داد علی بن سید ارزانی بن سید عظمت علی)۔ مذکور کے تین فرزند عابد حسین و زاہد حسین و حامد حسین ہوے۔ حامد حسین صاحب مذکور کے دو فرزند سید مجاہد حسین و سید مہاجر حسین ہیں۔ اول الذکر کے فرزند سید مشاہد حسین ہیں ثانی الذکر کے فرزندان سید محمد تقی بی اے ایل ٹی صدر مدرس امام المدرس و محمد نقی و محمد نبی ہیں (شجرہ نشان ۳۰) سید محمد تقی صاحب مذکور نہایت درجہ خلیق و متواضع ذی علم و ذی مروت ہیں۔

سید محمد تقی (ابن سید چھجو بن سید محمد باقر بن سید عبدالرحیم) کے دوسرے فرزند سید شاہ محمد ہیں۔ ان کے دو فرزند سید عطا محی الدین و حامد علی ہوئے۔ ان میں سے سید حامد علی عہد محمد شاہ میں منصبدار بند ہاے جلو قدیم۔ یک صدی ذات پر سرفراز تھے سید عطا محی الدین کے فرزند سید محمد تقی ہوئے۔ ان کے دو فرزند سید احمد شاہ و سید محمد شاہ ہوئے۔ اول الذکر منقرض ہیں۔ سید محمد شاہ کے پانچ فرزند ابن علی و محمد احسن و محمد نصیر و محمد نصیف و محمد لطیف ہوے۔ سید حامد علی مذکور (ابن سید شاہ محمد بن سید محمد تقی بن سید چھجو) کے دو فرزند علی بخش و حیدر بخش ہیں۔ اول الذکر منقرض ہیں۔ حیدر بخش صاحب مذکور کے فرزند شبیر بخش ان کے فرزند رسول بخش اور ان کے فرزند نبی بخش ہوے جن کا تخلص فلسفی تھا۔ ان کے سات فرزند علی داور و علی تمکین و نذر امام و حسین بخش و شادمان علی و عمران علی و ذیشان علی ہوے۔ (شجرہ نشان ۳۰)۔

سادات محلہ بنگلہ کے مورث سید محمد تقی بن سید چھجو عہد عالمگیر اورنگ زیب کے منصبدار ہیں۔ عہد سلطنت عالمگیری کا آغاز ۱۰۶۸ھ میں ہے۔ پس اگر سید محمد تقی صاحب

مذکور کی عمر ۱۰۶۸ھ میں تیس سال فرض کی جائے۔ جو بہ جہت قرین قیاس ہے تو آپ کا سال پیدائش ۱۰۳۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ مخدوم شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ وفات ۸۰۷ھ دوسری جگہ ثابت کیا گیا ہے۔ پس اس حساب سے سید محمد تقی صاحب مذکور اور جناب شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کا درمیانی زمانہ قریباً تین سو سال برآمد ہوتا ہے اتصال نسب کے لیے بموجب قاعدہ اکثریہ مقبولہ قریباً نو پشتوں کی ضرورت اس زمانہ درمیانی میں ہوتی ہے۔ اور اس شجرہ میں بشمول جانبین گیارہ پشتیں موجود ہیں بایں طریق:۔ (سید محمد تقی بن سید چھجو بن سید محمد باقر بن سید عبدالرحیم بن سید محمد بن سید شرف الدین بن سید ارزانی بن سید یٰسین بن سید راجی بن سید عبدالعزیز بن مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت قدس اللہ سرہٗ العزیز) پس شجرہ نسب متصل اور صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۲) سادات محلہ بگلہ کا ذکر کرنے کے بعد سید راجی بن سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح کے حد تک سلسلہ بیان کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ صرف ایک امر قابل ذکر رہ جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ سید محمد باقر (بن سید عبدالرحیم بن سید محمد بن سید شرف الدین بن سید ارزانی بن سید یٰسین بن سید راجی بن سید عبدالعزیز بن شاہ ولایت رح) کے ایک بھائی سید حاتم بن سید عبدالرحیم مذکور تھے۔ ان کی نسل میں سے ایک صاحب سید سردار علی نامی نے جلیپور میں سکونت اختیار کر لی اور ان کے فرزندان اعجاز حسین وظہور حسین و ناظم حسین وہیں ساکن ہیں۔ اسی نسل میں شاد دلاور علی کا خاندان محلہ پچدرہ پہے۔ اس شاخ کا ذکر جلد دوم میں ہوگا..... سید راجی (بن سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح) کے ایک بھائی سید محمد الدین

ان کی اولاد میں سید کمال بن سید لال (مصنف اسرار یہ) ہیں۔ اور اسی خاندان میں سید فیروز نامی ایک صاحب ہوئے ہیں۔ قلعہ فیروز پور پرگنہ سنبھل جو ویران ہو چکا ہے ان کا تعمیر کردہ ہے۔ اپنے وقت میں یہ امیر کبیر اور صاحب اقتدار و ذی حشمت ہوئے ہیں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی نسل باقی ہے جلد دوم میں ان کے متعلق بشرط تحقیق حالات لکھا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۲)۔

اس حد تک سید عبدالعزیز بن شرف الدین شاہ ولایت کی اولاد امجاد کا ذکر ہوا۔ ان میں سے دو تین چھوٹی شاخوں کا ذکر باقی رہ گیا ہے۔ جن کی تکمیل بدرجہ مجبوری جلد دوم کی اشاعت تک ملتوی کرنی پڑی۔ سید امیر علی بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا اسم گرامی سید میر علی بزرگ بھی بکثرت کتب تذکرہ میں درج ہے ارادہ تھا کہ سید میر علی موصوف کی اولاد امجاد کا ذکر بھی اسی طرح جلد اول میں بالاجمال کر دیا جائے۔ لیکن بعض ضروری کاغذات اور حالات کے فراہم نہ ہو سکنے کے باعث اسے بھی دوسری جلد پر ملتوی کرنا پڑا۔ جلد اول کی محدود گنجائش بھی مانع آئی۔ پہلی جلد کی ضخامت میں اندازہ سے زیادہ اضافہ ہو جانے کے خیال سے بھی تذکرہ اولاد سید میر علی موصوف بدرجہ مجبوری جلد دوم میں کیا جائیگا۔ ادھر جلد دوم کی ضخامت بھی اندازہ سے زیادہ ہو چلی ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ شائد جلد سوم کا بھی سامان کرنا پڑے پس اب بعض وہ مضامین جو جلد دوم کے لیے مخصوص کئے گئے تھے لحاظ گنجائش جلد اول یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ بعض مجبورکن حالات کی بنا پر ترتیب مضامین و تبویب مقالات کا جو سلسلہ ذہن میں قائم ہوا تھا باقی نہ رہ سکا۔ بعض کتب قدیم و دستاویزات باوجود بسیار وقت پر

فراہم نہ ہوسکیں۔ بعض دیگر موانع بھی درپیش ہوئے۔ پس امید ہے کہ ہمیں اس سلسلہ تکنی و عدم ترتیب کے لیے معذور سمجھا جائیگا جلدوں کی مجوزہ ضخامت کے سلسلہ میں کمی بیشی کے لحاظ سے بھی ہم قطعاً۔ مجبور و معذور ہیں۔

ذکر سادات محلہ لکڑہ

سید میر علی بن سید شرف الدین شاہ ولایت رحم اللہ علیہ کی اولاد امجاد میں سے ایک شاخ کا ذکر لحاظ گنجایش یہاں کیا جاتا ہے۔ یعنی اولاد سید ابدال محمد[1] ابن سید محمد منور[2] بن سید سلطان محمد[3] بن سید عبدالرحیم[4] بن سید سعید[5] خاں بن سید حامد[6] بن سید اسمٰعیل[7] بن سید الیاس عرف منجھو بن سید عبدالستار[9] عرف بڑے بن سید میر علی[10] عرف خاصہ بن سید یحییٰ[11] بن سید تاج الدین بن سید میر علی[13] بن سید شرف الدین شاہ ولایت قدس اللہ سرہٗ العزیز) کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ شجرہ کی اس شاخ کے افراد کی سکونت محلہ لکڑہ متصل درگاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رح میں ہے۔ (ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۳۲ و ۳۳) مورث خاندان سید ابدال محمد صاحب نے جو ایک نیک دل اور ولی صفت انسان تھے ایک مسجد بر سر راہ محلہ کی آبادی سے متصل بجانب غرب تعمیر کی اس میں پتھر پر حسب ذیل کتبہ موجود ہے۔ جس سے سید ابدال محمد مذکور کا زمانہ اچھی طرح تحقیق ہوجاتا ہے۔ کتبہ کی عبارت یہ ہے:

سید ابدال حامی اسلام — مسجدے ساختہ است عرش مثال
سال تاریخ او خرد گفتہ — خانہ کعبہ را نہاد اساس

دیگر کثیر شہادت بھی اس کی تائید میں موجود ہے کہ سید ابدال محمدؒ موصوف کا زمانہ بارہویں صدی ہجری ہے ۱۱۴۱ھ میں آپ نے یہ مسجد تعمیر فرمائی ہے پس قرین عقل وصواب ہے کہ آپ کی پیدائش کا زمانہ قریباً ۱۱۰۰ھ یاد کیا جائے۔ مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا سال وفات جیسا کہ دوسری جگہ تفصیل بیان کیا گیا ہے قریباً ۱۰۴۰ھ ہے۔ پس سید ابدال محمد مذکور و حضرت شاہ ولایت کا درمیانی زمانہ (۱۱۰۰ - ۱۰۴۰ = ۶۰) قریباً تین سو ساٹھ سال برآمد ہوتا ہے اور اس زمانہ درمیانی میں اتصال نسب کے لیے حسب قاعدہ اکثریہ مقبولہ بحساب تین پشت فی صد سال قریباً گیارہ پشتوں کا شمار میں آنا ضروری ہے۔ شجرہ مندرجہ بالا دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جانبین (یعنی سید ابدال محمدؒ و حضرت شاہ ولایت رح) کے نام شمار نہ کئے جائیں تو بارہ پشتیں موجود ہیں۔ پس سلسلہ نسب متصل اور صحیح ہے۔

سید ابدال محمدؒ صاحب مذکور مورث سادات محلہ لکڑہ اپنے وقت کے مشہور باخدا اور درویش دوست شخص تھے۔ باوجود امارت و ثروت تمام عمر مخلوق خدا کی خدمت اور عبادت میں بسر کی شاہ عبدالرسول صاحب رح دہلوی کے معتقد اور مرید تھے۔ ان کو اپنے ہمراہ یہاں لے آئے یہیں شاہ صاحب موصوف کا وصال ہوا۔ اور سید ابدال محمدؒ صاحب کی تعمیر کردہ مسجد میں جس کا ذکر ہوا دفن ہوئے آپ کی قبر پر سید ابدال محمدؒ صاحب نے گنبد بھی تعمیر کرایا جو موجود ہے۔ صاحب تاریخ اصغری تحریر فرماتے ہیں:۔

"سید ابدال محمد منصبدار شاہی تھے۔ نواب دوندے خاں کے عہد میں بڑی عزت و توقیر پائی۔ نواب ممدوح ان کو اپنا پیر کہتے تھے سید موصوف نے

ایک مسجد تعمیر کی اور کنواں بنایا۔ اور شاہ عبدالرسول کا مقبرہ جن کو دہلی سے اپنے ہمراہ لائے تھے مسجد مذکور کے احاطہ میں بنوایا جس کا برج بہت خوبصورت ہے۔ موضع جلال پور وغیرہ جائداد معافی بنام مسجد وقف کرکے اپنے بیٹے سید فیض احمد کو اس کا متولی کیا۔ پھر تعلقات دنیاوی ترک کرکے اسی مسجد کے ایک مکان میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور چالیس برس عبادت میں مصروف رہے۔ قرآن شریف حفظ تھا۔ (تاریخ اصغری)۔

الغرض سید محمد ابدال رحمۃ اللہ علیہ کے نیک نفس اور صاحب باطن ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کے ساتھ ہی آنجناب عہد محمد شاہی کے منصبدار اور امیر وقت بھی تھے۔ آپ کے فرزند ارجمند سید فیض احمد بعہد محمد شاہ بالنصدی ذات کے منصبدار اور داخل جلو قدیم تھے آپ کے دوسرے فرزند سید ولی احمد اسی عہد میں سہ صدی ذات کے منصب پر سرفراز اور داخل جلو قدیم تھے۔ آپ کے تیسرے فرزند سید عطا احمد بھی عہد مذکور میں بالنصدی ذات کے منصب پر داخل جلو قدیم تھے۔ آپ کے چوتھے فرزند علی احمد بھی منصبدار جلو قدیم تھے۔ الغرض سید ابدال محمد صاحب کا خاندان بھی اپنی برادری میں کیا لحاظ علم و فضل و کیا لحاظ دولت و ثروت ممتاز رہا۔ آپکے یہ چاروں فرزندان نامدار عالم و فاضل و حافظ و امیر وقت ہوئے۔ اس کے بعد بھی امارت و ثروت کا سلسلہ جاری رہا۔ سید بشیر علی و سید امیر علی پسران سید قائم علی بن سید فیض احمد بن سید ابدال محمد مذکور اپنے وقت کے مشاہیر میں سے ہوئے۔ ثانی الذکر حاجی سید امیر علی ملیبار حاذق بھی ہوئے۔ ان کے فرزند سید مرتضیٰ بھی ملیبار حاذق اور عالم و فاضل ہوئے۔ ان کے لائق فرزند حکیم سید محمد صاحب

ہوے جن سے امروہہ کی موجودہ نسلیں اچھی طرح واقف ہیں۔ خداوند عالم نے آپکو سرگروہ اطبار امروہہ کیا۔ اپنے علم و فضل کے اعتبار سے آپ نہ صرف طبیب بلکہ حکیم تھے۔ علاج و معالجہ میں حکیم علی گیلانی و بوعلی سینا وغیرہ کی حذاقت و مسیحائی کا مشاہدہ جناب حکیم سید محمد صاحب مذکور کی ذات والا صفات میں صدہا بار کیا گیا جس کے عینی شاہد ابھی بکثرت موجود ہیں۔ حال ہی میں آنجناب کا انتقال ہوا ہے حکیم حاذق ہونے کے علاوہ آنجناب مرد متوکل عابد و زاہد اور باوجود دولت و ثروت کے مرد غنی تھے۔ نہ صرف فخر سادات امروہہ بلکہ فخر امروہہ تھے۔ تین فرزند سید میر محمد و میر احمد و محمد طٰہٰ آپ کی یادگار ہیں۔ سید میر علی صاحب مذکور کے تین دیگر فرزند سید حمزہ علی و سید مصطفیٰ و سید علی ہوے۔ اول الذکر سید حمزہ علی عالم و فاضل ہوے۔ جن کے دونوں فرزند سید غلام امام و سید غلام شبیر جوانی میں فوت ہوئے سید غلام امام مذکور کے فرزند بوعلی و غلام شبیر کے فرزند میر علی موجود ہیں۔ سید حمزہ علی صاحب کے دوسرے بھائی سید مصطفیٰ کے فرزند سید مجتبیٰ ہیں۔ سید نصیر علی (ابن سید قائم علی بن سید فیض احمد بن سید ابدال محمد) کے تین فرزند سید حسین و سید حسن و سید محمد باقر ہوے۔ ان میں سے سید حسین صاحب کے تین فرزند ابو محمد موسیٰ رضا و زین العابدین ہیں۔ اور ان سب کی اولاد پسری موجود ہے۔ سید حسین صاحب مذکور کے دوسرے بھائی سید حسن کی اولاد دختری موجود ہے۔ ان کے بھائی سید محمد باقر صاحب مذکور کے چار فرزند امیر باقر و سید احمد و سبط محمد و عباس حسین ہیں آخر الذکر فوت ہوگئے۔ ان کے عقب باقی نہیں ہے۔ سید فیض احمد صاحب مذکور کے دوسرے فرزند سید رجب علی کے فرزند سید مہدی حسن ہوے۔ جن کے پانچ فرزند ہوے مانجملہ

سید سراج حسین ہیں جن کے لائق فرزند سید مختار حسین صاحب ایم اے ایل ٹی۔ المورہ کالج میں پروفیسر ہیں۔ سراج حسین صاحب کی دیگر اولاد بھی لائق فائق ہے۔ (شجرہ نشان ۳۲)۔

سید ابدال محمدؒ صاحب کے دوسرے فرزند سید علی احمد صاحب کی اولاد میں سید رزاق علی (بن سید چراغ علی بن سید علی احمد مذکور) و سید علی احسن بن منظور احمد بن سید علی احمد کے خاندان ہیں۔ سید ابدال محمدؒ صاحب کے تیسرے فرزند سید ولی احمد کی اولاد میں سید انصار حسین بن سید نثار حسین بن سید غفور علی بن سید وزیر احمد بن سید ولی احمد مذکور کا خاندان ہے۔ اسی شاخ میں سید غنی حسن بن سید سجاد علی بن سید عظیم اللہ بن سید ولی احمد مذکور ہیں۔ سید ابدال محمد صاحب کے چوتھے فرزند سید عطاء احمد عرف اسرار احمد ہیں۔ ان کی اولاد میں سید نصیر حسن صاحب (بن سید امیر حسن بن سید تصدق حسین بن سلطان احمد بن عطاء احمد عرف اسرار احمد بن سید محمدؒ ابدال کا خاندان ہے۔ سید نصیر حسن صاحب کے پسران کے نام سید شفیق حسن و انیس حسن و نفیس حسن و وحید حسن ہیں۔ سید شفیق حسن صاحب علم دوست اور ذی استعداد ہیں تاریخ سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ سنا ہے کہ آپ تذکرہ کی ایک کتاب مرتب فرما رہے ہیں۔ (شجرہ نشان ۳۳)۔

شجرات نسب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت

جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت نقوی واسطی کا سلسلہ نسب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے (جیسا کہ چند بار اس کتاب میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے)
بواسطہ امام علی نقی علیہ السلام متصل ہوتا ہے آنحضرت صلعم سے اوپر کی جانب حضرت
آدم علیہ السلام تک کا شجرہ نسب متعدد کتابوں میں بلکہ نسب کی تمام کتابوں میں یکساں
ہوتا چلا آیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضور سرور کائنات کا نسب تمام عالم کے
انساب سے زیادہ صاف و واضح و صحیح ہے۔ لیکن عرب میں اور دیگر ممالک میں بھی
عام طور پر قدیم زمانہ میں یہ دستور تھا کہ مشہور مورث سے سلسلہ نسب کے بیان کرنے
میں درمیانی وسائط کو طوالت بیان سے بچنے کے لیے ترک کر دیا جاتا تھا پس
حضرت آدم علیہ السلام تک جو شجرہ نسب بعض کتب میں درج ہوتا چلا آتا ہے وہ
چند در چند وجوہ کے باعث قابل غور ہو جاتا ہے۔ فخر المحدثین جناب شاہ عبدالحق
صاحب دہلوی رح تحریر فرماتے ہیں۔ (معد بن عدنان و تا اینجا متفق علیہ است
نسب شریف میان ارباب سیر و اصحاب علم انساب و فوق آن معلوم و صحیح نیست۔
باتفاق بر آن کہ آنحضرتؐ از اولاد اسمٰعیل است و ابراہیم و نوح و ادریس علیہ السلام
از اجداد او ہستند و روایت است از ابن عباسؓ کہ گفت چوں آنحضرت صلعم
ذکر نسب شریف خود می کرد از معد بن عدنان پس از ان توقف می کرد و گفت
کذب النسابون ..... و از عدنان تا اسمٰعیل و تا آدم اختلاف بسیار است
..... و چوں اعتماد نیست بر آن و مخالف است با قول علماء ذکر نکردیم
ما ان را و اللہ اعلم۔ (مدارج النبوہ)

ہم یہاں قدیم ترین و مستند ترین شہادتوں کی بنا پر حضور سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام تک درج کرتے ہیں۔

سرسید مرحوم نے بھی یہی شجرہ اپنی کتاب خطبات احمدیہ میں درج فرمایا ہے۔ اور دیگر معتبر کتب انساب میں بھی یہی درج ہے :۔ وہو ہٰذا۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام (سنہ ۲۱۰۰ قبل مسیح)۔ (۲) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سنہ ۱۹۱۰ قبل مسیح (۳) قیدار (۴) عوام (۵) عوص اول (۶) مُر (۷) سماے (۸) رزاخ (۹) ناجب (۱۰) معصر (۱۱) ابہام (۱۲) اقناد (۱۳) عیسی (۱۴) حسان (۱۵) غفقا (۱۶) ارعوا (۱۷) لبنی (۱۸) بحری (۱۹) ہری (۲۰) یلس (۲۱) حران (۲۲) الرعا (۲۳) عبید (۲۴) عتف (۲۵) عشقی (۲۶) مامی (۲۷) ناحور (۲۸) فاجم (۲۹) کالح (۳۰) بدلان (۳۱) بلدرم (۳۲) حرا (۳۳) ناسل (۳۴) ابی العوام (۳۵) قسادیل (۳۶) برد (۳۷) عوص دوم (۳۸) سلامان اول (۳۹) الہمیسع اول (۴۰) ادد اول (۴۱) عدنان اول سنہ ۵۸۶ قبل مسیح (۴۲) معد اول (۴۳) حمل (۴۴) ثابت (۴۵) سلامان دوم (۴۶) الہمیسع دوم (۴۷) الیسع دوم (۴۸) ادد دوم (۴۹) اد (۵۰) عدنان دوم (۵۱) معد ثانی (۵۲) نزار (۵۳) مضر (۵۴) الیاس (۵۵) مدرکہ (خزیمہ (۵۷) کنانہ (۵۸) النضر (۵۹) مالک (۶۰) فہر (۶۱) غالب (۶۲) لوی (۶۳) کعب (۶۴) مرہ (۶۵) کلاب (۶۶) قصی (۶۷) عبد المناف (۶۸) ہاشم (۶۹) عبد المطلب (۷۰) عبد اللہ (۷۱) جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جیسا کہ ابھی بیان ہوا یہ وہ شجرہ ہے جس پر اکثر اکابر اہل تاریخ و سیر متفق ہیں۔ البتہ زمانہ بیان شدہ میں اختلافات ہیں۔ مثلاً بعض مورخین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ اس کے خلاف بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض درمیانی اسماء کے

کے تعین میں بھی اختلافات ہیں۔ بہرحال جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب دنیا کا بہترین اور صحیح ترین ہے۔

جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رح کے ذکر میں بتفصیل بیان ہو کر سال پیدائش آنجناب کا تقریباً ۱۰۴۰ھ ثابت کیا گیا ہے۔

آنجناب سے حضور سرور کائنات تک کل بیس نام شمار میں آتے ہیں ملاحظہ ہو شجرہ نشان (۱)۔ پس بحساب قاعدہ اکثریہ مقبولہ بحساب تین پشت فی صد سال سلسلۂ نسب بہ جہت متصل و صحیح ہے۔

کتاب ہذا کی جلد اول میں جناب شاہ ولایت رح کے ایک فرزند سید عبدالعزیز صاحب کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس اس سلسلہ کے شجرات نسب صفحات آیندہ میں درج کئے جاتے ہیں:۔ بعض کتب تذکرہ میں سید عبدالعزیز صاحب مذکور کا نام عزیز اللہ و عزیز الدین بھی تحریر ہے۔ اسی طرح سید عبدالعزیز صاحب مذکور کے ایک فرزند سید راجی کا نام بعض کتب تذکرہ و شجرات نسب میں سید راجع بھی تحریر ہے۔

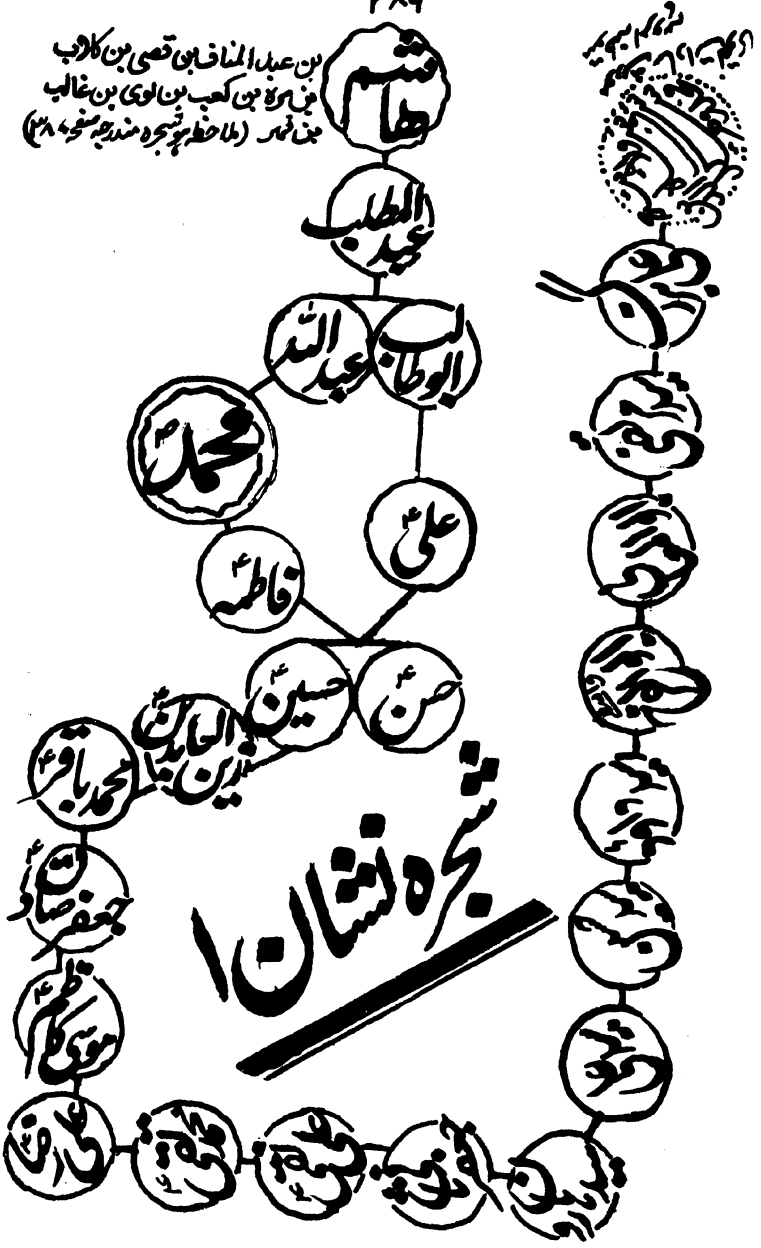
ہاشم
بن عبد المناف بن قصی بن کلاب
بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب
بن فہر (ملاحظہ ہو شجرہ مندرجہ صفحہ ۳۸۰)
عبد المطلب
ابو طالب
عبد اللہ
محمد ﷺ
علی ؑ
فاطمہ ؑ
حسن ؑ
حسین ؑ
زین العابدین ؑ
محمد باقر ؑ
جعفر صادق ؑ
موسیٰ کاظم ؑ
شجرہ نشان ۱

مورث خاندان نقوی - امروہہ

مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت

بن سید علی بزرگ

ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۱ صفحہ ۳۸۹ کتاب ہذا

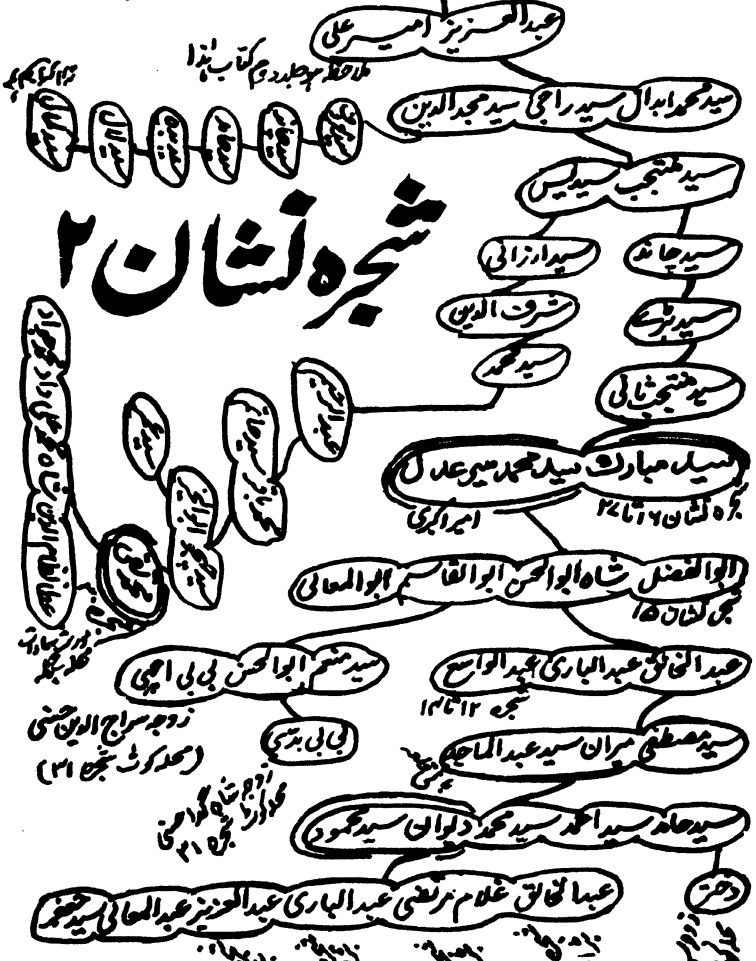

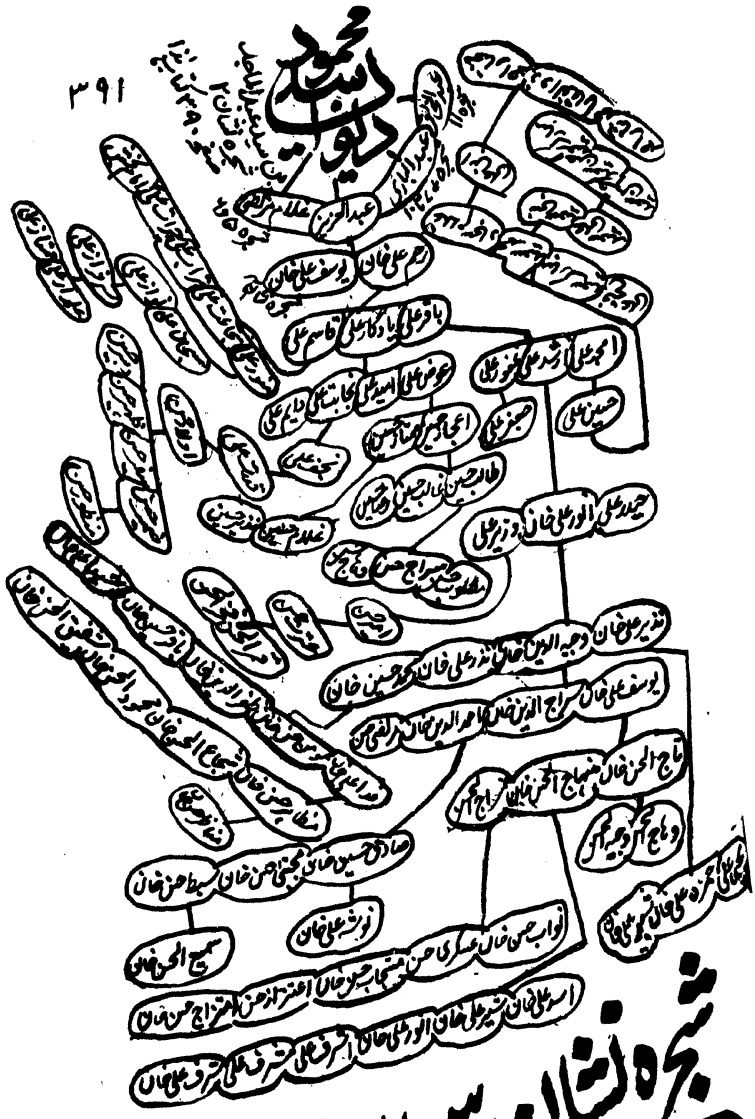

شجرہ نشان ۳

اولاد سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز
بن دیوان سید محمود۔ بٹوارہ بہار

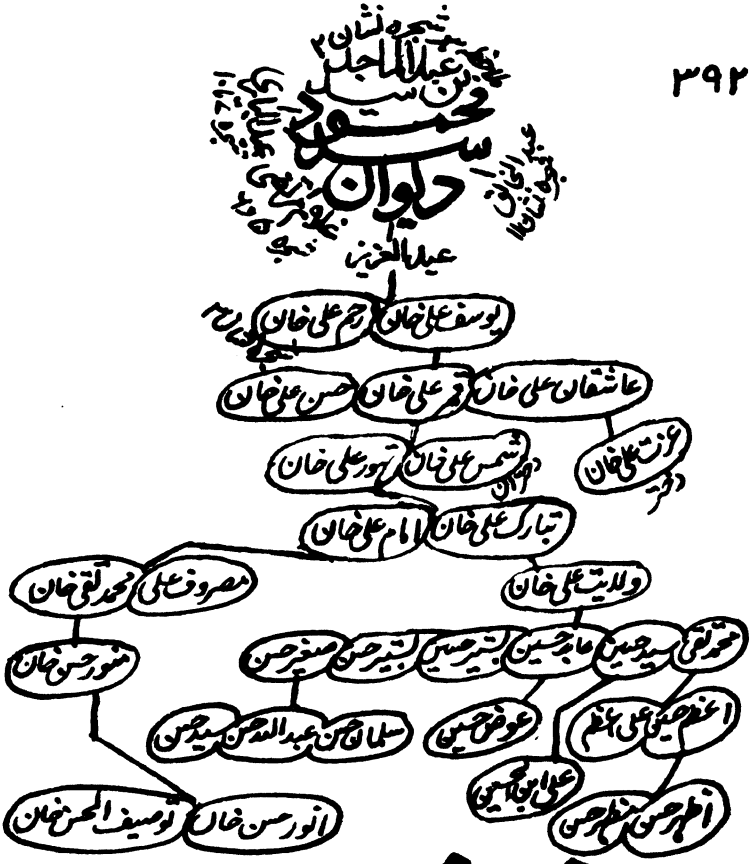

شجرہ نشان ۴

اولاد سید یوسف علی خان بن سید عبدالعزیز
بن دیوان سید محمود

ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۲ صفحہ ۳۹۰

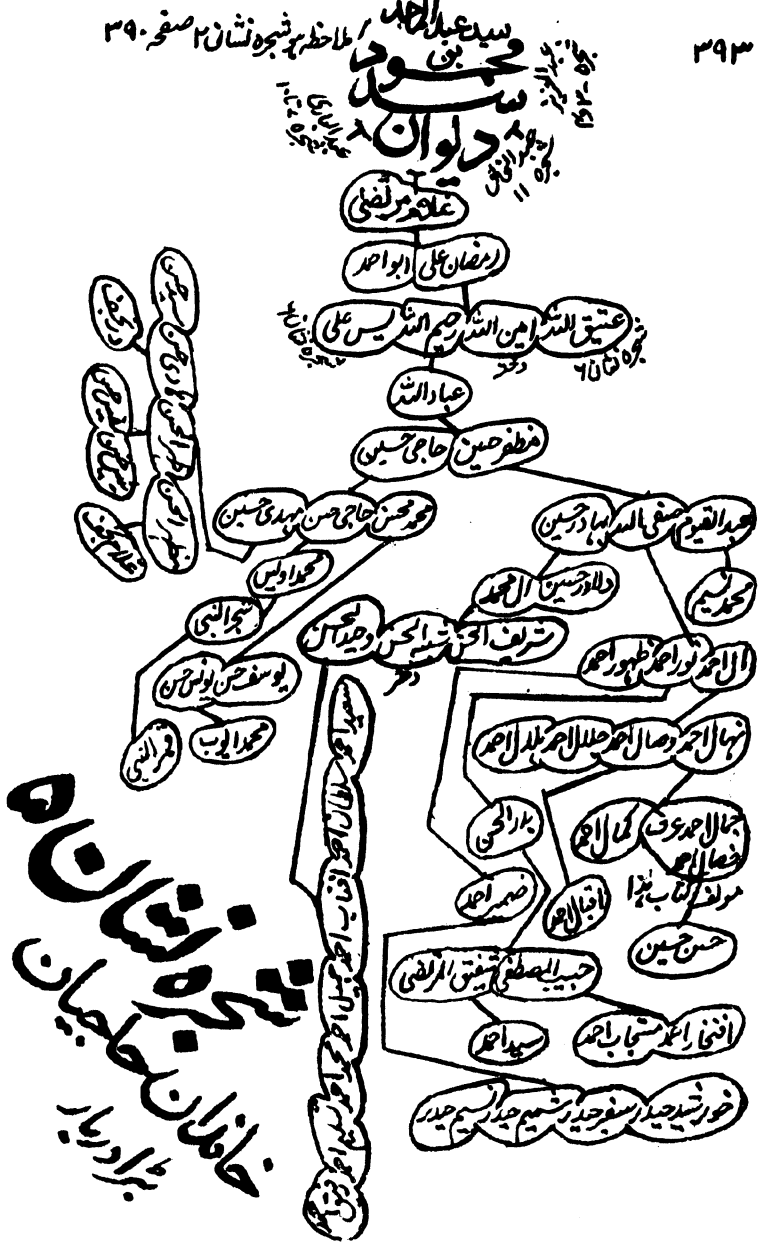

دیوان سید محمود بن سید عبدالماجد (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

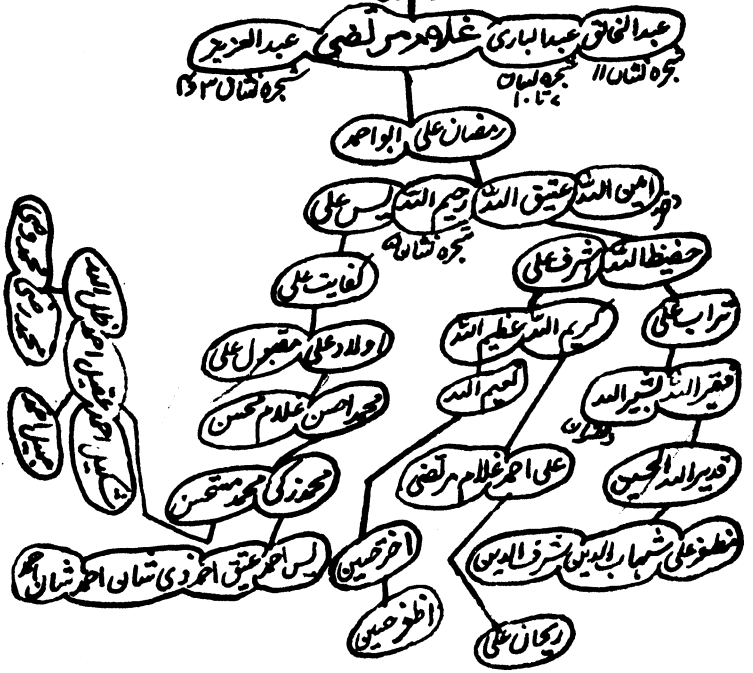

شجرہ نشان ۶

بڑا دربار

اولاد سید عتیق اللہ ولیس علی
بن سید رمضان علی بن سید غلام مرتضی
بن دیوان سید محمود

سید محمود دیوان

بن سید عبدالماجد (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

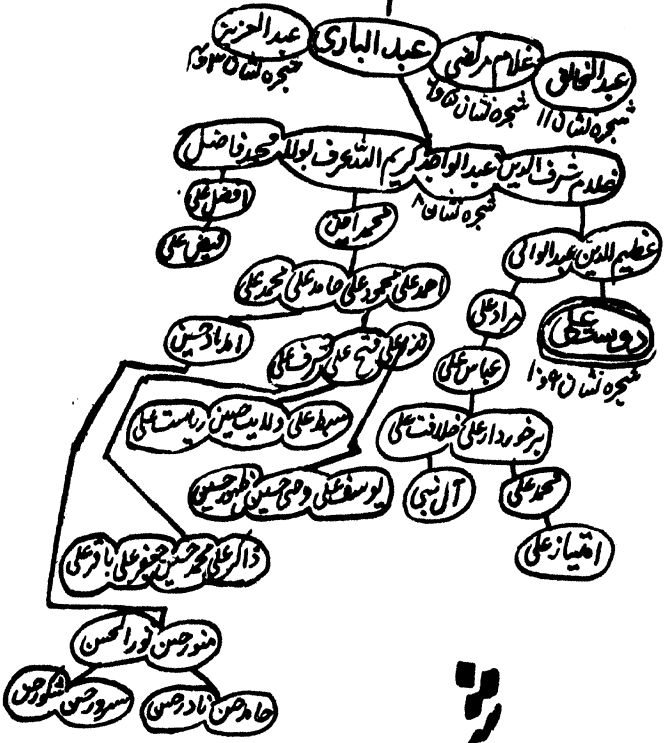

شجرہ نشان ۷

بڑا دربار

اولاد سید کریم اللہ و غلام مرتضیٰ المعروف
پسران سید عبدالباری بن دیوان سید محمود

شجرہ خاندان

دیوان سید محمود

بن سید عبدالواجد
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
شجرہ نشان ۲

اولاد سید عبدالواجد و
غلام شرف الدین پسران سید عبدالباری بن دیوان سید محمود

عبدالخالق — عبدالعزیز — عبدالباری — غلام مرتضیٰ
شجرہ نشان ۱۱ — شجرہ ۳ و ۴ — شجرہ ۵ و ۶

غلام شرف الدین — عبدالواجد — کریم اللہ عرف بولا — محمد فاضل
شجرہ نشان ۷ — شجرہ نشان ۸

عظیم الدین — عبدالوالی
شجرہ نشان ۹ و ۱۰

دوست علی
شجرہ نشان ۹ و ۱۰

ناصر علی — قرب علی — محمود زمان
قاسم علی
امداد علی

محمد نعیم — محمد فصیح — اکرم علی
منور علی
سید مبارک — سید محمد

حسین علی — اصغر علی — امیر علی — کبیر علی — اکبر علی
دختر
عظیم علی — رضا علی
گلزار علی — سجاد علی — ظہور علی
محمد حسین — محمد حسن
غلام حسین — فدا حسین — ولایت حسین
احمد نذر علی نذر — محمود نذر

افتاب حسین — ماہتاب حسین — ناہید حسین
عاشق حسین — معشوق حسین — مبارک حسین — اسحاق حسین — مشتاق حسین
زائر حسین
حبیب حسن — منیب حسن — مجیب حسن
عدیر علی

شاکر علی — محمد طیب — محمود حسین — حسن علی — محمد شبیہ
اقبال علی — عجباب علی — حیدر علی — ظفر علی — ناصر علی
حضرت علی — صوف علی — وحید علی — محمد علی — محمد علی
محمد مسیح — محمد اسمٰعیل
سلطان عالم — محمد زمان
محمد اصغر — نور الحق — عبدالحق — عبدالعزیز — عبدالحسن — ظاہر حسن
محمد اکبر — محمد اختر — افتخار علی
محمد صبیح — محمد صلیح — محمد یوسف
رضی احمد — رضی احمد — محمد اکبر
محمد اسرائیل — محمد خلیل — محمد عقیل — نیر حسن
محمد حنیف
غلام شبیر

شجرہ خاندان دیوان سید محمود

بن سید عبدالماجد (شجرہ نشان ۲) صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

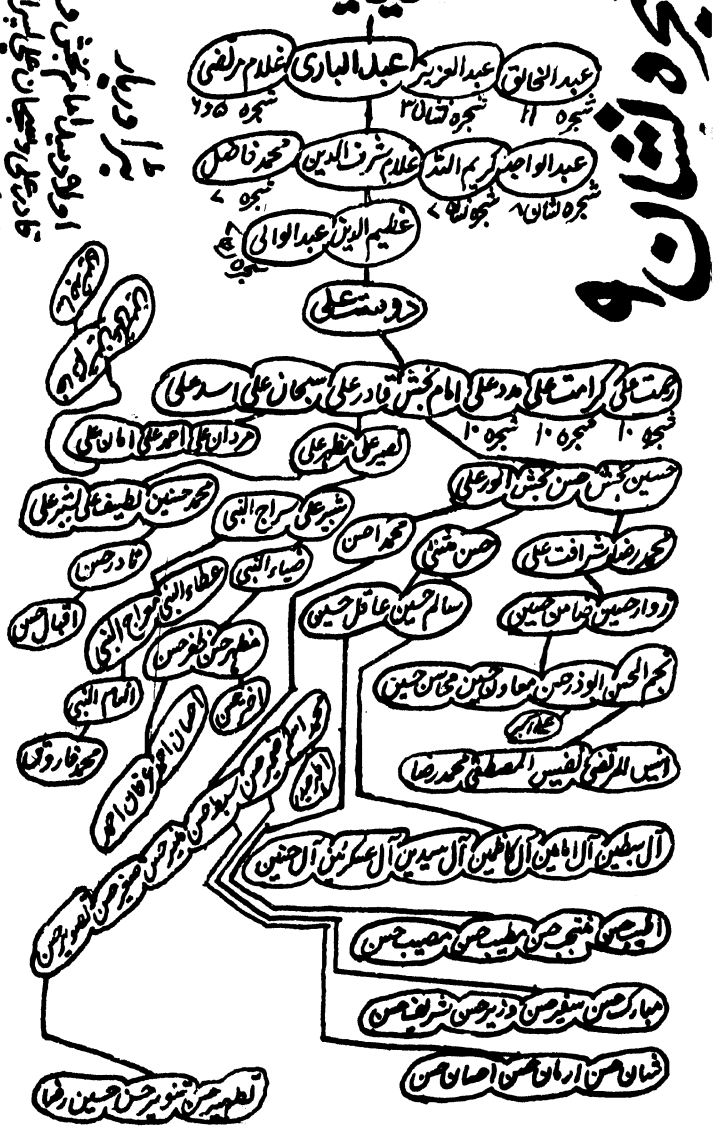

اولاد سید امام بخش و قادر علی و حسبان علی اکبران دیوان سید محمود

شجرہ دیوان سید محمود

سید محمود بن سید عبدالماجد (شجرہ نسب ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہٰذا

دیوان ابن دیوان

اولاد سید رحمت علی و کرامت علی و مدد علی
پسران دوست علی نبیرۂ دیوان سید محمود

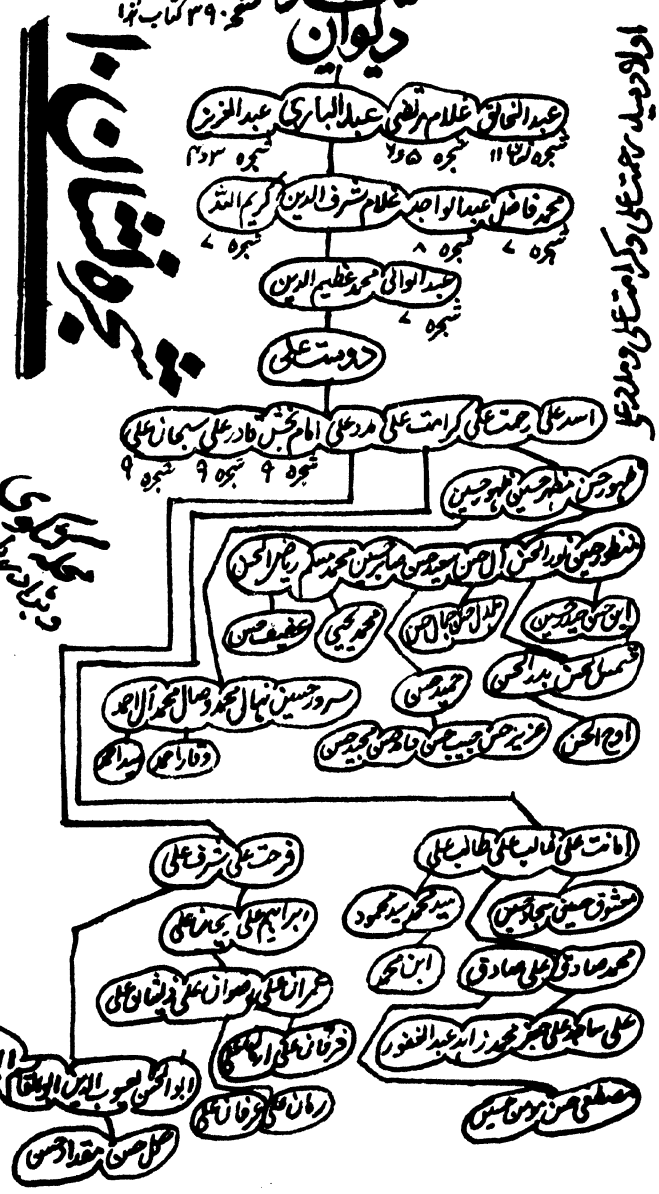

سید محمود دیوان

بن سید عبدالماجد
شجرہ نشان ۲ صفحہ ۳۹۰ کتاب ہٰذا

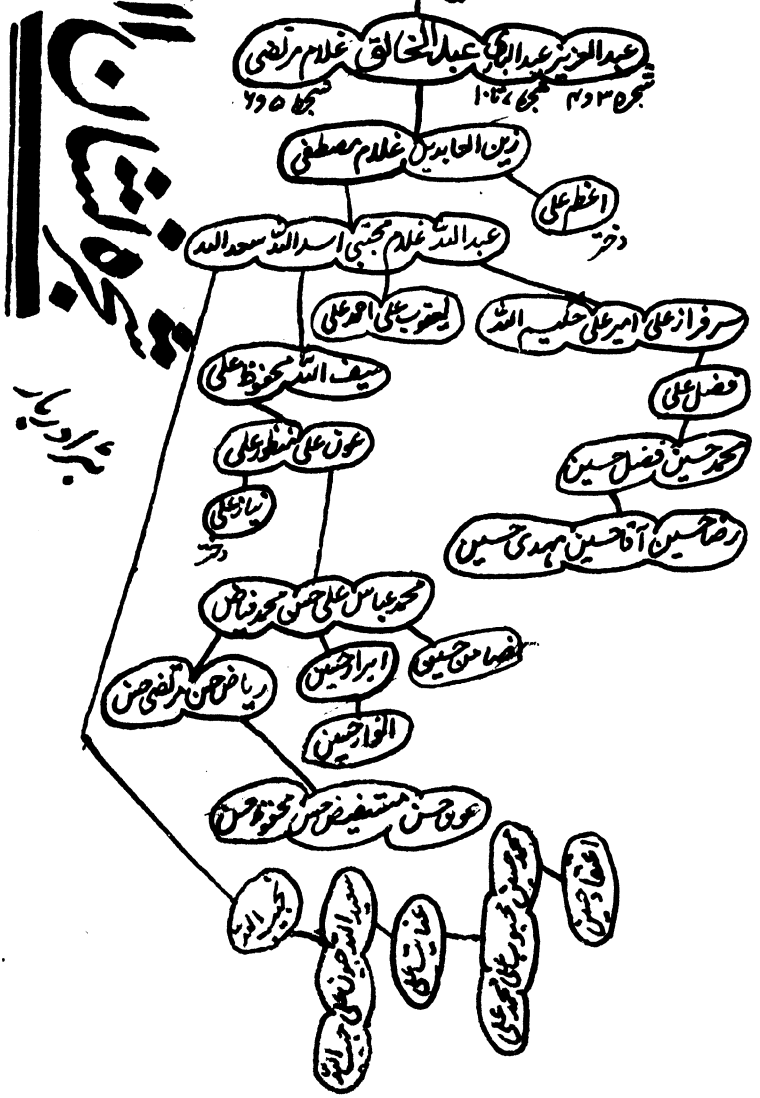

سپیلند

بن سید عبدالواسع بن شاہ سید
ابوالحسن بن سید محمد میر عدل (شجرہ نشان ۱۱)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

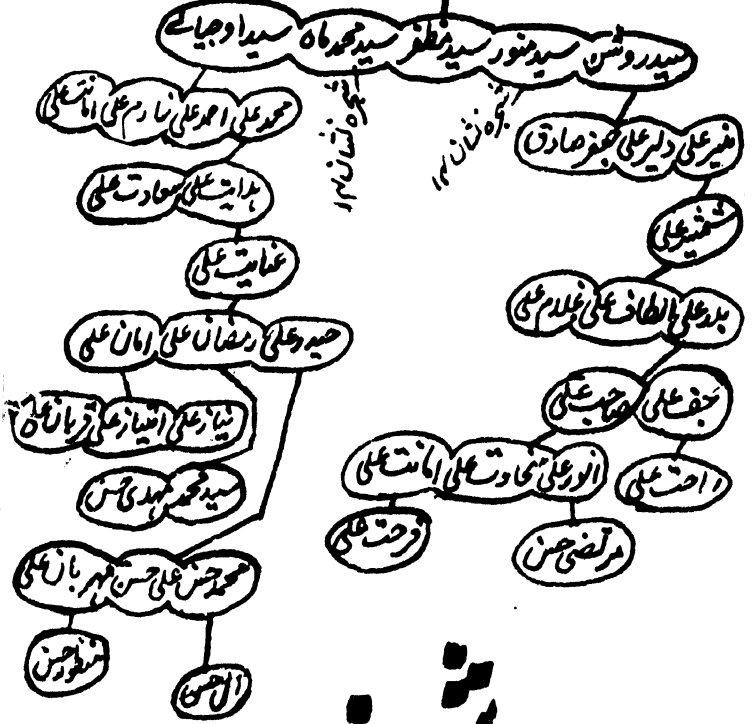

شجرہ نشان ۱۲

شاہ سید ابوالحسن

بن سید محمد میر عدل

شجرہ نشان ۱۲ صفحہ ۳۹ کتاب ہذا

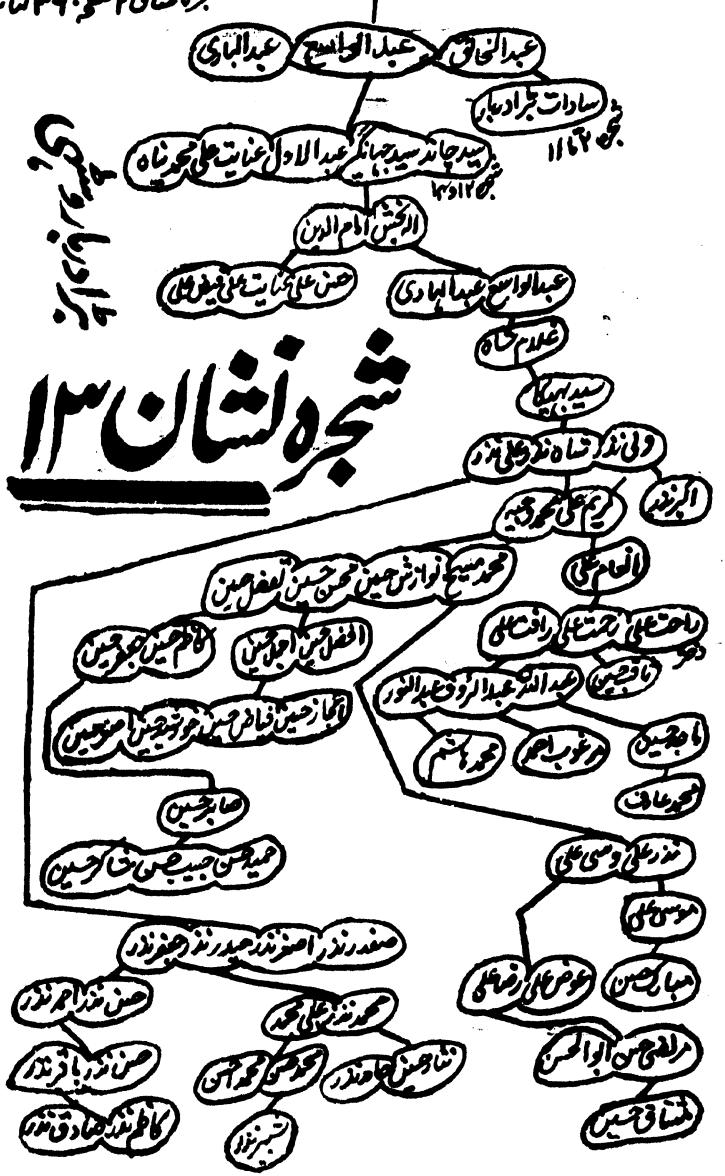

شجرہ نشان ۱۳

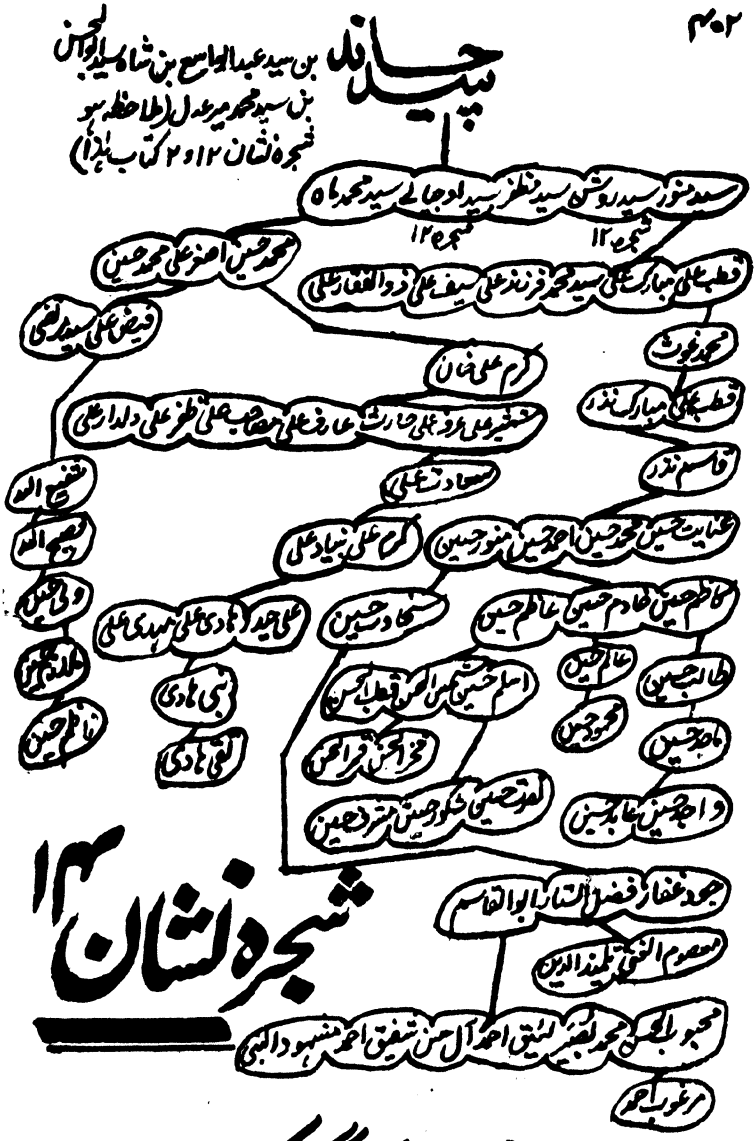

پرانی سرائے گھیر کرم علی خان

سید ابوالفضل

بن سید محمد میر عدل امیر اکبری
شجرہ نشان ۲ صفحہ ۳۹۰

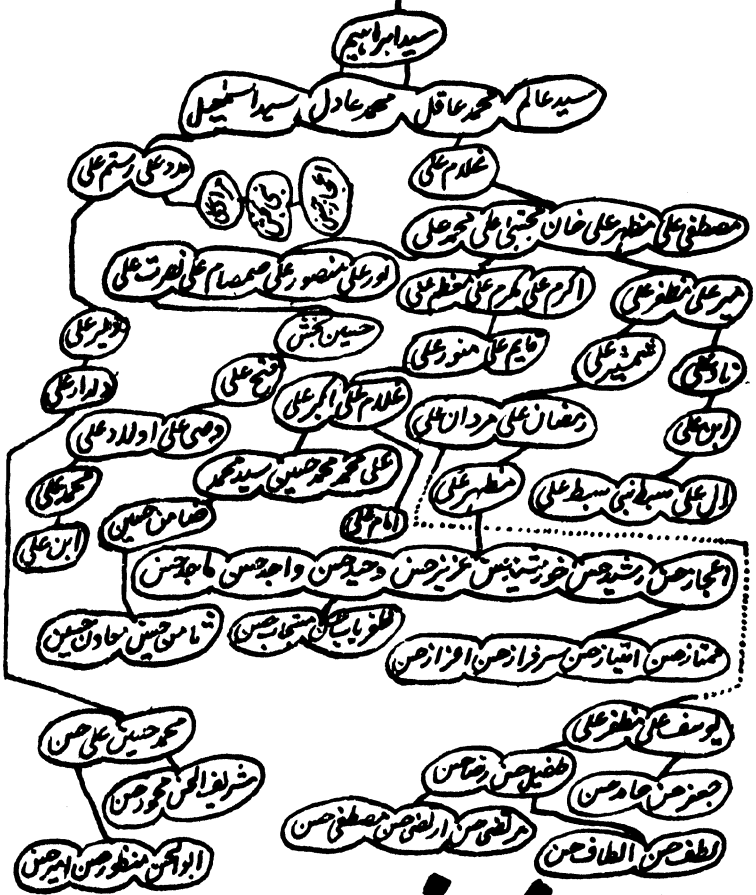

شجرہ نشان ۱۵

کنور غلام علی

سادات

بن سید منتجب ثانی شجرہ نشان ۱۲
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

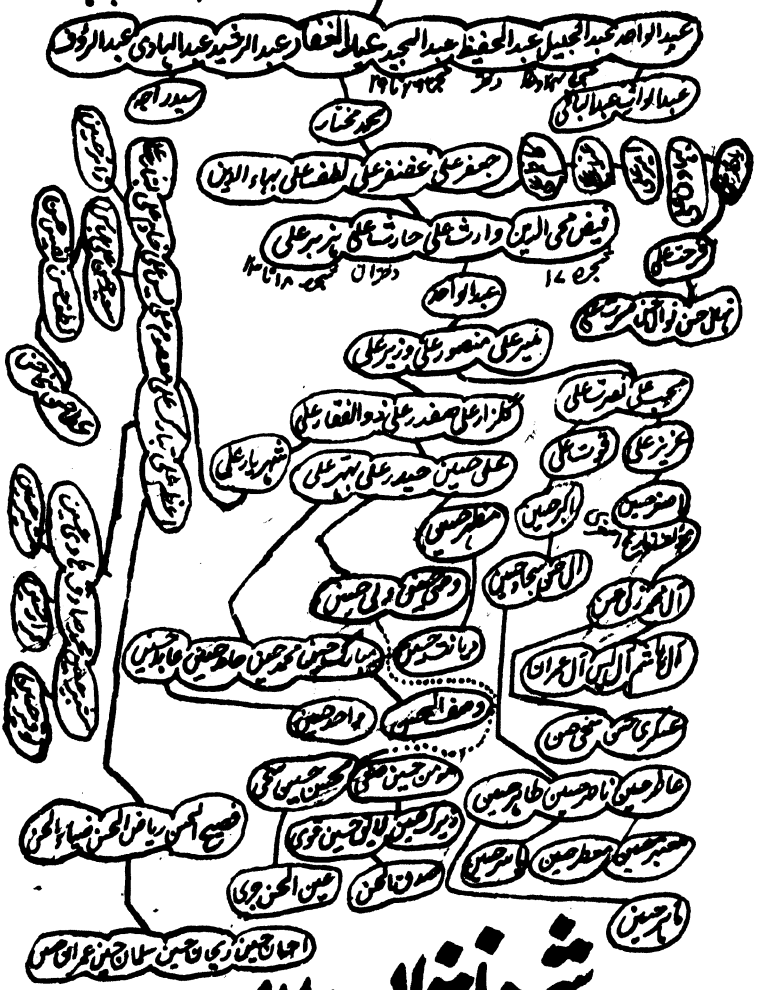

شجرہ نشان ۱۶

محلہ گذری

سادات

(بحوالہ سید فتح ثانی (شجرہ نشان ۲) صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا)

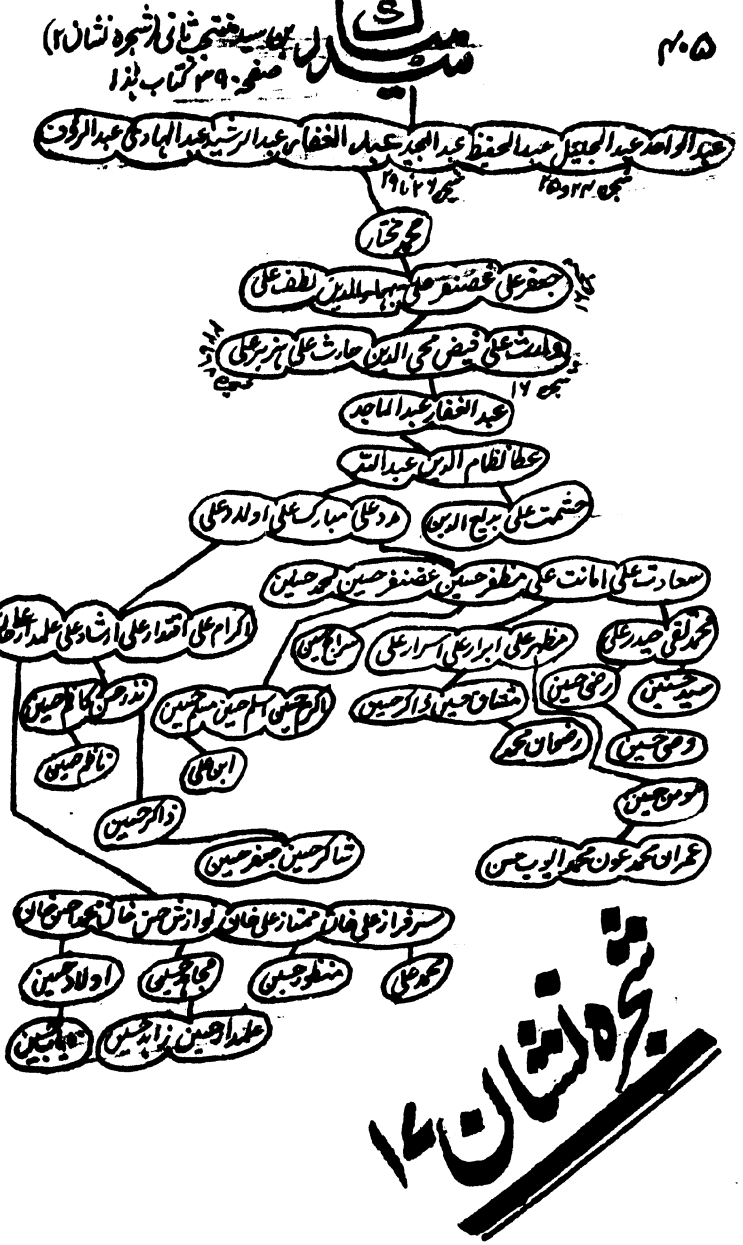

نجرہ نشان ۱۷

سادات بن سید منتجب ثانی (شجرہ نشان ۲)

صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

عبدالجلیل عبدالرؤف عبدالواحد عبدالغفار عبدالہادی عبدالمجید عبدالحفیظ عبدالرشید

نصیر محمد خان

جعفر علی غضنفر علی لطف علی بہاء الدین

شجرہ ۱۶

فیض محی الدین ہنر بر علی حارث علی وارث علی

شجرہ ۱۷

مراد علی شجاعت علی علی ارتضی خان مصطفیٰ علی

شجرہ ۱۸

جعفر علی نور علی انور علی

اکبر علی اصغر علی

علی الدین حسین علی

علی اعظم خان

بنیاد علی خان امان علی خان

علی آصف خان علی مظفر خان

علی اسلم خان علی منظم خان

علی نقی خان علی مجتبیٰ خان علی مہدی خان

علی محتشم خان علی اختر خان

علی متقی خان علی اجتبیٰ خان

علی معتصم خان علی منعم خان علی مہتمم خان

علی ارتضیٰ خان

علی منتجب خان محمد علی خان اسد علی خان علی قیصر خان

علی مقتدا خان علی عطا خان علی مرتضیٰ خان علی صابر خان علی صفدر خان

علی تجمل خان علی مظاہر خان علی اقتدا خان

محمد گندری

گہڑیال والوں کا خاندان

سادات بارہ

بن سید فتح ثانی شجرہ نشان ۲
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

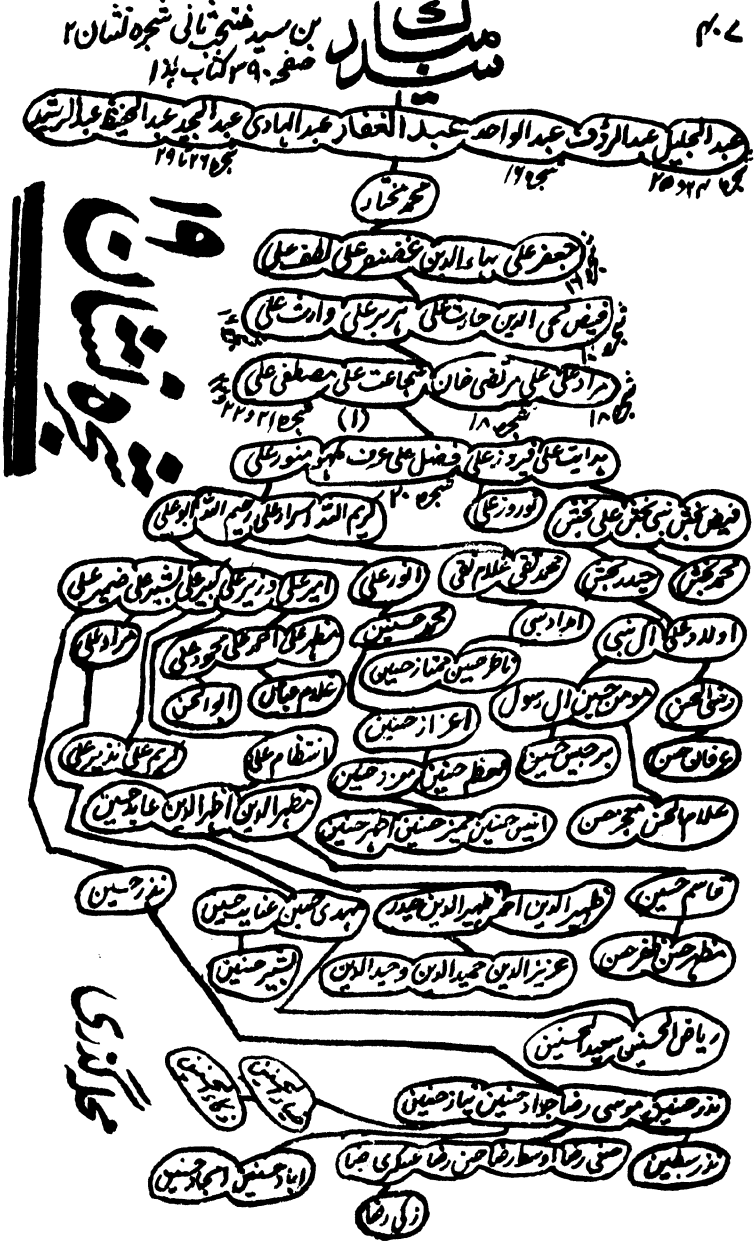

محمد آذری

سادات بلگرام

(شجرہ نشان ۲) بن سید منتخب ثانی کا شجرہ صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

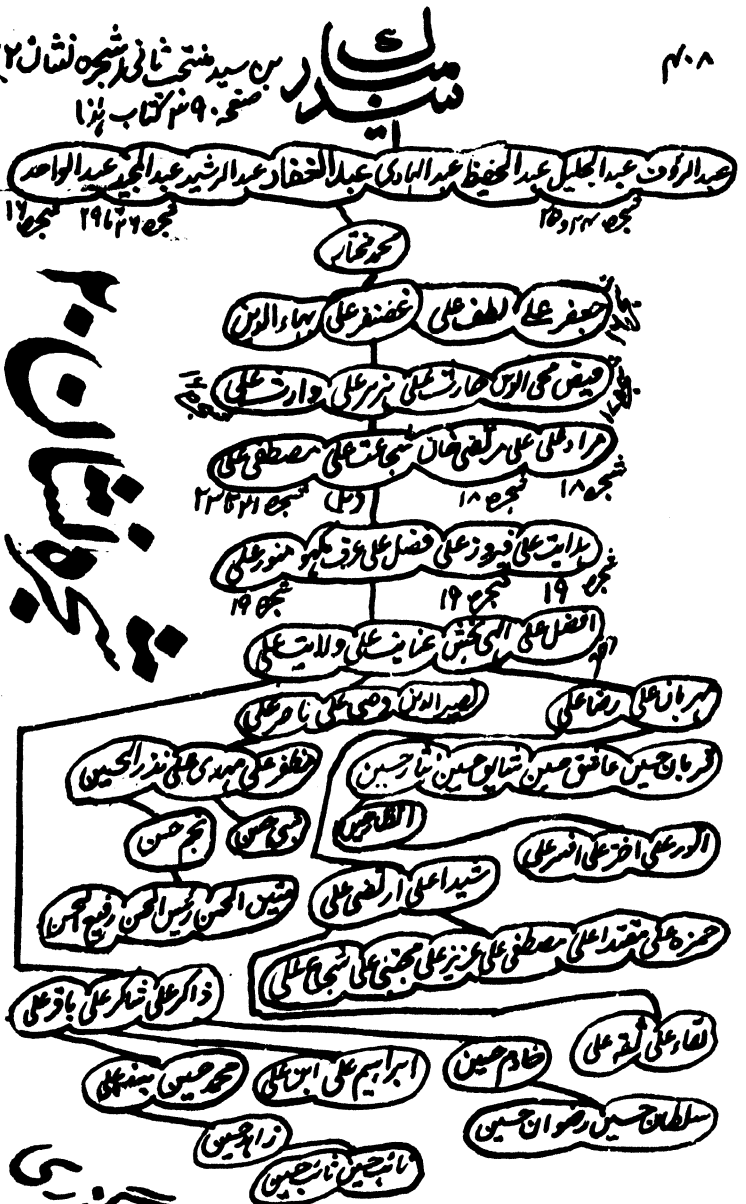

محمد نذری

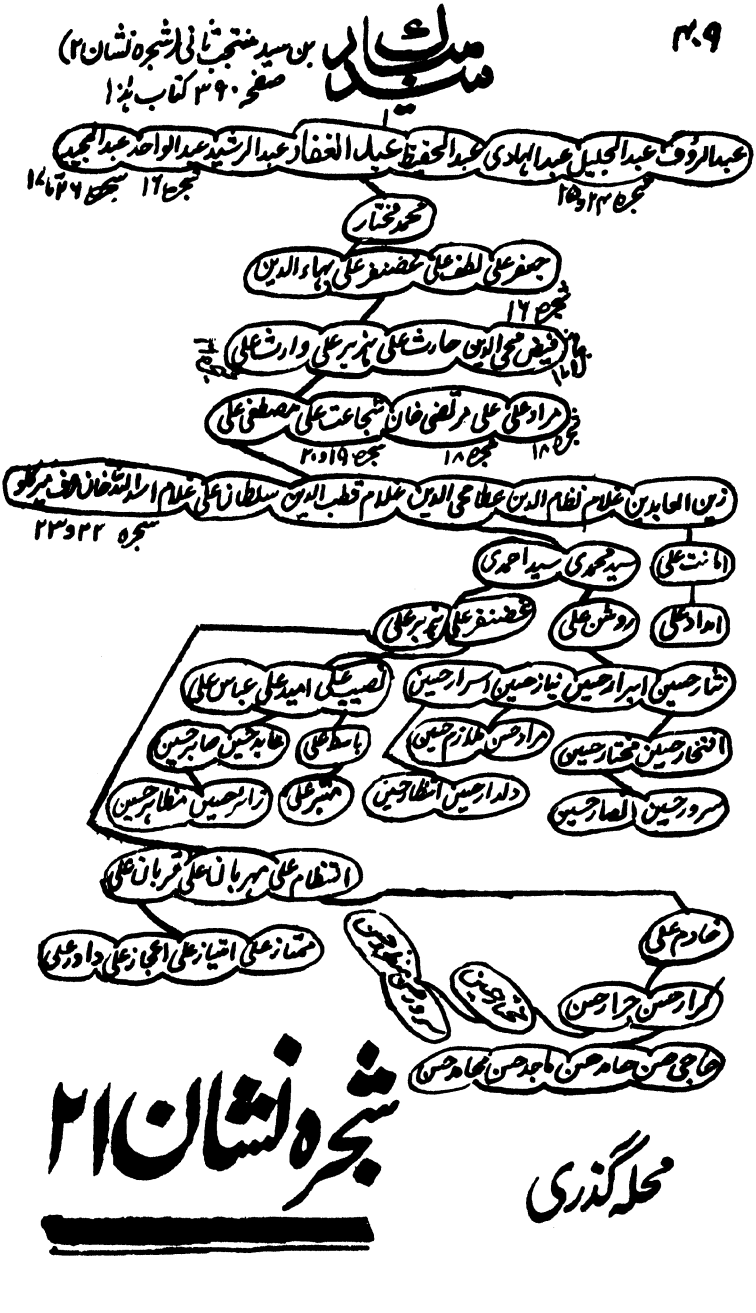

شجرہ نشان ۲۱

محلہ گذری

سادات بارہہ

(شجرہ نشان ۲) بن سید منتخب ثانی صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

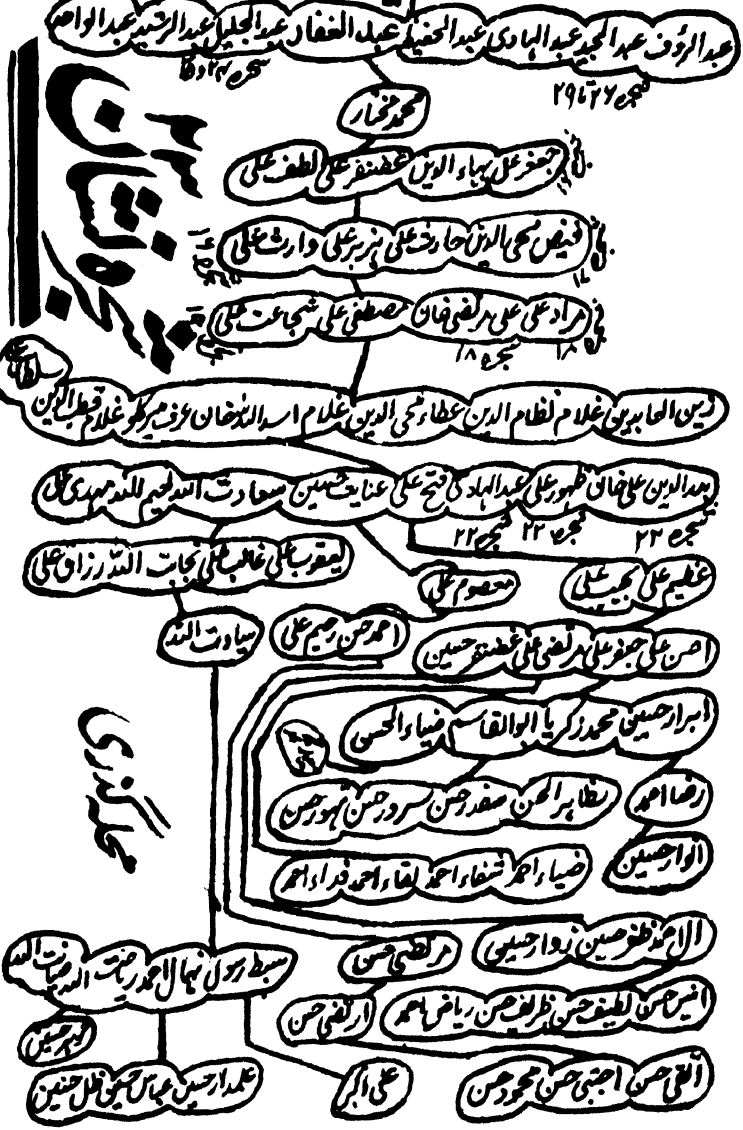

سادات بلگرام

(شجرہ نسب ۲) صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

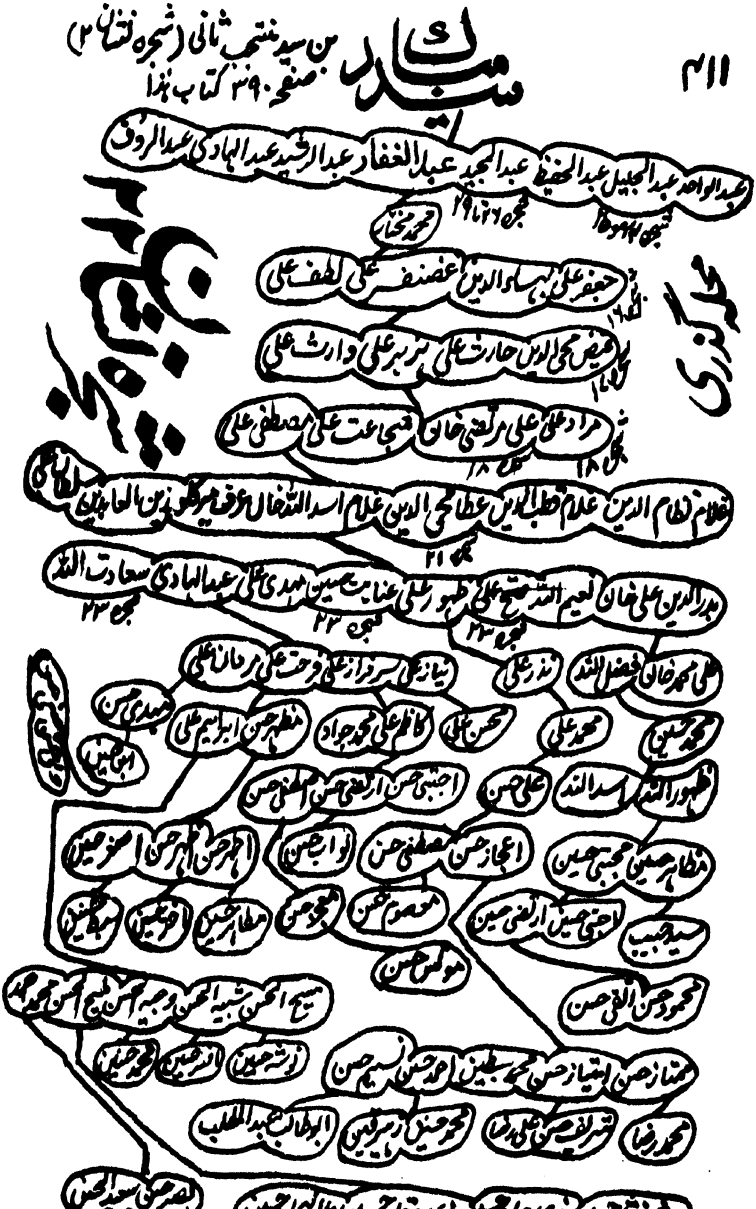

سادات

(بن سید منتجب ثانی شجرہ نشان ۱)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

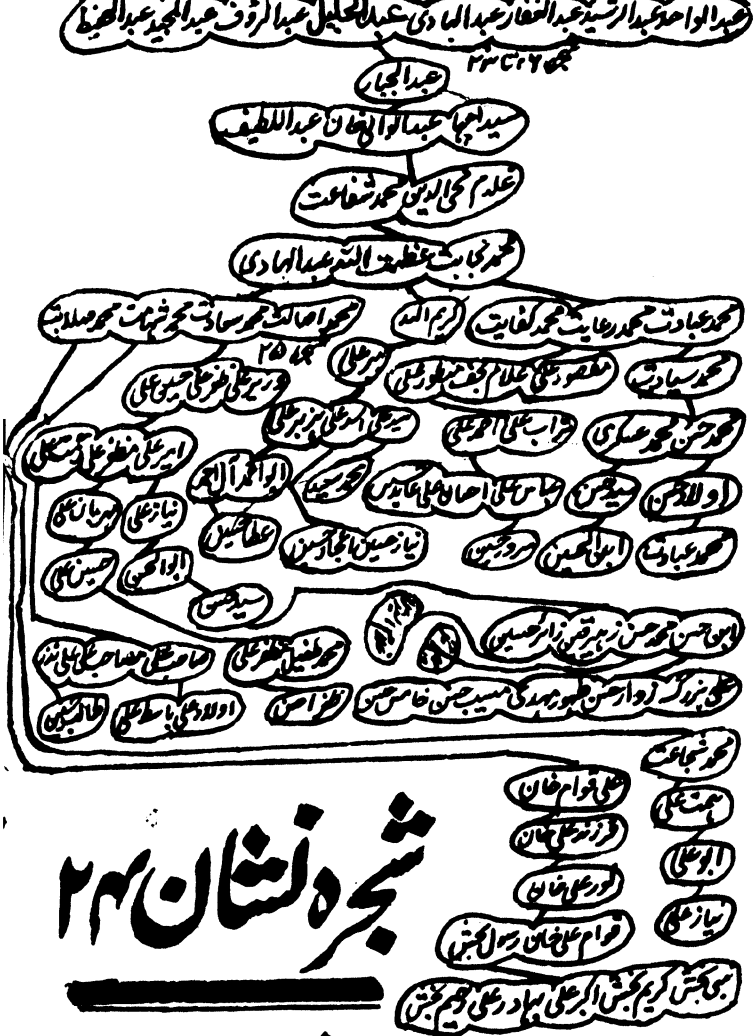

شجرہ نشان ۲۴

محلہ شفاعت پورہ

سید مبارک

بن سید منتخب ثانی (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹ کتاب ہذا

عبدالرؤف عبدالمجید عبدالرشید عبدالحفیظ عبدالجلیل شدالواحد عبدالغفار عبدالہادی

صفحہ ۶ تا ۱۹ صفحہ ۱۶ صفحہ ۷ تا ۱۳

عبدالجبار

عبداللطیف عبدالوالی خان سید اچپے

غلام محی الدین محمد شفاعت

محمد نجابت عبدالہادی عظمت اللہ

محمد سعادت محمد صلابت محمد اصالت محمد شہامت

محمد رفاعت محمد عنایت محمد ہدایت محمد دولابت محمد اعانت محمد قناعت محمد کفایت محمد امانت محمد درایت محمد کرامت

غلام رسول امان غلام امام کرم امام فضل امام فیض الدین محمد حیات محمد امین محمد یقین

صدرالدین بدرالدین ظہور علی موجود علی کریم الدین رضی الدین فصیح الدین

سرور علی حمید حسین احمد حسن علی حسین ولی حسین موجود حسین نجیب الدین

مہدی حسن کریم رضا ہادی حسن ولی علی مظہر علی ناظر علی عزیز علی موجود علی اصغر علی

حسین الدین شمس الدین علی الدین امام الدین سراج الدین احمد غازی الدین حمید

وجیہ الدین امام الدین جعفر حسین تاج الدین حمید انتظام علی مظہر علی

انتخاب حسن احمد حسین

خیرات علی نوازش علی حسین علی

نذر علی ہادی علی ارشاد علی کریم علی جمیل علی

یاد علی فرحت علی مہدی علی علی رضا احمد حسین عباس علی ابراہیم علی

صفدر علی سید بھولا حسین رضا سید محمد ابوجعفر

موسیٰ رضا محمد رضا رضوان حسن سرور حسین حبیب التقلیس محمد جعفر

سیدان

بن سید منتجب ثانی (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

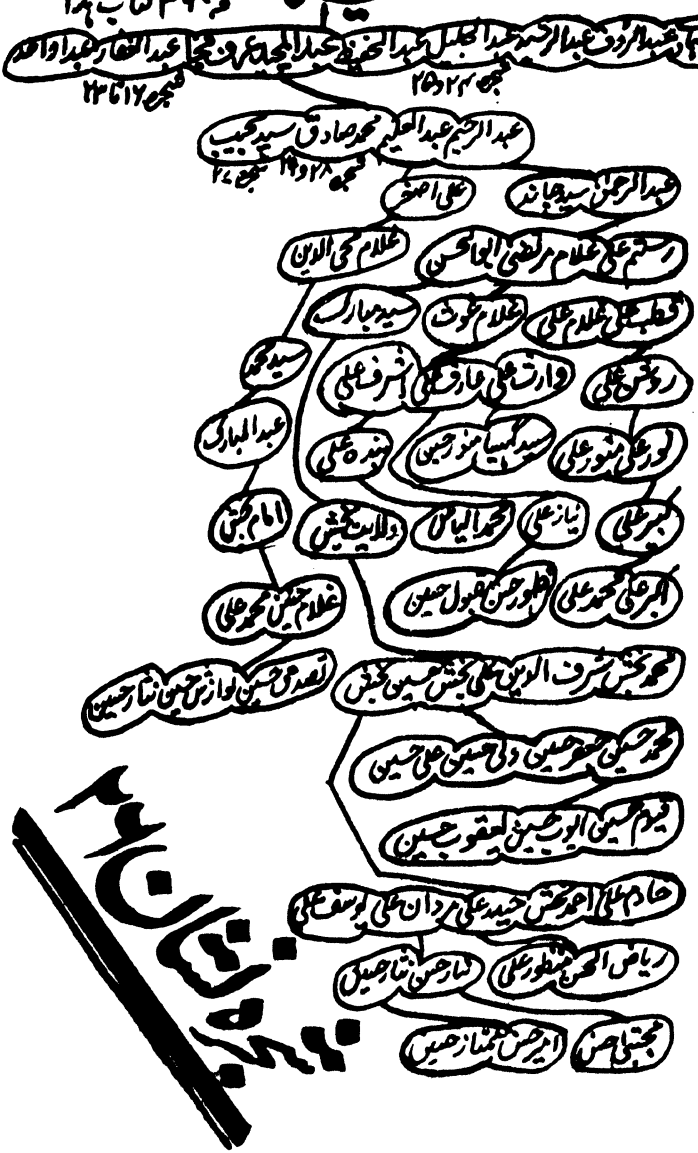

سید مبارک بن سید منتجب ثانی (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

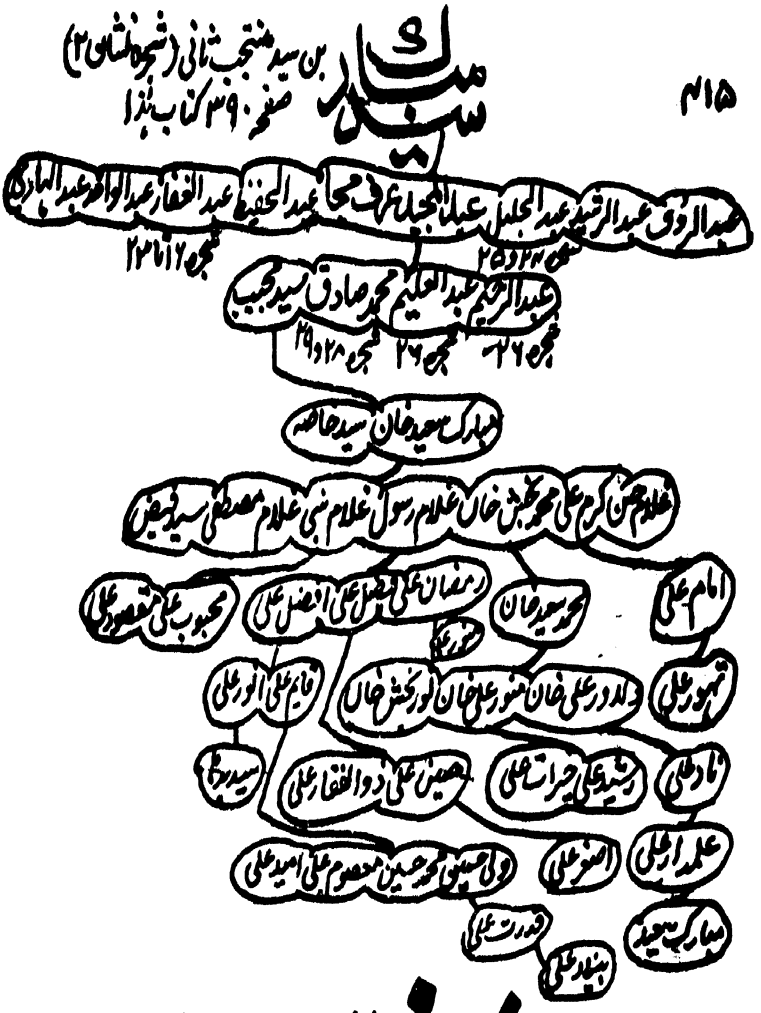

شجرہ نشان ۲۷

سادات

بن سید منتجب ثانی (شجرہ نشان ۱)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

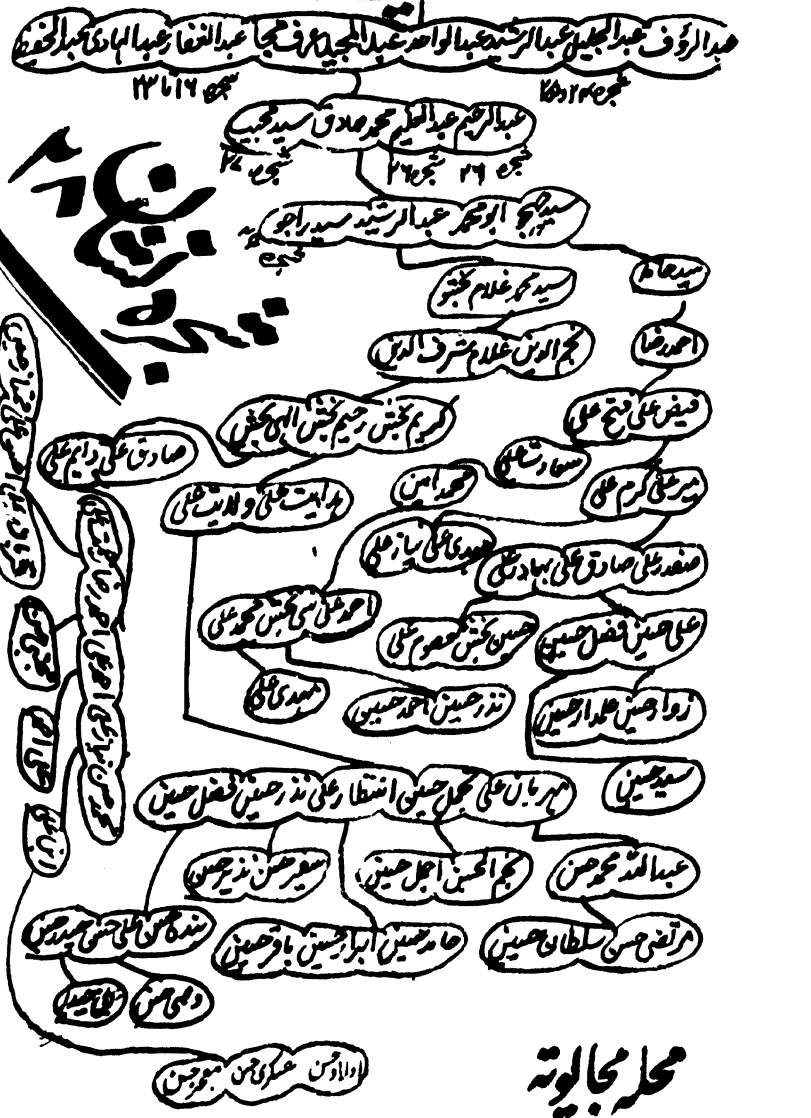

محلہ مجالپوتہ

سادات بن سید منتخب ثانی (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

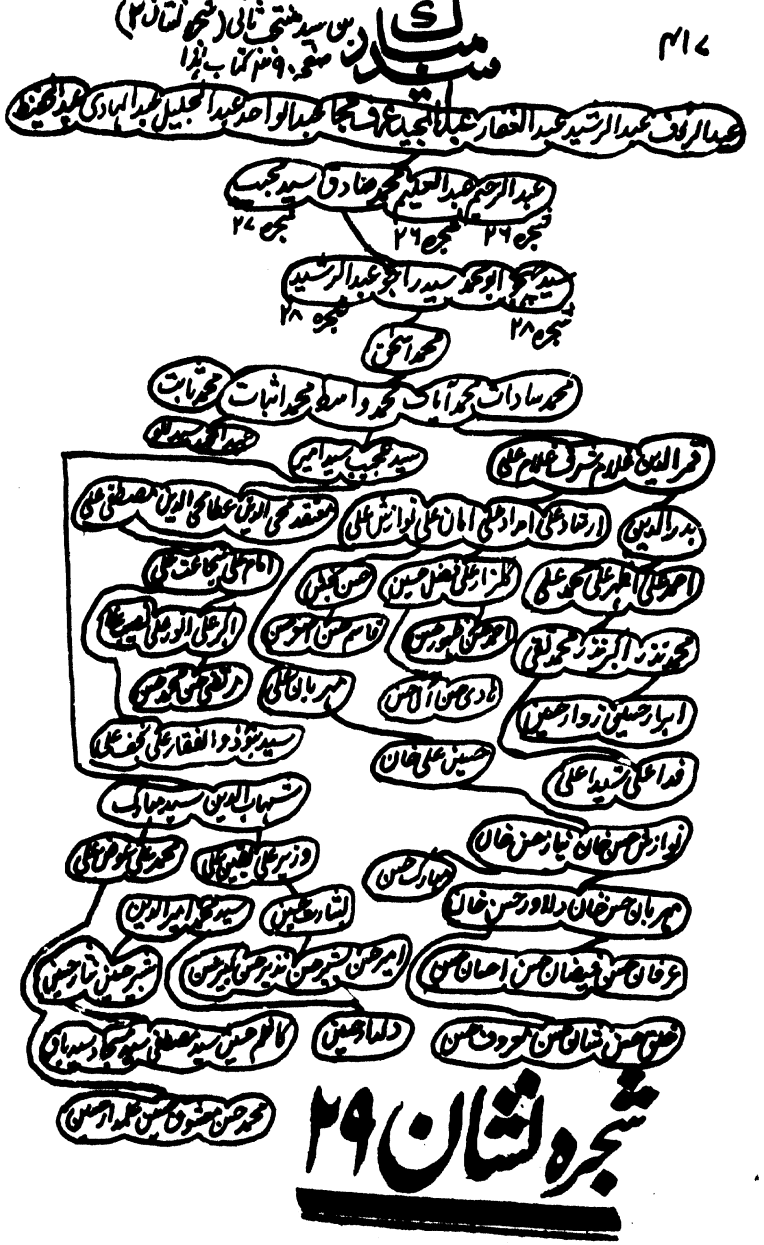

شجرہ نشان ۲۹

سید محمد تقی

بن سید چھجو بن سید محمد باقر بن سید عبدالکریم

شجرہ نسان ۲ صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

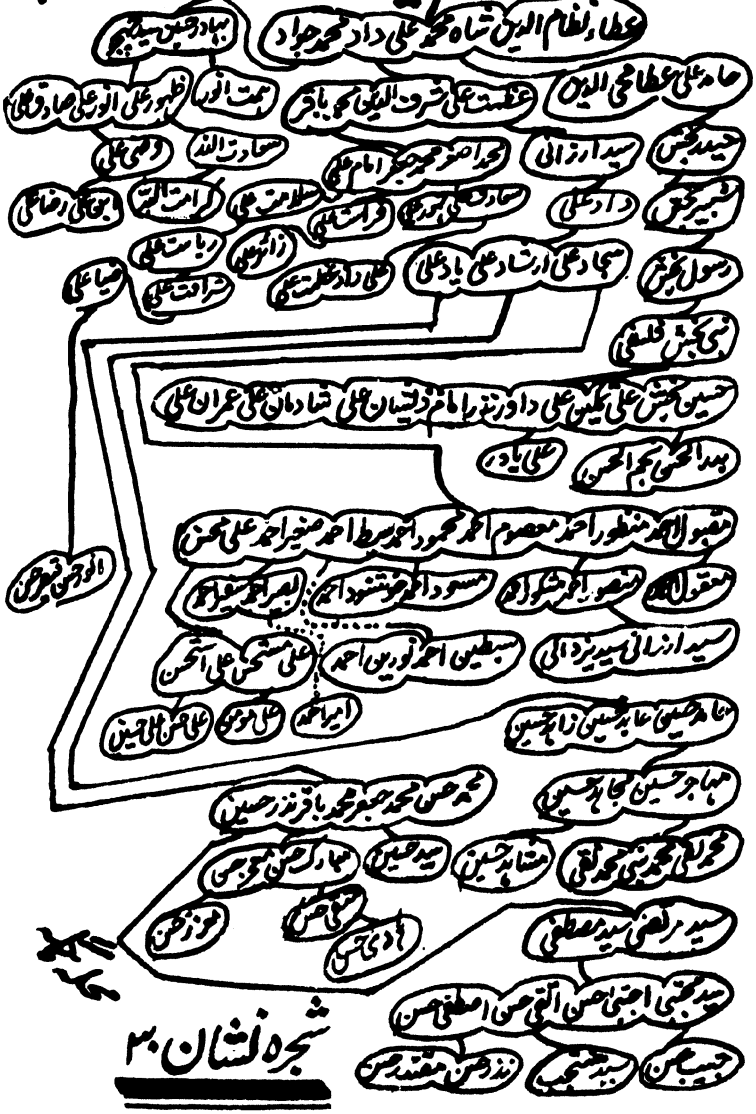

شجرہ نسان ۳۰

سراج الدین

بن سید جلال الدین بن سید مجی الدین

شجرہ نسب

محلہ کوٹ
شاہ علی سرائے

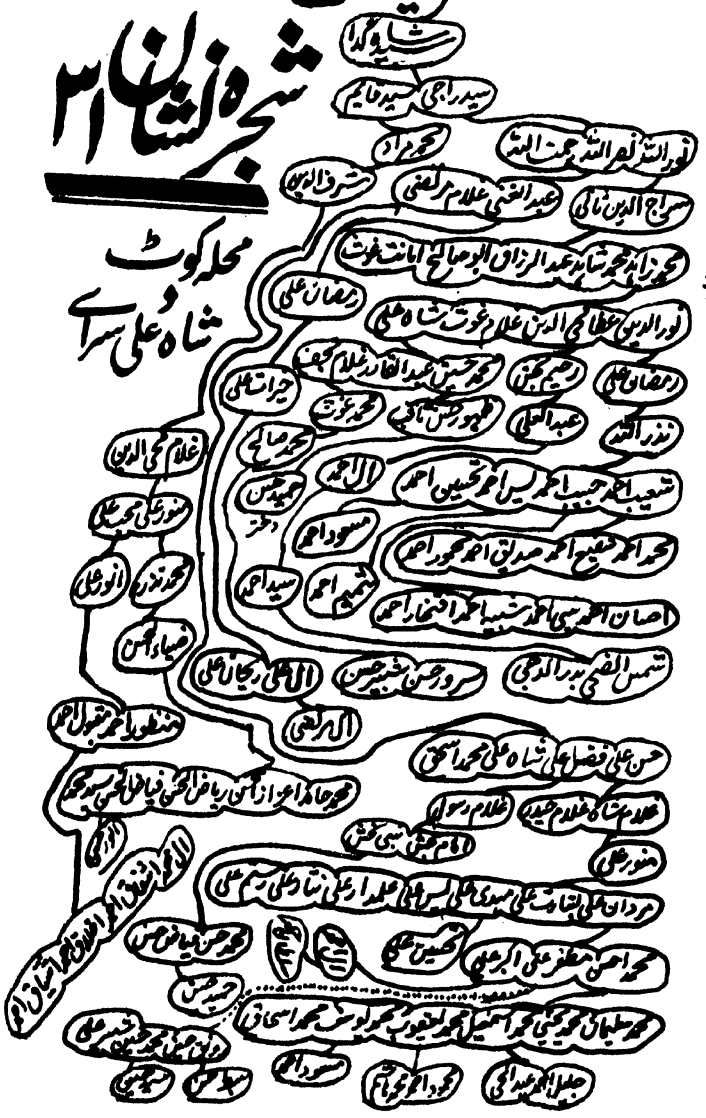

شجرہ نشان ۲۲

محلہ لکڑہ

سید ابدال محمد بن سید منور بن سلطان محمد بن عبدالرحیم

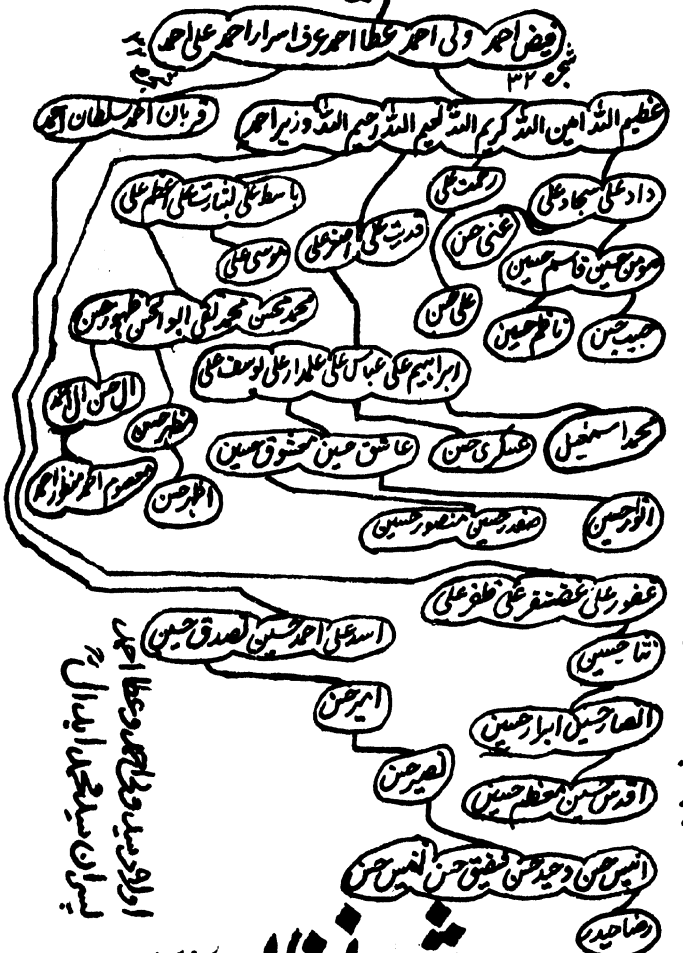

اولاد سید ولی احمد و عطا احمد ابدال
نبیرگان سید محمد ابدال

شجرہ نشان ۳۳

محلہ لکڑہ

(شجرہ نسب سید یحییٰ بن تاج الدین بن سید یحییٰ بن مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی ... الخ شجرہ نشان ۱)

ان شجروں کی ترتیب کے بعد ہمیں اس امر کا اظہار کر دینا بھی ضروری ہے کہ ان میں موجودہ نسل کے اکثر خورد سال اور جوان اشخاص کے نام تحقیق ہو کر درج نہ کئے جا سکے جس کی ایک بڑی وجہ مؤلف کی امروہہ سے زمانہ دراز تک مسلسل غیر حاضری اور ترک سکونت ہے اُمید کہ اس میں ہمیں معذور سمجھا جائے گا۔ اگر اتفاقاً وسہواً کسی مقام پر کوئی اندراج غلط ہو گیا ہو یا اور کوئی لغزش محتاج اصلاح نظر آئے تو براہ کرم اس سے ہمیں مطلع فرمایا جائے۔ کہ کتاب ہذا کی طبع ثانی کے موقع پر یا جلد دوم میں اس کی تلافی و تصحیح کی جا سکے۔

آنحضرت صلعم کے زمانہ مبارک سے سازہے تیرہ صدی کا زمانہ گزر چکا ہے حسب قاعدۂ اکثریہ مقبولہ اس (۱۳½ صدی کے) زمانہ میں قریباً چالیس اکتالیس پشتیں بغرض اتصال نسب شمار میں آنا ضروری ہیں۔ ان تمام شجرات نسب کے مطالعہ سے ثابت ہے کہ عام طور پر چالیس اکتالیس پشتیں موجودہ نسل کے لوگوں تک شمار میں آتی ہیں اور اس طرح اتصال نسب کے لیے عدد مطلوبہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ بعض خورد سال اشخاص تک شمار کرنے میں ایک دو عدد کا اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ مگر اوسط چالیس اکتالیس کا برآمد ہوتا ہے ایک دو مقام سے بر سبیل مثال ان شجروں میں سے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ اسی پر موجودہ نسلوں کا قیاس ۱۳½ صدی کی مدت میں آنحضرت صلعم سے اتصال نسب کے لیے کیا جا سکتا ہے اور ایک دو ناموں کی کمی بیشی کے لحاظ سے تمام زندہ اشخاص کا اتصال نسب جناب سرور کائنات صلعم سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

(ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۵) سید افتخار احمد (عمر ۲۰ سال) بن سید حبیب المصطفےٰ

بن سید بدر الحسن بن سید نور احمد بن صفی اللہ بن سید مظفر حسین بن سید عباد اللہ بن سید رحیم اللہ بن سید رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود بن سید عبد الماجد بن سید عبد الخالق بن شاہ سید ابو الحسن بن سید محمد میر عدل بن سید منتجب بن سید بڑے بن سید چاند بن سید منتجب بن سید راجی بن سید عبد العزیز بن مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفضل بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام علی تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا بنت خیر البشر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

(ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۹) سید احسان احمد (عمر ۲۲ سال) بن ظفر حسن بن حکیم ضیاء الدین بن شبیر علی بن نصیر علی بن قادر علی بن سید دوست علی بن عظیم الدین بن غلام شرف الدین بن سید عبد الباری بن دیوان سید محمود۔۔۔ الخ جملہ اکتالیس پشتیں اسی حساب سے شمار میں آتی ہیں۔

اسی طرح جملہ اسمار مندرجہ شجرات کتاب ہذا کا اندازہ ایک دو پشتوں کی کمی زیادتی سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جو بلحاظ بعد زمانی بہمہ جہت سلسلہ نسب کے اتصال و صحت کے اثبات کے لیے کافی ہے۔

ہمارا ارادہ ہے کہ جلد دوم کے اختتام پر مخدوم شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رح کی تمام اولاد کے شجرات مرتب کر کے ایک مستقل کتاب کی شکل میں

شائع کریں گے جس میں آنجناب کے دونوں فرزندان نامدار عبدالعزیز و سید امیر علی کی اولاد کے اسمار گرامی موجودہ نسل کے لوگوں تک کامل تحقیق و دریافت کے بعد درج کئے جائیں گے۔

بنی ہاشم کے باہمی تعلقات و سیادت بنی ہاشم اور بعض قبائل بنی ہاشم کا ذکر

(یہ مضمون بھی جلد دوم کے لیے مخصوص تھا۔ مگر بباعث عدم گنجایش جلد دوم اسے بھی مثل بعض دیگر مضامین کے جلد اول میں مجبوراً جگہ دی جاتی ہے امید ہے کہ ناظرین اس بے ترتیبی کے لیے ہمیں معذور سمجھیں گے۔

سید و سادات کے الفاظ قدیم سے بغرض اظہار نسب بنی فاطمہ اور صرف آل حسنینؑ سے مخصوص چلے آئے ہیں۔ اس پر جلد اول میں تفصیل بحث لکھی جا چکی ہے جس میں اس اصطلاح کی تخصیص اظہار نسب کی حد تک کما حقہٗ ثابت کر دی گئی ہے اور علماء لغت اور تمام اہل عالم کی مقبولہ شہادت سے یہ دکھایا گیا ہے کہ سید و سادات اصطلاحاً و عرفاً صرف آل فاطمہؑ ہی سے متعلق ہیں۔ اور بغرض اظہار نسب کسی غیر سے تعلق نہیں ہیں۔ تمام عالم اسلام بلکہ دیگر ممالک میں بھی ان دونوں لفظوں سے صرف یہی ایک مطلب ہمیشہ سے لیا جاتا رہا ہے اور اب بھی یہی معنی و مفہوم تمام دنیا میں ان کے لیے جاتے ہیں۔ الغرض لفظ سیادت کا اطلاق اس محل پر ہمیشہ سے

اسی مفہوم میں ہوتا آیا ہے مگر حال میں بعض مدعیان سیادت نے اس سیادت مطلق کو بعض دیگر قیود سے
قید کرنے کی سعی لاحاصل شروع کی ہے۔ سیادت ہاشمی وغیرہ ہمچنین الفاظ بغرض اظہار
نسب تمام عالم کی مقبولہ اصطلاح کے خلاف ایک دو صاحبوں نے لکھنے کی جرات
کی ہے۔ اور اس بینہ سیادت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ تمام بنی ہاشم پر صدقہ
حرام ہے اور یہ خمس کے مستحق ہیں لہٰذا بغرض اظہار نسب ان کو سید کہنا چاہیے۔ جلد
اول میں اس پر کافی بحث ہو کر ثابت کیا گیا ہے کہ حرمت صدقات ایک خالص
مذہبی مسئلہ ہے اور وضع اصطلاح سید و سادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے تمام
عالم اس پر گواہ ہے کہ سید و سادات کا استعمال اظہار نسب کے لیے ہمیشہ سے آل
حسینؓ سے مخصوص ہے دیگر قبائل بنی ہاشم کے افراد نے اپنے ناموں کے ساتھ بغرض
اظہار عظمت نسب البتہ لفظ شیخ استعمال کیا ہے، اور اب بھی یہی لفظ اس محل پر
استعمال ہوتا ہے۔ صدہا قدیم و جدید دستاویزات و کتب اور حکومت کے کاغذات
سے بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ مگر حال میں چند مدعیان سیادت بنی ہاشم
نے اپنا قدیم اور موروثی لقب یعنی شیخ استعمال کرنا ترک کر دیا ہے اور بجائے اس کے
اپنے ناموں کے ساتھ لفظ سید تحریر کرنا شروع کیا ہے۔ اب ان مدعیان سیادت کے
نزدیک بجائے لفظ شیخ کے سید لکھنا فریضہ مذہبی سے کم نہیں ہے۔ اور وہ لقب
عزیز جو صدہا سال سے ان کے اسلاف اس محل پر استعمال کرتے تھے اور اب بھی
استعمال ہوتا ہے مبغوض و مردود قرار پا چکا ہے۔ اب وہی لقب شیخ جو اسلاف کے
لئے باعث فخر تھا ان مدعیان سیادت کے لیے باعث ننگ ہے ان کے خیال میں
قوم شیخ ذلیل اور ادنی قوم ہے۔ اور قوم سادات بالاتر و شریف تر ہے۔ اس

خیال کے تمام حضرات کو اور دیگر تمام اہل بصیرت کو اس کا اندازہ اچھی طرح ہے کہ اس جدید سیادت کو قبولیت عام کا درجہ نہیں حاصل ہو سکا جب کبھی اور جہاں کہیں اس سیادت کا اظہار ہوا ہے ہر طرف سے تردد اور شک کا انکاری مظاہرہ اس دعوے و اظہار پر کیا گیا ہے کیونکہ خواص و عوام سید و سادات کے القاب کو اظہار نسب کی حد تک بنی فاطمہ ہی سے مخصوص مانتے آئے ہیں۔

بنو ہاشم کو جو بزرگی قبائل عرب میں حاصل رہی ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں حضور سرور کائنات صلعم کا ارشاد ہے کہ خداوند عالم نے بنی ہاشم کو دیگر اقوام عالم سے برگزیدہ کیا ہے۔ بے شک بنو ہاشم اگر ہاشمی ہونے پر بر محل فخر کریں تو سراسر درست ہے۔ سادات بھی بنو ہاشم سے ہیں لیکن ان میں ازدیاد سیادت کا خاص باعث جناب سرور کائنات صلعم کی وہ خاص قرابت قریبہ ہے جس میں کوئی دوسری شاخ بنی ہاشم کی ان کی شریک نہیں ہے اور یہی خاص باعث ان کی زیادت تعظیم و تحریم کا ہے۔ یہی سادات ہیں جن کے مورثوں کی محبت و عظمت حسب صراحت سید الانبیا صلعم اجر رسالت قرار پائی ہے۔ یہی ہیں جن کی محبت (فرض من اللہ فی القرآن انزلہ۔ شافعیؒ) بیان کی گئی ہے۔ یہی ہیں جو دیگر بنی ہاشم میں سے نمایاں طور پر سیادت و زیادت تعظیم کے مستحق جمہور مسلمین کے نزدیک قرار پائے ہیں۔ اگر کوئی حاسد ان کی زیادت تعظیم پر چیں بجبیں ہو تو اس کا کیا علاج کہ جمہور مسلمین اس زیادت تعظیم میں ان کو سادات کا شریک نہیں مانتے۔ یہی وہ زیادہ تعظیم و تحریم ہے جس کا اظہار خاصان خدا نے سادات کے لئے اپنی جان کی قربانیوں سے بھی بارہا کیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کو اسی زیادہ تعظیم سادات کے بدلہ میں زہر کا پیالہ پیش کیا گیا۔ اور وہ

اسے جرعۂ آب حیات سمجھ کر جان بحق ہوئے۔ نور اللہ مضجعہ وشکر اللہ مساعیہ۔
اسی زیادہ تعظیم سادات کے بدلہ میں امام مالک رحمۃ کوڑے کھائے۔ اسی زیادہ تعظیم
سادات کے صلہ میں امام شافعی رحمۃ نے طرح طرح کی ایذا برداشت کی اور رافضی کہلائے
الغرض ہم کہاں تک لکھیں کہ اس مضمون خاص کے لیے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ ہمیشہ
سے جو نمایاں حیثیت سادات کو تمام بنی ہاشم میں باعتبار اپنے مخصوص فضائل کے
حاصل رہی ہے اس کا انکار بجز چند ایسے اشخاص کے جو تاریخ میں خاص طور پر بدنام
ہیں تمام بنو ہاشم میں کسی نے نہیں کیا اور تمام علماء امت بھی جو کانبیاء بنی اسرائیل
مانے جاتے ہیں سادات کی بے مثل بزرگی اور زیادہ تعظیم کے قولاً وفعلاً معتقد و
معترف رہے ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی جو علماء مفسرین کے پیشوا و امام مانے جاتے
ہیں اپنی مشہور آفاق تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ فروی صاحب الکشاف انہ
لما نزلت ھذہ الایۃ یعنی ایۃ المودۃ قالوا یارسول اللہ صلعم ومن
القربیٰ الذین یجب علینا مودتھم فقال صلعم علی و فاطمہ وابناھما۔
فثبت ان ھذہ الاربعۃ قربی النبی فوجب اختصاصھم بزیادۃ
التعظیم ثم ذکر اسباب تعظیمھم بالاجمال ثم بالتفصیل) یعنی صاحب
کشاف نے روایت کی ہے کہ رسول صلعم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے وہ اقربا
کون کون ہیں جن کی محبت ہم سب پر واجب کی گئی ہے۔ حضور صلعم نے جواب دیا
کہ وہ علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے ہیں پس ثابت ہوا کہ یہی وہ اقربائے
نبی ہیں پس واجب ہوئی خصوصیت ان کی زیادتی تعظیم کے ساتھ پس ذکر کئے گئے
اسباب تعظیم ان کے اجمالاً وتفصیلاً یہی وہ زیادہ تعظیم سادات تھی جس نے حاسدوں

سے فرزندان رسول صلعم پر طرح طرح کے مظالم کرائے بنو امیہ نے اپنی سلطنت میں قریباً ایک صدی تک اسی زیادۃ تعظیم سادات کو مسدود کرانے کی طرح طرح سے کوشش کی مساجد میں علانیہ اہل بیت رسول صلعم اور ان کی اولاد امجاد پر خطبوں میں لعنت کرائی گئی خاندان نبوت پر لعنت کرنا ان کے نزدیک داخل عبادت رہا کوئی دقیقہ اہانت و ایذا اولاد رسول میں باقی نہ چھوڑا گیا۔ اس کے بعد عباسی دور شروع ہوا۔ ان کے دور حکومت میں بھی طرح طرح سے زیادۃ تعظیم سادات کو مسدود کرنے کے لیے سیف و سان سے کام لیا جاتا رہا۔ کبھی یہ دعوی کیا گیا کہ رسول اللہ کے وارث و جانشین ہم ہیں۔ کبھی کہا گیا کہ آل رسول کو ہم نے عزت بخشی ہے کبھی کہا گیا کہ سادات آل رسول نہیں ہیں کیونکہ کلام اللہ میں موجود ہے کہ رسول کے کوئی بیٹا نہیں ہے۔ اسی زیادۃ تعظیم سادات کو مسدود کرنے کے لیے بعض ظالموں نے قرۃ العین نبی اور جوانان جنت کے سردار کی قبر کو ہل چلوا کر بے نشان کر دینا چاہا۔ کم و بیش پانسو برس تک اس حکومت کے طویل دور میں سادات کی ایذا و اہانت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی (مستثنیات کا یہاں ذکر نہیں ہے) لیکن دنیا اسلام گواہ ہے کہ حق مظلوم ضرور ہو سکتا ہے۔ اور مظلوم رہتا آیا ہے مگر مغلوب نہیں ہو سکتا۔ بنی امیہ کی یک صد سالہ اور عباسیہ کی پانصد سالہ حکومتوں کی کوششیں جو زیادۃ تعظیم سادات کے انسداد کے لیے سیفاً و سناً ہوتی رہیں یک قلم بے کار گئیں اور سادات کی زیادۃ تعظیم اپنے مقام پر باقی رہی اور اس وقت تک اس کا باقی رہنا برحق ہے جب تک کہ خود سید الانبیاؐ کی محبت و وقعت امت مرحومہ کے نزدیک داخل ایمان ہے حجۃ الملۃ والدین علامہ شبلی نعمانی مرحوم و مغفور یہ تحریر فرما گئے کہ بنی امیہ اور عباسیہ

ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے سیرۃ النبی، اسی کے ساتھ ساتھ ہر شخص بلا خوف و تردید یہ بھی کہنے کا مجاز ہے کہ سادات بھی اُسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے سادات کے اس مقام ارفع و اعلیٰ کا بیان ترجمان کلام نبی سیدۃ الطائفہ حکیم سنائی (وہ حکیم سنائی جن کی قدر و منزلت کے بیان کے لیے عارف رومی رح کے قلم و زبان کی ضرورت ہے) اس طرح کرتے ہیں۔

جز کتاب اللہ و عترۃ زاحمد مرسل نماند　　یادگارے کو تواں تا روز محشر داشتن

الغرض تمام عالم میں سادات ہی بغرض اظہار نسب آل رسول ہیں۔ سادات ہی عترۃ رسول ہیں۔ سادات ہی ذریت رسول ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ جب قبول جناب باری تعالیٰ شانہ حضرت عیسیٰ اپنے مادری رشتہ سے ذریت ابراہیم ہیں نبی فاطمہ ذریت محمد نہ کہے جائیں ولو کره المخالفون۔ ان کی یہ سیادت ان کی یہ بزرگی ان کا یہ شرف مخصوص اپنی جگہ ہے یہی ہیں جو بقول فخر رازی وغیرہ اکابر علمار امت وجوباً آل محمد ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷ کتاب ہذا) ان کے محامد و مناقب اکابر امت و عارفین حق آگاہ میں سے ہر ایک نے بیش از بیش بیان کئے ہیں بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی کو صف اکابر میں اس وقت تک جگہ نہیں ملی جب تک کہ اس نے ان کے محامد و مناقب کا خراج کما حقہٗ ادا نہ کر لیا ان کے مناقب و محامد بدیہی اور عنصری کی مدح و ثنا سے مستغنی ہیں جنہوں نے بعض بادشاہان وقت کی ثنا و صفت بطلب جیفۂ دنیا بیان کی اور اب دنیا میں ان کا کوئی جانشین موجود نہیں ہے۔ یہ شرف سادات ہی کو حاصل ہے کہ باوجود مظلوم و مجبور ہونے اور باوجود دنیوی

شوکت و اقتدار نہ رکھنے کے اکابر امت و خاصان خدا دل و جان و ایمان سے ان کے ثناخواں رہے اور اب بھی عالم اسلام کے ہر گوشہ سے خاندان سادات کی نذر عقیدت بدستور پیش ہوتی رہتی ہے اور انشاءاللہ تا بقیامت یہ سلسلہ باقی رہے گا۔ سادات کے ایک مورث یعنی جناب علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت نگاری کرتے ہوئے زمانہ حال کا سب سے بڑا ناظم و شاعر ترجمان حقیقت علامہ اقبال تحریر کرتا ہے

از ولائے دودمانش زندہ ام — در جہاں مثل گہر تابندہ ام
زمزم ار جوشد ز خاک من ازوست — مے اگر ریزد ز تاک من ازوست

صحابۂ اخیار و تابعین نامدار و فقہائے ابرار و صوفیاء کبار و دیگر خواص و عوام امت نے سادات کے بچے بچے کی جو عزت و وقعت اپنے اقوال سے ہمیشہ کی ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے دنیا کی کوئی ظاہری شان و شوکت غریب و مظلوم سادات کے پاس نہ تھی۔ صرف اولاد رسول ہونے کے باعث مسلمانوں کے ہر طبقہ میں خواہ وہ سلاطین وقت ہوں یا کسی دوسری جماعت کے اکابر ہوں سادات کی وہ عزت و عظمت کی گئی ہے جس کی کوئی نظیر نہ ملے گی۔ حضرت خواجہ فریدالدین عطار رح تحریر فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ ایک روز درس میں دس بار اٹھے بیٹھے لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے آپ نے فرمایا کہ ایک سیدزادہ دروازہ پر کھیل رہا ہے۔ جس وقت وہ نزدیک آتا ہے تو میں اس کی تعظیم کے لیے اٹھتا ہوں جائز نہیں ہے کہ فرزند رسول میرے نزدیک آئے اور میں اس کی تعظیم کے لیے نہ اٹھوں (تذکرۃ الاولیا) اس قسم کے ہزار ہا واقعات کتب تذکرہ میں ملتے ہیں سلاطین وقت نے بھی طرح طرح سے سادات کی عظمت اولاد رسول کی امتیازی شان مدنظر

رکھ کر کی ہے اور ان کی عظمت نسب کا خاص طور پر لحاظ کرتے ہوئے بلا لحاظ خدمات شاہی ان کو املاک عطا کیں ان کے بیش قرار وظائف مقرر کئے اور ان کی قدسیوں کو بلحاظ اولاد رسول ہونے کے اپنے لیے باعث فخر و مباہات جانتے رہے اور بفحوا منصوص حدیث شریف (اکرموا اولادی .... الخ) سادات کی خدمت کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے رہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی وفات کے وقت جو وصیتیں تحریر کرائیں ان میں سے ایک نمایاں وصیت یہ بھی ہے کہ سادات کا احترام و اعزاز اور ان کی مراعات کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے کہ اولاد رسول کی محبت خاص رسول کی محبت ہے۔ الغرض اس قسم کے صدہا واقعات کتب تذکرہ میں ملتے ہیں جن کی تفصیل یہاں کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

لیل و نہار کی گردش سے حاسدوں کے ہاتھ میں اب سادات کے مقابلہ کے لیے سیف و سنان تو باقی نہ رہی اور اس کا استعمال اموی و عباسی دور کے ساتھ ختم ہو گیا البتہ اب بھی کہیں کہیں کوئی کوئی حاسد زبان و قلم سے سیف و سنان کا کام لینے کی سعی لاحاصل ضرور کر لیتا ہے مگر باوجود اس طویل مشاغبہ کے سادات اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے۔ کیا ہی خوب کہا ہے بدایوں کے مشہور صوفی بزرگ نے۔ ؎

یہ رتبہ جہاں میں کس ولی نے پائے — پائے تو فقط آل نبی نے پائے
مختار جہاں شافع روز محشر — یہ مرتبہ اولاد علی نے پائے

شاعر نے ان دو شعروں میں جن امور کا اظہار کیا ہے وہی ہیں جسے دیگر اکابر امت بار بار لکھتے آئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت واہب العطا یا جل شانہ

کے عطیات و انعامات کسی ایک قوم یہ جماعت سے مخصوص نہیں ہیں اور اس کے فیض عام کی بارش ہر طرف ہوتی ہے لیکن ان میں بھی انعامات و فضائل کی تخصیص و امتیاز کے مدارج ہیں۔ اولیا اللہ ہر جماعت اور ہر قوم کے افراد ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی بفضلہ تعالیٰ سادات کو امتیازی درجہ حاصل رہا ہے۔ اس وقت اولیاء اللہ کی برگزیدہ جماعت میں جو درجۂ امتیاز سلالۂ دودمان خاتم النبیین برگزیدہ آل طٰہٰ و یٰسٓ سراج السالکین محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی جناب غوث اعظم رض کو حاصل ہے اور جو عزت و وقعت اس برگزیدہ بارگاہ ایزدی کو ملی ہے۔ وہ معتقدین سے مخفی نہیں ہے بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ بہ عقیدۂ اہل سنت اولیا کی جماعت میں سب سے بلند مرتبہ آپ ہی کا ہے۔ ہندوستان میں بھی سلطان الہند خواجہ غریب نواز چشتی سنجری اجمیری تمام اولیاء ہند کے سرتاج ہیں۔ دکن میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رح اور دیگر اطراف و اکناف ہند میں حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیری اور حضرت نظام الدین اولیا اور بعض دیگر مشاہیر اولیا یہ سب جماعت سادات ہی کے افراد ہیں اور بے شک یہ ایک بڑی عزت اور قابل صد شکر انعام الٰہی ہے جس سے جماعت سادات کو نمایاں طور پر اس منعم حقیقی تعالیٰ شانہ نے سرفراز فرمایا ہے۔

خداوند عالم نے اپنے انعامات وافرہ و افضال متکاثرہ سے سادات کو سرفرازی بخشی۔ اس پر بعض کے بعض ہم جد حسد سے جلنے لگے اس کا مظاہرہ بار بار طرح طرح سے ہوتا رہا ہے اور اب بھی کہیں کہیں سے کوئی کمزور آواز ان تاریخی واقعات کی آواز بازگشت کے طور پر سننے میں آجاتی ہے بعض سلاطین نے جن کا نام خاص طور پر تاریخ میں مشہور رہے اسی زیادہ تعظیم سادات اور ان کی امتیازی

شان سے متاثر ہو کر بے شمار نا روا مظالم افراد سادات اور ہمدردان آل رسول پر کئے ہیں۔ اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں اور نہ اس کی کوئی خاص ضرورت ہے کہ اہل نظر اس کی تفصیل سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ایک دو واقعات یہاں بر سبیل مثال نقل کئے جاتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی مشہور معروف تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں

سنہ ۲۴۴ھ میں خلیفہ متوکل عباسی نے یعقوب بن سکیت امام عربیہ کو جو اس کے بیٹوں کا استاد تھا مروا دیا۔ ابن سکیت مذکور کی خطا یہ تھی کہ ایک روز متوکل نے اپنے لڑکوں معتز اور مؤید کو دیکھ کر ابن سکیت سے دریافت کیا کہ تمہارے نزدیک یہ دونوں اچھے اور محبوب ہیں یا حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) ابن سکیت نے جواب دیا کہ معتز و مؤید سے تو قنبر حضرت علی کرم اللہ وجہ کا غلام بھی بہتر ہے چہ جائے کہ حسنؓ و حسینؓ سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ جواب سن کر متوکل نے چند ترکوں کو حکم دیا کہ ابن سکیت کو چت لٹا کر اس کے پیٹ پر اس وقت تک کود جب تک یہ زندہ رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ متوکل نے ابن سکیت کی زبان تالو سے کھچوائی اور یہ مر گئے۔ (ترجمہ تاریخ الخلفا سیوطی)۔

ہم حیران ہیں کہ ابن سکیت کی اس جرأت و صداقت کی داد دیں اور اس کے حق میں دعاء مغفرت کریں یا اس تاریخی مغالطہ کا بیان کما حقہٗ کریں کہ سادات کے مقابل متشددانہ کارروائیاں ان کی مخالف سازشوں کی پاداش میں سلطنت کی طرف سے عمل میں آتی تھیں خاص خاص واقعات سے اس وقت بحث نہیں یہاں اس ذہنیت کا بیان مقصود ہے جو سادات کی زیادہ تعظیم کے اثر سے مختلف اشکال میں ظاہر ہوتا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ سادات میں سے کسی نے حکومت وقت کے خلاف

خاص حالات میں کوئی کارروائی کسی وقت کی ہو اور بعض ایسے واقعات تاریخ میں بھی درج ہیں لیکن جب تک کوئی خاص واقعہ یا واقعات پیش نظر نہ ہوں اور فریقین کے دعاوی و بیانات اور مورخین کی آزاد شہادت پر غور نہ کر لیا جائے یہ عام حکم لگانا کہ سادات کی مخالفانہ جد وجہد کی پاداش میں یہ سب تشدد آمیز کارروائیاں کی جاتی تھیں ایک نہایت جلی تاریخی مغالطہ ہے جائے غور ہے کہ ابن سکیت نے سلطنت کے مقابل کونسی مخالفانہ جدوجہد کی تھی جو متوکل نے غایت سفاکی سے اُس کی جان لی وہ کونسا خدشہ حکومت کو اس کی ذات سے تھا کہ اس کا خون مباح کر لیا گیا ظاہر ہے کہ یہی زیادہ تعظیم اولاد رسول صلعم ابن سکیت کے لئے واصل بحق ہونے کا ذریعہ ہوئی خدا اسے غریق رحمت کرے اور اس کی دینی حمیت اور اولاد رسول کی محبت و عزت کا کہ عین رسول صلعم کی محبت و عزت ہے اسے اجر عطا فرمائے۔

اسی خلیفہ متوکل نے فرزند رسول اللہ صلعم کو اس کی آخری آرام گاہ میں بے چین کیا اور اس پر ہل چلوائے۔ علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں۔

سنہ ۲۳۶ھ میں خلیفہ متوکل عباسی نے جناب امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر اور ان مقابر کو جو اس کے گرد و پیش تھیں کھدوا دینے کا حکم دے کر وہاں کاشت کرنے کا حکم دیا اور لوگوں کو زیارت کرنے سے منع کر دیا۔ بہت دنوں تک یہ خراب اور جنگل بنا رہا۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے لوگوں کو بہت صدمہ پہنچا اور اس کو ناصبی (خارجی) کا لقب دے دیا اور اہل بغداد نے دیواروں اور مسجدوں پر گالیاں لکھ کر چسپاں کیں شعرا نے اس کی ہجو میں نظمیں لکھیں از انجملہ ایک نظم یہ بھی تھی۔ (ترجمہ) واللہ بنی امیہ نے پیدا ہو کر نبی کے نواسے کو ظلم سے

قتل کیا اور اب اس کی نسل ایک اور اموی آگیا اور اس نے فرزند رسول کی قبر اکھڑوا پھینکی متوکل کو رنج و افسوس تھا کہ میں حسین کے قتل میں کیوں شریک تھا اس لیے ان کی ٹہریاں اکھڑوا دیں (ترجمہ تاریخ الخلفا سیوطی)۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

انی جوا امۃ قتلت حسینا شفاعت جدہ یوم الحساب (سر الشہادتین)

ترجمہ شعر۔ شبیر کے قاتل کیا فرد اے قیامت میں امید بھی رکھتے ہیں نانا کی شفاعت کی۔

ایک صاحب جن کو تاریخ دانی کا بڑا دعوی ہے فرماتے تھے کہ متوکل نے قبر پرستی کے امکان و احتمال کی بنا پر قبر حسین کو کھدوا دیا تھا۔ کہ اس خدشہ کا ہمیشہ کے لیے سدباب ہو جائے اور فرماتے تھے کہ حدیث نبوی ہے کہ میری قبر کو صنم نہ بنا لینا اس کی تعمیل میں قبر حسین کے ساتھ متوکل نے یہ عمل کیا ان بزرگ کے اس ارشاد کے متعلق ہم حیران ہیں کہ کیا عرض کریں۔ اگر متوکل کو قبر پرستی کا انسداد ہی مدنظر تھا تو کیا دوسرے ذرایع مسدود تھے۔ اس کا انتظام عمدہ طریقہ سے بطور دیگر بھی ممکن تھا اور اس احتمال و امکان سے تو تمام بزرگان امت و خاصان خدا کی قبور کا تعلق موجود تھا اور ابتک بھی ہے یہ قبر حسین ہی کی کیا خصوصیت تھی کہ نہ صرف اکھڑوانے کا عمل کیا گیا بلکہ ہل چلوا کر اپنی دانست میں اچھی طرح فرزند رسول کی اہانت بھی کی گئی۔ اب رہے صنم پرستی کے امکانات و احتمالات وہ بہر حال خود قبر مطہر رسول صلعم کے متعلق بھی موجود تھے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ صنم اکبر (خاکم بدہن) کو چھوڑ کر صنم اصغر کے ساتھ یہ عمل کیا گیا۔ اور یہ بھی کوئی طریقہ انسداد ہے کہ قبر اکھڑوائی گئی اور اس پر جانوروں سے ہل چلوا کر اس مقام کو پامال بھی کرایا گیا اور جانوروں کا بول و براز بھی وہاں

پڑتا رہا۔ کیا مسلمانوں کی دینی حمیت کا تقاضا یہی ہے کہ فرزند رسول صلعم کی قبر کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا جائے۔ قبر پرستی کے امکانات و احتمالات کے انسداد کا بہتر ذریعہ حکومت وقت کو میسر تھا۔ قبر اکھڑوا کر اس کی توہین جس طرح روا رکھی گئی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ کیا زنا اور ایسے ہی افعال کے ارتکاب کے انسداد کے لیے کوئی باپ اپنے بیٹے کو خصی کرا دینا پسند کرتا ہے کیونکہ احتمال و امکان زنا کا ہر وقت وجود ہے۔ اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قبر پرستی کے انسداد کے لیے قبر کا اکھاڑ دینا اور اس کی بے حرمتی کرنا کسی مذہب میں بھی فعل مستحسن نہیں ہے اور کسی طرح بھی پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ کیا اگر کوئی بدبخت شقی قبر مطہر رسول صلعم کے ساتھ یہ عمل کرے تو مسلمانان عالم کے قلوب بے چین نہ ہو جائینگے اور کیا یہ عذر اس وقت قابل سماعت ہوگا کہ قبر پرستی کے امکانات و احتمالات کے انسداد کے لیے رسولؐ کی قبر اکھاڑی گئی اور اس پر ہل چلوائے گئے۔

اصل یہ ہے کہ جو عزت و محبت عامۂ مسلمین کے قلوب میں آل نبیؐ کی تھی وہ آل عباسؑ کی نہ تھی (آل عباس اچھی طرح جانتے تھے کہ قرب رسول جس کی بنا پر ہم نے حکومت حاصل کی ہے۔ اس میں آل رسول کا درجہ ہم سے بڑھ کر ہے۔ تاریخ الامت) اور یہی وجہ تھی کہ سلاطین وقت لوگوں کے اجسام کے ساتھ قلوب پر بھی جبراً حکومت کرنا چاہتے تھے اور زیادہ تعظیم سادات کو جبراً و قہراً روکنا چاہتے تھے۔ صدہا سال تک اسی قسم کی معاندانہ و حاسدانہ کارروائیوں کا سلسلہ جاری رہا جن کے بیان کرنے کے لیے بقول شبلی نعمانی مرحوم و مغفور بڑا سخت دل چاہیے (سیرۃ النعمان) مگر دنیا نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ حق مظلوم ضرور ہوا مگر مغلوب نہ ہو سکا

دنیا میں اب بھی آل عباسؓ و آل نبی موجود ہیں اور ان کا فرق مراتب بھی بدستور اسی نسبت سے موجود ہے جو حضرت عباسؓ اور آنحضرت صلعم کے مرتبہ میں تھا۔

اس میں شک نہیں کہ انھیں سلاطین میں بعض نیک دل اور محب آل رسول بھی ہوئے ہیں اور بار بار انھوں نے آل رسول سے مختلف طریقوں سے اظہار عقیدت و محبت کیا ہے۔ اس کی ایک بہترین مثال (بشرطیکہ اس کا دامن قتل امامؑ میں آلودہ نہ ہو) مامون اعظم کی پیش کی جاسکتی ہے کہ اس نے آل رسول کے ساتھ اپنی روحانی و جسمانی عقیدت کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ مصاہرت کا تعلق بھی خاندان سادات سے قائم کیا اور اس قرض کے ادا کرنے کی کوشش کی جو خاندان سادات کا مدتوں سے خاندان عباسیہ پر چلا آتا تھا۔ اگرچہ بقول شبلی نعمانی وغیرہ وہ اس کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا یعنی یہ کہ ولایت عہد کی تکمیل عملی طور سے نہ ہوسکی اور جس خاندان نے دولت اسلامیہ کو موروثی ترکہ بنا کر دولت عباسیہ بنا لیا تھا۔ اس پر سادات کا یہ قرضہ بدستور باقی رہ گیا اور اب تک بدستور باقی چلا آتا ہے آل عباسؑ میں اب بھی ہزارہا ایسے نیک دل موجود ہوں گے جو سادات کی زیادت تعظیم اور اس قرضہ کے معترف ہوں گے جو آل نبیؐ کا آل عباسؓ پر باقی چلا آتا ہے اور جس کی شہادت مامون اعظم جیسے جلیل القدر بادشاہ اور دیگر اکابر نے بار بار ادا کی ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۵۶ کتاب ہذا)

الغرض آل رسول کی زیادہ تعظیم و تکریم اور بنی ہاشم میں ان کا نمایاں اور ممتاز ترین مقام ہمیشہ سے تسلیم ہوتے آئے ہیں۔ اور اس وقت تک ان کا باقی رہنا واجبی اور یقینی ہے جب تک خود رسول کریم کی محبت و عظمت امت مرحومہ کے

عقیدہ میں داخل ہے یہی وہ جماعت ہے جو بغرض اظہار نسب آل رسول کہلائی یہی وہ
جماعت ہے جو سید و سادات سے تمام عالم میں مخاطب ہوئی۔ یہی وہ جماعت ہے جسے
بقول شیعہ خلافت بلافصل ملی اور بقول اہل سنت خلافت راشدہ میں اسے دو ہزار
حصہ ملا جو نبوت کے بعد عظیم ترین مقام مجد و شرف ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ اسی
جماعت کا ایک جد سردار انبیاء و سردار دو عالم ہوا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الغرض
نبوت و خلافت و امامت و ولایت کا کوئی ایسا عظیم الشان شرف باقی نہ رہا جس کے
وارث و مورث سادات کے اجداد امجاد نہوئے ہوں سادات کے لیے بے شک
یہ مقام فخر ہے کہ جاہلیت کے کسی شرف سے یہ مشرف نہ ہوئے اور اسلام میں کوئی شرف
ایسا باقی نہ رہا جس کے وارث و مورث یہ نہ ہوئے ہوں۔ آثار جاہلیت و خلافت
غیر راشدہ یا بالفاظ دیگر ملک عضوض کا شرف انہیں کو مبارک ہو جو اس کے مدعی
ہیں۔ خلیفہ منصور نے اپنی نسبی تعلی کا راگ گاتے ہوئے یہ تو لکھ دیا کہ جاہلیت و
اسلام کا کوئی ایسا شرف باقی نہ رہا جس کے وارث و مورث حضرت عباسؓ نہوئے
ہوں مگر لکھتے وقت اسے یہ خیال نہ رہا کہ جاہلیت میں جو امور باعث شرف و افتخار
سمجھے جاتے تھے ان میں بت پرستی سود خواری دختر کشی قتل و خون ریزی وغیرہ دیگر
افعال بھی تھے۔ کیا کوئی مسلمان ذی عقل ہو کر یہ فخر کر سکتا ہے کہ میرا دادا ان تمام
شرفوں سے جاہلیت میں مشرف تھا اور اگر کوئی ان پر فخر کرتا ہے تو کرے ہم ہرگز
یقین نہیں کر سکتے کہ حضرت عباسؓ کی ذات گرامی کے لیے یہ امور کسی طرح بھی باعث
شرف سمجھے جا سکتے ہیں۔ (اب رہی اسلامی نقطۂ نظر سے حضرت عباسؓ کی قدر و
منزلت وہ جس حد تک ہے عقیدتمندوں سے مخفی نہیں ہے) البتہ ایک حکایت الحاج

کا منصب ہے جو آثار جاہلیت میں سے باقی رہ گیا تھا اس کا حال جو کچھ ہے اسلامی نقطۂ نظر سے اپنی جگہ پر ہے اور جو سابقین اسلام سبقت فی الایمان وسبقت فی الہجرۃ وسبقت فی الجہاد وغیرہ سے مشرف ہوئے اور خود خداوند عالم نے ان کے مدارج عالیہ ومحامد جلیلہ کا ذکر کلام پاک میں کر دیا ان کے لیے یہ سقایۃ الحاج کا منصب نہ کوئی دنیوی شرف ہو سکتا ہے اور نہ دینی اور آیہ کریمہ اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ الخ نے اس بنیہ شرف کی قدر ومنزلت کا اچھی طرح فیصلہ بھی کر دیا ملاحظہ ہوں تفسیر درمنثور وغیرہ نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۲ کتاب ہذا بے شک سابقون الاولون من المہاجرین والانصار میں شامل ہونے کا شرف عظیم مجاہد فی سبیل اللہ ہونے۔ اصحاب بدر میں شامل ہونے۔ عشرہ مبشرہ میں شمار ہونے کے شرف الغرض سوابق اسلامیہ کے تمام شرف اسلامی نقطۂ نظر سے ایسے شرف ہیں جن کے سامنے سقایۃ الحاج کے منصب کی قدر وقیمت عقیدتمندوں کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے قرابتداران رسول اللہ صلعم میں بھی باعتبار قرابت وباعتبار حسب ونسب علماء خواص وعوام امت کا عقیدہ یہ ہے کہ این چار تن (علی وفاطمہ وابناہما) عمدہ ونخبۂ این جماعت اند (مدارج النبوہ) بحمداللہ سادات کے اجداد میں ایک کو سید الانبیا اور سردار دوعالم ہونے کا شرف اگر حاصل ہے تو دوسرے جد میں وہ تمام خصوصیات جمع ہیں جو سید الانبیا کے ساتھ اسی نسبت سے ہیں جو ہارون علیہ السلام کو حضرت موسی علیہ السلام سے تھی (حدیث متواتر)۔

نیست پیغمبر مگر در پیش گاہ احمدی ہمچو ہارون است پیش موسی عمران علیؑ

الحمد للہ علی احسانہ کہ سادات کے اجداد کو سرداری دوعالم اور خلافت

راشدہ کا وہ شرف مل چکا ہے کہ دنیا کا کوئی شرف اس کے مقابلہ کے لیے پیش نہیں کیا جاسکتا ہے اور یہ کٹ کہنی حکومت پر فخر کرنے سے بے نیاز و مستغنی ہیں۔ صاحبان عقیدت کے نزدیک اس ملک عضوض کے ہزار سالہ شرف کا مقابلہ خلافت راشدہ کی ایک ساعت کے شرف سے بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

زمانہ حال کے ایک صاحب جو سادات کی زیادہ تعظیم سے بے حد آزردہ خاطر بلکہ برافروختہ معلوم ہوتے ہیں ایک رسالہ میں کسی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ایک طویل مضمون تحریر فرماتے ہیں جس کے بعض اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

"ہم نہ مانیں گے کبھی نہ مانیں گے کہ بیٹی کا بیٹا اپنے نانا بیٹا بھی کسی طرح ہو سکتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ تمام جہاں سے نرالا اور انوکھا اصول خاص اولاد فاطمہ کے لیے کس طرح بنا لیا گیا۔ کیا آپ اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش کر سکتے ہیں کہ فلاں مقام پر بیٹی کی اولاد کو نانا کی ذریت سمجھا گیا ہے۔ ہاں دوسری بات ہے کہ مجازاً اپنے نواسہ کو بلکہ غیروں کے بچے کو بھی بیٹا کہکر پکار لیتے ہیں ایسے بیٹے درجہ دوم کے ہوتے ہیں۔ اور اس مجاز سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے..... یہ سب اصطلاحات آل رسول و ذریت رسول و ابن رسول وغیرہ خود ساختہ ہیں جو اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے لیے وضع کی گئی ہیں اور جن کی حقیقت ہمیں اچھی طرح معلوم ہے..... خلافت عباسیہ کے سرسبز چمن کو پامال کرنے اور اپنی جماعت کے لیے عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کے خیال سے طرح طرح کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ از انجملہ ایک یہ بھی

تھی کہ اپنی نسبی فوقیت کا ادعا ہمارے خاندان (یعنی عباسی خاندان) کے مقابل
کیا جاتا تھا کہ ہم رسول اللہ کی ذریت ہیں اور عباسی خاندان سے فضیلت نسب
میں برتر ہیں ..... اور وہ کونسی خدمات جلیلہ بقول آپ کے خاندان ان حضرات
نے کی ہیں جن کے لیے ملت اسلامی ہمیشہ ان کی ممنون رہے گی جب دیکھیے اور
جہاں دیکھیے سازشوں کا ایک دفتر تھا جو اس نام نہاد ذریت رسول نے
خلافت اسلامیہ کے خلاف کھول رکھا تھا کبھی خلافت بنی امیہ کے خلاف سازش
اور جنگی کارروائیاں کیں اور منہ کی کھائی کبھی عباسی خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین
کے خلاف ایسی ہی کارروائیاں کیں اور کچھ بن نہ آئی اور جب ان ظالم مفسدہ
پردازیوں کی گوشمالی کی گئی تو لگے پکارنے ہم مظلوم ہیں دوڑو مدد کرو ہماری
کیونکہ ہم اولاد رسول ہیں ..... خدا غارت کرے اس نسلی تعصب کو کہ خود کو
سید و سادات کہتے ہیں اور اگر کوئی اپنا ہی ہم جدی اور خالص ہاشمی اپنے
کو سید لکھے تو اسے تسلیم نہیں کرتے اور نہ دیگر ہاشمی خاندانوں کو اہل بیت رسول
اللہ میں شمار کرتے ہیں ..... خدا غارت کرے اس عقیدہ تفضیل کو یہی دیرینہ
بغض اور تمام فسادات کی اصل ہے .... حیرت ہے کہ مادری رشتہ کو بی بی
فاطمہؓ کی نسل میں اس قدر اہمیت دی جاتی ہے اور نسل سادات میں دیگر اقوام
اور ادنیٰ طبقہ کی جو عورتیں اور کنیزیں اولاد کی مائیں بنیں ان کا رشتہ فخر نسب
کے وقت فراموش کر دیا جاتا ہے ..... الخ

ان بیانات کی طرف متوجہ ہونیکی کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی کیونکہ یہ وہی
خیالات ہیں جن کا اظہار اب مدعیان سیادت بنی ہاشم کی طرف سے بار بار کیا گیا ہے

اور قریب قریب ان تمام امور پر جلد اول کے مختلف مقامات میں بحث لکھی جا چکی ہے لیکن چونکہ یہاں سیادت بنی ہاشم اور فضیلت نسب کا علیحدہ ذکر کیا جا رہا ہے مناسب معلوم ہوا کہ غایت اختصار کے ساتھ ان بیانات کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دیا جائے تاکہ اس کی بجائی بحث بیک وقت نظر سے گزر سکے۔ واضح رہے کہ ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ اظہار خیالات کے لیے مجبور ہیں کیونکہ اب ضروری سے ضروری طوالت کے لیے بھی کتاب ہذا میں گنجائش باقی نہیں ہے۔

لائق مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں (تمام جہان سے نرالا اور انوکھا اصول خاص اولاد فاطمہ کے لیے کس طرح بنا لیا گیا کیا آپ اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش کر سکتے ہیں کہ فلاں مقام پر بیٹی کی اولاد کو نانا کی ذریت سمجھا گیا ہے)۔ خود کلام الٰہی اس پر ناطق ہے لہذا کسی دوسری طرف مثال کے لیے توجہ کرنے کی ضرورت نہیں مستند مقامات پر جلد اول میں بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور یہاں بھی اشارۃً جناب مسند المتکلمین فخر المتاخرین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا کلام نقل کیا جاتا ہے۔ (ان ابن البنت لہ حکم الابن ولہذا یعد عیسیٰ فی بنی اسرائیل۔ سراج الشہادتین) یعنے نواسہ بیٹے کے حکم میں داخل ہوتا ہے لہذا عیسیٰ بنی اسرائیل کہلائے پس مضمون نگار صاحب کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ تمام جہان سے نرالا اور انوکھا قاعدہ بنی فاطمہ کے لیے نہیں بنایا گیا۔ اس کے بعد مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں (غیروں کے بچے کو بھی بیٹا کہکر پکار لیتے ہیں ایسے بیٹے درجہ دوم کے ہوتے ہیں) فرض کیا کہ درجہ دوم ہی کے ہوتے ہیں لیکن اس سے مضمون نگار کے بیانات کو قوت نہیں پہنچ سکتی کیونکہ ان کے نسب میں ایسا کوئی درجہ دوم بلکہ درجہ چہارم

ونہیں بلکہ درجہ بدرجہ کا بھی فرزند رسول موجود نہیں ہے جنین کو تمام دنیا نے رسول کا نواسہ ہونے کے باعث بیٹا کہا ہے خود حضور نے ان کو بیٹا کہا اور بوقت مباہلہ اپنے عمل شریف سے ان کے فرزند ہونے کی ناقابل تردید تصدیق فرما دی تمام امت نے ان کو اور ان کی اولاد کو اولاد رسول کہا کسی دوسرے سلسلہ نسب میں ابن البنت لہ حکم الابن کے درجہ و منزلت کا اگر کوئی فرزند رسول موجود ہو تو پیش کیا جائے۔ (فقد ثبت بطریق متعددہ ان النبی صلعم قال ھما ابنای۔ سر الشہادتین) یعنے بہت روایتوں سے ثابت ہے کہ نبی نے فرمایا ہے کہ حسنین میرے بیٹے ہیں۔ کیا اس شرف عظیم میں بنی فاطمہ کا شریک کوئی دوسرا ہے۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ آگے چل کر لائق مضمون نگار صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔ (آل رسول و ذریت رسول وغیرہ خود ساختہ اصطلاحات ہیں جو اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے لیے وضع کی گئی ہیں) بقول مضمون نگار خود ساختہ ہی سہی لیکن جب اس خود ساختہ کو تمام عالم کی طرف سے قبولیت عام و دوام کا درجہ حاصل ہو گیا تو اب یہ مستقل لغت و اصطلاح ہیں اور ان کا استعمال اپنے محل پر سراسر جائز و درست ہے اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی مثال اس مقام پر درست نہیں ہے کیونکہ سادات کو تمام عالم ذریت رسول و آل رسول و سادات کے الفاظ سے یاد کرتا ہے البتہ علاوہ سادات کے جن اشخاص نے خلاف آئیں و رواج یہ الفاظ اپنے لیے استعمال کرنے کی جرات کی ہے وہ ضرور اپنے منہ میاں مٹھو بنے ہیں کیونکہ تمام دنیا میں ان کو کوئی بھی ان الفاظ سے یاد نہیں کرتا مگر وہ خود اپنے لیے یہ الفاظ استعمال کرنے کی جرات کرتے ہیں اور یہی اپنے منہ میاں مٹھو بننا ہے۔ بقول مضمون نگار سادات کے یہ خود ساختہ الفاظ تمام عالم

میں مقبول ہوگئے اور خواص وعوام سادات کو ان الفاظ سے یاد کرنے لگے جائے غور ہے کہ وہ کونسی قوت سادات میں تھی کہ انہوں نے تمام عالم سے اپنے کو سید وسادات سے مخاطب کرالیا۔ کیا کسی دوسرے خاندان میں ایسی قوت موجود نہیں ہے کہ اپنے خود ساختہ الفاظ کو اہل عالم سے تسلیم کرالے۔ اس کے بعد لائق مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ (لوگوں کو مغالطہ دیا جاتا تھا کہ ہم رسول اللہ کی ذریت ہیں اور عباسی خاندان سے فضیلت نسب میں برتر ہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ ذریت ابراہیم ہیں سادات بھی ذریت رسول ہیں۔ تمام عالم اسے تسلیم کرتا ہے اور اسی باعث نہ صرف عباسی خاندان بلکہ تمام بنی ہاشم میں ان کو فضیلت حاصل ہے۔ واتفاق است علمارا کہ انچہ فضیلت در نسب حسنین راست کسی دیگر را نیست (سعادت الکونین) اگر تمام عالم کے علما کی اس متفقہ رائے سے لائق مضمون نگار متفق نہ ہوں تو کم از کم اپنے جد امجد یعنی ہارون الرشید کی رائے سے تو اتفاق فرمائیں۔ جو کہتا ہے کہ حسنین اہل سادات اور فضیلت میں سب سے مقدم ہیں (تاریخ الخلفا سیوطی) اس کے بعد لائق مضمون نگار تحریر فرماتے ہیں (وہ کونسی خدمات جلیلہ خاندان سادات نے کی ہیں جن کے لیے ملت اسلامی ان کی ہمیشہ ممنون رہے گی) اس سوال کے جواب میں ہم خود سائل ہیں کہ وہ کونسی خدمات جلیلہ ملت اسلامی کی ہیں جو خاندان سادات نے انجام نہیں دیں۔ کیا سادات کے مورث اعلیٰ جناب خاتم النبیینؐ نے اپنی خدمات جلیلہ سے اپنی امت کو ممنون نہیں فرمایا کیا قیامت تک کے لیے اہل عالم پر اس خاندان کا یہ احسان باقی نہ رہے گا۔ کیا خاندان سادات کے دوسرے مورث یعنی جناب اسد اللہ الغالبؑ کی وہ بے شمار حربی اور

علمی خدمات لائق مضمون نگار نے یہ جملہ لکھتے وقت فراموش کر دیں جن پر عالم انسانیت کو ناز ہے۔ یاد کریں یوم خندق کو کہ اس روز کی ایک ضرب حیدری کو تمام امت کے اعمال سے جو قیامت تک ہوں گے مخبر صادق نے اعلیٰ و افضل بیان فرمایا ہے (صفحہ ۱۰۱ کتاب ہذا) اور اسی طرح یاد کریں ان تمام محاربات کو جن میں اسلام و کفر کا صدر اول میں مقابلہ ہوا۔ ان سب کی تفصیل یہاں ممکن نہیں اور اگر علمی خدمات باب مدینۃ العلم کی دریافت طلب ہوں تو لائق مضمون نگار اپنے جد امجد حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کریں جو صحابی امت و ترجمان قرآن مشہور ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم علی کو علم کے نو حصے حاصل ہیں اور دسویں حصے میں تمام لوگ ان کے شریک ہیں۔ (ازالۃ الخفاء) یہی حضرت ابن عباس دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو خدا سے علم ملا اور جناب امیرؑ کو رسول اللہ صلعم سے علم ملا اور مجھے جناب امیر سے علم ملا۔ میرا اور تمام صحابہ رسول کا علم بمقابلہ جناب امیرؑ کے علم کے ایک قطرہ ہے دریا کے سامنے (ینابیع المودہ) اگر ان کتابوں کی تحریرات پر لائق مضمون نگار مطمئن نہ ہوں تو چاہیے کہ ہر مسجد و مدرسہ و زاویہ و خانقاہ بلکہ تمام عالم کی در و دیوار سے سادات کی ان خدمات جلیلہ کی گواہی حاصل کریں۔ یہاں اس کی تفصیل ممکن نہیں ہے اس کے بعد لائق مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں (کبھی خاندان بنی امیہ کے خلاف سادات نے سازشیں اور جنگی کارروائیاں کیں اور منہ کی کھائی) وہ کونسی سازشیں ہیں جن کا ذکر ہے اگر اس کی تفصیل بیان میں آتی تو شاید بشرط ضرورت جواب بھی دیا جا سکتا نہ ان جنگی کارروائیوں کا کوئی ذکر ہے جن کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔ البتہ مشہور ترین واقعہ بنی امیہ اور سادات کے محاربات میں

خلافت راشدہ کے بعد حادثۂ عظیمۂ کربلا ہے اگر لائق مضمون نگار کا یہ خیال ہے کہ سادات نے اس معرکہ میں منہ کی کھائی تو ابوبکر ابن عربی مالکی کے مقلدین کر ہوا خواہان یزید میں شوق سے اپنا نام لکھائیں۔ فخر المحدثین سند المتاخرین مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی آنحضرتؐ کے کمالات نبوت لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ (لکن بقی لہ کمال لم یحصل بنفسہ وھو الشھادۃ) یعنی آنحضرت صلعم میں ایک کمال باقی رہ گیا تھا کہ حضرت کی ذات میں حاصل نہ تھا اور وہ شہادت ہے۔ اس کے بعد محدث ممدوح الشان تحریر فرماتے ہیں (فاقتضت حکمۃ اللہ ان یلحق ھذا الکمال العظیم بسائر کمالاتہ بعد وفاتہ وانقضاء ایام خلافتہ التی تنافی المغلوبیۃ والمظلومیۃ برجال من اھلبیتہ بل باقرب اقاربہ واعز اولادہ ومن یکون فی حکم ابناءہ حتی یلحق حالھم بحالہ ویندرج کمالھم فی کمالہ فتوجھت عنایت اللہ تعالٰی بعد انقضاء ایام الخلافۃ الی ھذا الالحاق فاستنابت الحسنین علیھما السلام منابہ بعد ھما وجعلتھما مرآتین لملاحظتہ وخدین بجمالہ۔ (ازالۃ الخفا) خلاصۂ مطلب یہ کہ حکمت الٰہی کا مقتضا یہ ہوا کہ اس کمال شہادت کا ظہور آپ کی اعز اولاد یعنی حسنینؑ سے ہو کر کمال آنحضرت صلعم میں لحق و مندرج ہو جاوے۔ اگر کمالات نبوت میں سے اس کمال عظیم و جلیل کو کوئی صاحب منہ کی کھانے کے لیے تعبیر کرنے کے لیے دلیر ہو تو خوشی سے کریں اور دیکھیں کہ ہوا خواہان یزید میں شامل ہو کر عالم اسلام میں ان کا کیسا شاندار استقبال ہوتا ہے۔ عمدۃ الواعظین احسن الکلمین جناب مولٰنا مولوی مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن رسالہ القاسم

دیوبند میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس بلند مینارے پر کون قدم جما سکتا ہے جس پر حسین علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے ایسی ہمہ گیری و ہمہ دلغریزی کس کے حصہ میں آسکتی ہے کہ جس کا انتقام دنیا صدیوں سے لے رہی ہے اور اب تک انتقام پورا نہیں ہوا ہے۔ قرنوں سے نفرت کی موسلا دھار بارش یزید اور اس کے ساتھیوں پر ہو رہی ہے لیکن تشنگی نہیں بجھتی جس طرح پہلی صدی ہجری میں اس کے اعمال سے لوگوں نے بیزاری ظاہر کی تھی آج تک وہ بیزاری اسی آن بان سے قائم ہے۔ کتنا نچتہ رنگ اے خون حسین علیہ السلام تو نے پیدا کیا فرضی اللہ عنک وعن اصحابک۔ امت مرحومہ ہوں تو آپ کے گھرانے کے فیوض و برکات میں از سر تا بقدم غرق ہے اور رہے گی لیکن ان احسانوں میں کتنا بڑا احسان ہے جو آپ نے ہم بیکسوں کے ساتھ کیا اگرچہ آپ نبی نہیں ہیں لیکن نبی زادے ہیں اور اسی لیے آپ سے وہ کام بن آیا جو اولوالعزم من الرسل کے شایان شان ہے۔

علماء امت اور خاصان خدا ہمیشہ سے شہادت حسینؓ کو ایک فوز عظیم اور خصائص نبوی میں سے ایک خصوصیت عزیز و جلیل بیان کرتے آئے ہیں لیکن بعض ناصبی خیال کے لوگ اس کے درپے رہے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو اس کی عظمت و اہمیت میں کمی کی جائے اور ثابت کیا جائے کہ ملک گیری کی ہوس میں شہید کربلا کا خون بہا۔ اگر اسی کمال نبوت کا ظہور بجائے بیٹے کے باپ سے ہوتا تو ان ناصبیوں کے نزدیک بہ تمام نقصانات اس ملک گیری کے جذبۂ نامحمود کے بجائے بیٹے کے خود باپ صلعم میں نظر

آتے حالانکہ جناب امام ہمامؒ ان کے آباء کرام اور ان کی اولاد عظام کے مدارج اس سے کہیں بلند ہیں خدا کی قدرت نظر آتی ہے کہ عالم اسلام میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو شہید کربلا کے فوز عظیم کو منہ کی کھانے سے تعبیر کرنے پر دلیر ہیں۔ اس کے بعد لائق مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ (کبھی عباسی خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف سادات نے ایسی ہی کارروائیاں کیں اور بن نہ آئی اور جب ان ظالم مفسدہ پردازوں کی گوشمالی کی گئی تو لگے پکارنے ہم مظلوم ہیں۔ اس بیان میں بھی لائق مضمون نگار نے کسی خاص واقعہ یا واقعات کا ذکر نہیں کیا کہ اس کے جواب کا کوئی حق ادا ہو سکتا البتہ آل نبی و آل عباس کے محاربات میں سب سے زیادہ نمایاں واقعات منصور اور دو سید برادران یعنی نفس زکیہ و ابراہیم کے ہیں۔ ان پر جلد اول میں اجمالاً بحث لکھی جا چکی ہے۔ جو یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ ان دو فریقوں میں کون ظالم تھا اور کون مظلوم مورخین کی شہادت کے علاوہ خاصان خدا اور مقربان حضرت جل و علا کی شہادت بھی اس نزاع میں سادات کی تائید میں موجود ہے اور ہمیں یقین ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ نے منصور اور اس کی جماعت کے قتل کا فتویٰ اسے مظلوم سمجھ کر ہرگز نہیں دیا تھا۔ بلکہ سادات کو مظلوم دیکھکر انہوں نے مہدی نفس زکیہ کے بھائی کو تحریر فرمایا تھا کہ فافعل کما فعل ابوك فی اهل صفین..... ولا تفعل کما فعل ابوك فی اهل الجمل یعنے یہ کہ آپ اپنے مخالف (یعنی منصور اور اس کے ہوا خواہوں) کے ساتھ وہ عمل کریں جو آپ کے باپ نے اہل صفین کے ساتھ کیا تھا اور وہ عمل نہ کریں جو آپ کے باپ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اہل جمل کے ساتھ کیا تھا۔ مطلب یہ کہ مخالف کو

قتل کرنے میں کوتاہی نہ کیجئے بالآخر اسی مظلوم سادات کی حمایت و رفاقت میں امام اعظمؒ نے اپنی جان کی قربانی دی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۷ اکتاب ہذا) اسی مظلوم جماعت سادات کی حمایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ظالموں کے حکم اور ہاتوں سے کوڑے کھائے۔ کیا ان امامین جلیلین کی آزاد شہادت دنیائے اسلام میں عالم و مظلوم کے تعین کے لیے کافی نہیں ہے۔ کیا سادات کی گوشمالی کے ساتھ ان خاصان خدا کی گوشمالی بھی عقیدتمندوں کے لیے محض بے معنی ہے۔ لائق مضمون نگار خلفاء عباسی کے ساتھ رضی اللہ عنہم اجمعین تحریر فرماتے ہیں۔ یہ الفاظ تعظیمی جس مقدس گروہ کے لیے عالم اسلام میں بولے اور لکھے جاتے ہیں انہیں ان خلفاء کا شمار نہیں ہے اور اس محل پر ان کا استعمال کرنا خود ان الفاظ کی عظمت و تقدیس کو کم کرنا ہے اکابر علماء مصنفین ان سلاطین کو بغیر اس قسم کے تعظیمی الفاظ کے بصیغہ واحد غائب یاد کرتے ہیں اسی کتاب میں مشاہیر علماء و مصنفین کی عبارات جا بجا نقل ہوئی ہیں جن سے ہمارے اس بیان کی تصدیق بخوبی ہو سکتی ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو علامہ شبلی نعمانی کی مشہور نظم (جو کتاب ہذا کے صفحہ ۱ پر درج ہے۔ اس میں حضرت عباس کو بصیغہ جمع غائب تعظیماً یاد کیا گیا ہے۔ اور ان کے نام نامی کے ساتھ لفظ حضرت بھی تعظیماً استعمال ہوا ہے۔ بخلاف اس کے آنجناب کے پوتے یعنی منصور کو اسی نظم میں بغیر کسی ایسے تعظیمی لفظ کے بصیغہ واحد غائب یاد کیا گیا ہے۔ بے شک خاندان عباسؓ میں خود حضرت عباس اور ان کے جلیل القدر فرزند ابن عباسؓ کے اسمار گرامی کے ساتھ یہ الفاظ عظمت و تقدیس برمحل استعمال ہوتے ہیں البتہ یہ فخر خاندان سادات ہی کو حاصل ہوا کہ ان کے اجداد کے اسمار گرامی کے ساتھ سلسلہ بہ سلسلہ باوجود منصب نبوت پر فائز نہ ہونے کے علما و خواص و عوام امت نے

علیہم السلام کے تعظیمی الفاظ ہمیشہ استعمال کئے ہیں ۔ سوائے خاندان سادات کے غیر انبیاء کے لیے یہ الفاظ کہیں استعمال نہیں کئے گئے کیا ہمارے لائق مضمون نگار نے اس مستثنیٰ کی حقیقت پر کبھی غور فرمایا ہے۔ جب تک اس خلافت غیر راشدہ کی گرما گرمی رہی اس قسم کے تعظیمی الفاظ بعض اوقات جبراً و قہراً بھی استعمال کرائے جاتے تھے۔ امیر المومنین ایک عام لقب ان سلاطین کا تھا حتیٰ کہ یزید اور تمام خلفاء مابعد بلا امتیاز نیک و بد اس لقب سے اب چودھویں صدی ہجری تک ملقب ہوتے رہے علامہ سیوطی تاریخ الخلفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ اموی کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہہ کر یاد کیا تو آپ نے اس کی پاداش میں اسے بیس کوڑے لگوائے۔ اگر اب بھی خدا کی قدرت سے ایسا ہی کوئی پاکباز اور عادل خلیفہ برسر اقتدار ہو جائے تو معلوم نہیں کہ ان مقدس الفاظ تعظیمی کے بے محل اور ناجائز استعمال کے لیے کیا سزا تجویز کی جائے گی۔ سلاطین کے ایسے سلسلہ میں جن میں دنیا طلبی اور دنیا داری کے بدترین نمونے موجود ہوں جن میں لطلب جیفہ دنیا اپنے حقیقی چچا حقیقی بھائی اور باپ تک کا خون مباح کر لیا گیا ہو طرح طرح کے دسائس اور اعمال فسق و فجور و ظلم و جور ان کے ناموں کے ساتھ وابستہ ہوں ان مقدس تعظیمی الفاظ کا بلالحاظ نیک و بد (اجمعین) کی صراحت سے استعمال کیا جانا کیا پسندیدہ نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اور جو خدا کے نیک بندے ان میں ہوئے ہیں وہ بہر حال ظالموں کی فہرست میں نہیں آتے ہیں خدا ان کو غریق رحمت کرے۔ اس کے بعد لائق مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ (خدا غارت کرے اس نسلی تعصب کو کہ خود کو سید و سادات کہتے ہیں اور اگر کوئی اپنا ہی ہمجدی اور خالص ہاشمی اپنے کو سید لکھدے تو

اسے تسلیم نہیں کرتے اور نہ دیگر ہاشمی خاندانوں کو اہل بیت رسول میں شمار کرتے ہیں) یہ صحیح نہیں ہے کہ صرف سادات بباعث نسلی تعصب کے غیر فاطمی کو سید نہیں تسلیم کرتے۔ اگر یہ غلطی ہے تو تمام عالم اس غلطی میں مبتلا ہے اور اس کی شکایت تمام عالم سے ہونی چاہیے کہ سوائے بنی فاطمہ کے کسی غیر کے لیے لفظ سید و سادات کو کوئی بھی استعمال نہیں کرتا ہے۔ اب رہا ہجدی ہونے کا سوال۔ اگر یہی سوال تمام قبائل قریش اور اولاد اسمٰعیل کی طرف سے ہو تو چاہیے کہ سب کو سید و سادات سے موسوم کیا جائے کیونکہ یہ سب بلاشبہہ ہجدی ہیں کیا لائق مضمون نگار تمام اولاد اسمٰعیلؑ بلکہ تمام اولاد آدمؑ کو لحاظ ہجدی ہونے کے سید و سادات سے موسوم و مخاطب کرتے ہیں۔ اسی طرح لائق مضمون نگار کا اعتراض اہل بیت رسول صلعم کی حد تک بھی درست نہیں ہے۔ رسول اللہ صلعم کی قرابت قریب کے باعث دیگر ہاشمی خاندانوں پر بھی بعض اوقات اہل بیت کا اطلاق کہیں کہیں بعض مصنفین نے کیا ہے اور اس حد تک لحاظ قرابت قریبہ و بغرض اظہار تعلق قریبی اس کا استعمال باعتبار اس لفظ کے معنی کے اگر کیا جائے تو غالباً کسی کے نزدیک چنداں لائق اعتراض بھی نہیں ہے البتہ مخصوص آیہ تطہیر کے تحت اہلبیت رسول صلعم میں دیگر بنی ہاشم کا شمول علمار امت کا متفقہ نہیں ہے اور اہل بیت کی حد تک جو کچھ بھی بحث ہے وہ آیہ تطہیر کی حد تک ہی ہے مسلمانوں کے دو بڑے گروہ یعنی شیعہ و سنی اس پر متفق ہیں کہ یہ چار تن نامدار (علی و فاطمہ و ابنا ہما) یقیناً آیہ تطہیر کے تحت اہلبیت نبی ہیں۔ اہل سنت کے علما کی اکثریت اسی خیال و عقیدہ کی ہے کہ سوائے ان چار تنؑ کے آیہ تطہیر میں اور کوئی داخل نہیں ہے البتہ بعض علمار اہل تسنن نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی (نیز داخل سمجھا)

میں بیان کیا ہے اس کی تفصیلی بحث جلد اول میں ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۸۸ جلد ہذا و
مابعد) پس لائق مضمون نگار کی یہ شکایت سادات سے فضول ہے یہ شکایت تمام
علماء امت سے ہونی چاہیے کہ سب نے بالاتفاق تمام بنی ہاشم کو آیۂ تطہیر میں کیوں
نہ شامل فرمایا فخر المحدثین جناب مولانا شاہ عبدالحق صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں (و اختلاف
است دراں کہ مراد باہلبیت دریں آیہ کریمہ کیست۔ اکثر برآنند کہ مراد آن فاطمہ و حسن
و حسین و علی است سلام اللہ علیہم اجمعین چنانچہ اکثر روایات دال برانست و انصاف آنست کہ ازواج
مطہرہ نیز داخل اند..... الخ مدارج النبوۃ) باقی بحث اپنی جگہ پر ملاحظہ ہو۔ اس کے بعد
مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں (خدا غارت کرے اس مسئلہ تفضیل کو کہ
یہی دریچہ رفض اور تمام فسادات کی جڑ ہے) معلوم نہیں کہ یہ کونسا عقیدۂ تفضیل
ہے جس کا ذکر ہے اگر یہ وہی بحث تفضیلہ اور مفضولیہ کی ہے جو متعارف ہے تو اس پر
اظہار رائے کرنے سے اس مقام پر ہم معذور ہیں البتہ اگر نسبی تفضیل کی طرف لائق
مضمون نگار کا اشارہ ہے جیسا کہ ظاہر کلام سے مترشح ہوتا ہے تو اس کے متعلق
ہمارا مختصر بیان وہی ہے جو تمام علما کا متفقہ ہے اور جسے بار بار اس کتاب میں نقل
کر دیا گیا ہے یعنی یہ کہ جو فضیلت نسب میں حسنین کو حاصل ہوئی ہے وہ تمام امت میں
کسی کو حاصل نہیں ہوئی یہی ہیں جن کو بقول جناب سند المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز
صاحب دہلوی و دیگر علما و اکابر امت سیادت مطلقہ ملی ہے (و اما کونهما
سراتین للاحظة صلعم فمن وجهین الاوّل من جهت السیادة المطلقة
..... سر للشهادتین) یعنی حسنین کا آئینہ ہونا واسطے پر تو جمال محمدی کے دو
دلیلوں سے ثابت ہے۔ اول بجہت سیادت مطلقہ..... الخ اس کے علاوہ تمام

عالم کے علما کا اتفاق اس پر ہے کہ حسنین کو جو فضیلت نسب میں حاصل ہوی ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوی پس لائق نامہ نگار غور فرمائیں کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وغیرہ جو حسنین کی سیادت مطلقہ کے معترف ہیں اور تمام جہان کے علما جو حسنینؓ کی فضیلت نسب کی شہادت بالاتفاق دیتے آئے ہیں وہ کیونکر رفض میں داخل ہو چکے ہیں! انہیں اس کے بعد لائق مضمون نگار صاحب فرماتے ہیں (حیرت یہ ہے کہ مادری رشتہ کو بی بی فاطمہ کی حد تک اس قدر اہمیت دی جاتی ہے اور بنی فاطمہ میں دیگر اقوام اور ادنی طبقہ کی جو عورتیں اور کنیزیں اولاد کی مائیں بنیں ان کا رشتہ فخر نسب کے وقت فراموش کر دیا جاتا ہے) یہ ایک طعن ہے جو سادات کی علو مرتبت اور نسبی فضیلت سے حسد رکھنے والوں کی زبان پر کبھی کبھی آجاتا ہے۔ سخت حیرت اس پر ہے کہ کنیزوں کی اولاد کا طعنہ دینے والے کبھی اپنے شجرہ نسب پر طعنہ دیتے وقت غور نہیں فرماتے خود مضمون نگار صاحب جو اپنے کو شاہان عباسیہ کی نسل میں شمار فرماتے ہیں اپنے شجرہ نسب پر اگر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کتنے محمی و بربری اور دیگر نسلوں کی کنیزوں کی اولاد ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بحث ہی بے کار ہے۔ تمام عالم اسلام اس پر متفق ہے کہ آنحضرت صلعم کا نسب شریف دنیا کا بہترین سلسلہ نسب ہے ارشاد ہوتا ہے کہ من بہترین قلم از روے ذات و بہترین ایشان از روے نسب (مدارج النبوۃ جلد ۱) غور ہے کہ نسب کے اس شجرۂ طیبۂ عالیہ میں کتنی امہات غیر خاندانوں کی موجود ہیں جن کی صراحت مورخین خود جناب ہاجرہ والدۂ اسمٰعیلؑ ام ولد تھیں۔ کیا ان غیر خاندان کی امہات کی آمیزش سے حضور صلعم کا سلسلہ نسب متاثر ہوا ہے۔ اس کا جواب نفی میں ہے

اگر مضمون نگار کا یہ خیال ہے کہ ان غیر خاندان کی آمیزشوں سے سلسلۂ نسب متاثر ہو سکتا یا ہوتا ہے تو چاہیے کہ سب سے اول اپنے نسب کے متاثر ہونے پر تاسف کریں جائے غور ہے کہ آنحضرت صلعم کا نسب شریف باوجود غیر قبائل کی امہات کی امیزش کے متاثر نہ ہو سکا اور جو سلسلۂ نسب ہزار ہا سال تک باوجود ان آمیزشوں کے سلفاً متاثر نہ ہوا وہ بدرجۂ اولیٰ خلفاً ایسی آمیزشوں سے متاثر نہ ہوگا اور نہیں ہوا دنیا میں وہ کونسا خاندان ہے جو اس کا مدعی ہو سکتا ہے کہ از آدم تا این دم کسی غیر خاندان کی آمیزش اس طرح کی نہیں ہوی۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ صفحہ ہستی پر کوئی خاندان موجود نہیں ہے جس میں زنان غیر خاندان کی آمیزش نہ ہوی ہو۔ حضور سرور کائنات صلعم کے نسبت شریف کے متعلق دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کا بہترین اور صحیح ترین سلسلہ نسب یہی ہے۔ کیا نطفہ زکیہ مصطفویہ کی اصالت و طہارت و کرامت و شرافت میں کسی معتقد کو مجال انکار ہو سکتی ہے۔ اب رہا یہ اعتراض کہ ان غیر اقوام کی امہات کا نام فخر نسب کے وقت کیوں فراموش کر دیا جاتا ہے اور جناب فاطمہ کی حد تک کیوں اس قدر اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو نسبت جس قدر زیادہ قوی و شریف و عزیز و جلیل ہوتی ہے اسی قدر نمایاں اور جلی اور قابل ذکر بھی ہوتی ہے۔ اور قوی تر و شریف تر نسبت کے مقابل کم تر درجہ کی نسبت نمایاں اور قابل ذکر نہیں ہوتی ہے گنگا کا پانی اپنی طہارت و لطافت اور گوناگون خصوصیات کے باعث خاص طور پر مشہور ہے۔ اس کے مخرج پر قلیل مقدار اس لطیف پانی کی پہاڑ سے نکلتی ہے اور جتنا جتنا پانی آگے کو بہتا جاتا ہے بین بیسار سے بکثرت غیر ندی نالوں کے پانی کی آمیزش اس میں ہوتی جاتی ہے۔

یہاں تک کہ اپنے مدخل تک پہنچتے پہنچتے ہزار ہا ندی نالوں کے پانی کی امیزش اس میں ہو جاتی ہے۔ اس کے مدخل پر غالباً کئی کرور قطروں میں شاید دو چار ہی قطرے اُس اصیل ولطیف پانی کے ہوں گے جو اس کے مخرج پر موجود تھے مگر باوجود ان ایسا کثیر آمیزشوں کے مدخل پر بھی اسے گنگا ہی کا پانی بباعث اس کی قوی نسبت کے کہا جاتا ہے۔ وہاں بھی اس پانی کو کوئی شخص ہمنا یا گومتی وغیرہ کا پانی نہیں کہتا ہے کیونکہ ان آمیزشوں کی نسبت اتنی قوی وجلی نہیں ہے جتنی کہ گنگا کے اصل لطیف پانی کے چند قطرے کی۔ یہ چند قطرے جو گنگا کے اصل لطیف پانی کے شامل ہیں ان تمام آمیزشوں کی لطافت وپاکیزگی کے ضامن ہوتے ہیں اور یہ سب پانی گنگا ہی کا پانی کہلایا جاتا ہے۔ اسی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جناب فاطمہ زہرا کی قوی وجلی نسبت ان تمام درمیانی آمیزشوں کی غیر قوی اور غیر جلی نسبتوں پر غالب اور خصوصیت سے لائق ذکر ہو جاتی ہے اور کیوں نہ لائق ذکر ہو کہ دنیا کے اولاد والوں میں کسی کو ایسا باپ نہ مل سکا جیسا جناب سیدہ کو ملا اگر یہ نسبت اعلیٰ واشرف بھی خصوصیت سے قابل ذکر نہو تو اور کونسی نسبت اس کے مقابل قابل ذکر ہو سکتی ہے۔ اگر اس نسبت سے زیادہ اور کوئی اعلیٰ تر نسبت کسی کے شجرہ نسب میں موجود ہو تو اس کے مقابلہ پر پیش کرے اسی نسبت کے اعلیٰ واشرف ہونے کے باعث علماء امت باتفاق مانتے آئے ہیں کہ حسنین کو جو فضیلت نسب میں حاصل ہوی وہ امت میں کسی دوسرے کو نہ مل سکی اور نہ قیامت تک مل سکتی ہے۔ اسی پر دوسروں کو بھی قیاس کر لینا چاہیے۔ عباسی نسل کے افراد اپنے کو آل عباس کیوں کہتے ہیں۔ آل سفاح وآل سلامہ بربریہ کنیز (مادر منصور) کیوں نہیں کہتے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس سلسلہ نسب میں حضرت عباس

کی نسبت عزیز وجلیل تمام ذیلی اور کم درجہ کی نسبتوں پر غالب اور خصوصیت سے قابل ذکر ہے اور جو عزت اس سلسلہ نسب میں حضرت عباس کو حاصل ہوی ہے وہ کسی دوسرے فرد کو اس تمام سلسلہ میں حاصل نہیں ہے اور اسی لیے خصوصیت سے قابل ذکر بھی ہے (امہات اولاد سے سلسلہ نسب پر تفصیلی بحث جلد دوم میں ملاحظہ ہو)۔

عمدۃ العلما استاذ السلطان نواب فضیلت جنگ مولوی انوار اللہ خان صاحب مرحوم ومغفور جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز کے تلمیذ رشید اور خلیفہ تھے ایک واقعہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب قبلہؒ نے ایک وقت دلچسپ مباحثہ ایک سید صاحب اور عباسی صاحب کا نسبی حد تک نہایت دلچسپی سے دیر تک سماعت فرمایا اور بالآخر جب دونوں فریق دادخواہ ہوئے تو حاجی صاحب قبلہؒ نے عباسی صاحب سے مخاطب ہو کر اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ میاں تم کو معلوم ہے کہ تم اگر ابن عم رسول اللہ ہو تو تمہارے مخاطب ابن رسول اللہ ہیں۔ تم اگر ساقی حرم کے بیٹے ہو تو تمہارے مخاطب ساقی کوثر کے بیٹے ہیں۔ خدا نے تمہارے باپ کو دنیوی بادشاہت دی اور ان کے باپ کو دینی بادشاہت دی۔ تمہارے باپ اگر اہل عالم کے بادشاہ وسردار رہے تو ان کے باپ اہل جنت کے سردار ہیں۔ تمہارے باپ کی دنیوی سرداری ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی اور ان کے باپ کی سرداری ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔ تمہارے باپ کی سرداری دنیا کے لیے اور عارضی رہی ان کے باپ کے حصہ میں دوامی سیادت مطلقہ آئی۔ ان کے ایک باپ کا احسان تمام اہل عالم کی گردن پر قیامت تک کے لیے ہے تمہارے کسی باپ کا ایسا کوئی احسان اہل عالم پر نہیں ہے..... الخ بس یہی فرق مراتب تمہارے

اوران کے مورثوں میں ہے اس سے خود ہی نسبی فضیلت کا اندازہ کرلو۔

بنو ہاشم میں آغاز سلطنت عباسیہ تک کوئی اختلاف باہمی ظاہر نہیں ہوا۔ البتہ سلطنت عباسیہ کے استحکام کے وقت سے بعض اوقات مختلف وجوہ کی بنا پر سادات اور آل عباسؓ میں مخالفت باہمی کا مظاہرہ ہوتا رہا دیگر بنی ہاشم یعنی جعفری وعقیلی وعلوی خاندانوں سے سادات کے برادرانہ تعلقات نہایت خوش گوار رہے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ابھی تک تمام عالم میں سادات عقیلی وجعفری و علوی شیروشکر کی طرح چلے آرہے ہیں وجوہ کچھ بھی ہوں لیکن یہ امر خالی از افسوس نہیں کہ سادات اور آل عباسؓ میں خاندانی رقابت اور دیرینہ خصومت کے آثار ابھی تک باقی چلے آتے ہیں۔ علوی وجعفری وعقیلی ابتدائے وقت سے سادات کے رفیق اور سچے دوست اور مخلص رہے ہیں۔ امتحان گاہ کربلا میں جب حق وباطل کی آزمایش ہوی اور کمالات نبوت میں سے ایک بڑے کمال یعنے شہادت کی تکمیل کا وقت آیا اس وقت بھی ان تینوں خاندانوں کے افراد ابتلائے عظیم میں سب سے آگے آگے حق کی نصرت وحمایت کرتے نظر آئے اور خدا کی راہ میں شہید ہوکر زندۂ جاوید ہوے۔ اور ابن رسول اللہ کی حمایت ونصرت میں قیامت تک کے لیے اپنے نام روشن کرگئے اس وقت تک آل عباسؓ سے خاندان سادات کے تعلقات خوشگوار تھے مگر افسوس ہے کہ اس خاندان کے کسی فرد کا نام مجاہدین کربلا کے زندۂ جاوید ناموں میں نہیں ہے۔ خاندان عباسؓ اور خصوصاً حضرت ابن عباسؓ سے سادات کو یہ برادرانہ شکایت چلی آتی ہے کہ اس صعب ترین آزمایش میں وہ حق رفاقت جس کی امید تھی ادا نہ ہوسکا۔ ممکن ہے کہ اپنی مصلحت اندیشی

اور صواب دید یا کسی خاص مجبوری سے ایسا ہوا ہو مگر اس میں شک نہیں کہ بنو ہاشم کے دیگر افراد نے حق رفاقت و برادری ادا کر دیا۔ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

بنو ہاشم متوطنہ امروہہ کے مختصر حالات | بنو ہاشم کی ایک شاخ یعنی خاندان نقوی متوطنہ امروہہ کے تذکرہ میں یہ کتاب خاص طور پر لکھی گئی ہے۔ ان کے علاوہ بعض دیگر خاندان سادات کے ہیں جن سے تعلقات قرابت اس خاندان میں قدیم سے ہوتے آئے ہیں ان کا مختصر ذکر بھی اس کتاب میں ہوا ہے مثلاً سادات دانشمندان و سادات حسنی محلہ کوٹ و سادات نوگیاں ان کے علاوہ بعض دیگر خاندان بھی سادات کے امروہہ میں آباد ہیں جن کا کوئی ذکر اس کتاب میں نہیں ہے۔ بعض دیگر قبائل بنی ہاشم بھی امروہہ میں آباد ہیں۔ ان کا ذکر مختصر طور پر لحاظ قرابت سادات یہاں لکھا جاتا ہے۔

علوی | حضرت علی کرم اللہ وجہ کی وہ اولاد جو بطن مطہرہ فاطمہ زہراؑ سے نہیں ہے۔ اصطلاحاً علوی کہی جاتی ہے امروہہ میں اس خاندان کے مورث اعلیٰ شاہ عبدالمجید ہوئے ہیں جن کا ذکر شریف مقاصد العارفین میں موجود ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ آنجناب حضرت نظام الدین نارنولی کے تلمیذ رشید اور مرید با اخلاص تھے مزار حضرت شاہ ولایتؒ پر امروہہ میں مدتوں معتکف اور مصروف مراقبہ و مجاہدہ رہے۔ اور بالآخر تاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۷۴۲ھ واصل بحق ہو کر عیدگاہ امروہہ کے متصل مدفون ہوئے (رحمۃ اللہ علیہ) زاہد و متقی و خدا رسیدہ بزرگ تھے آپ کا سلسلہ نسب حضرت محمد بن حنفیہ سے متصل ہوتا ہے اس خاندان میں صاحبان فضل و کمال ہوتے آئے ہیں اور یہ گروہ سنگڑہ علوی مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پنجاب میں سنگڑہ

کوئی مقام ہے وہاں سے بقول صاحب آئینہ عباسی ان کے مورث شاہ خداوند غازی امروہہ میں وارد ہوکر مستقل طور پر ساکن ہوئے قصبہ قندہار ضلع ناندیڑ دکن میں بھی ایک بزرگ ساگڑے سلطان مشکل آسان کا مزار شریف ہے۔ جن کا وطن ساگڑہ بیان کیا جاتا ہے سلطنت آصفیہ کی طرف سے اس درگاہ کے لیے ایک معقول جاگیر مقرر ہے اور شاہ برہان اللہ حسینی صاحب بالفعل اس کے سجادہ نشین ہیں۔

امروہہ کے اس علوی خاندان میں شاہ بہاء الدین صاحب نقشبندی متاخرین میں صاحب نسبت بزرگ ہوئے ہیں اس خاندان کے ایک فرد شاہ ضیاء الدین صاحب مصنف مرآۃ الانساب ہیں یہ خاندان لحاظ شرافت وعلم وفضل امروہہ میں ہمیشہ سے ممتاز رہا ہے تفصیلی حالات اس خاندان کے ہمیں معلوم نہیں اور نہ یہ علم ہے کہ سادات نقوی میں اس خاندان سے کوئی قرابت ہوئی ہے یا نہیں۔

جعفری دوا بجاحین حضرت جعفر طیارؓ کی اولاد جعفری کہلاتی ہے۔ آنجناب حضرت علی مرتضیٰ کے برادر اور آنحضرت صلعم کے ابن عم وہم شباہت تھے مہاجرین حبشہ میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ موتہ کی جنگ میں آپ بحکم جناب رسالتمآب مسلمانوں کے لشکر کے کمانڈار رہے۔ حکم نبوی یہ تھا کہ زید بن حارث لشکر کے سردار ہیں اگر وہ شہید ہوجائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب سردار کئے جائیں اور جب یہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ سردار لشکر بنائے جائیں اور یہ بھی شہید ہوجائیں تو وہ شخص سردار لشکر بنے جسے سب مسلمان منتخب کریں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے سرداران لشکر مقرر ہوئے اور شہید ہوتے گئے اور اسی وقت اپنے مقام پر آنحضرت صلعم کشف کے ذریعہ سے ان سب کی

شہادت اور واقعات کا حال بیان فرماتے رہے۔ یہ جنگ بھی ایک خاص جنگ تھی جس میں تین ہزار مسلمان لشکریوں کے مقابل ایک لاکھ مخالفین کا لشکر جرار مصروف پیکار تھا حضرت جعفرؓ کی سرداری کی باری جب آئی آپ نے رایت اسلام ہاتھ میں لیا اور کثیر تعداد مخالفین کی آپ کے ہاتھ سے قتل ہوئی۔ آپ کا گھوڑا زخمی ہو کر گرا اور آپ پیادہ دشمنوں سے مصروف پیکار رہے۔ آپ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو آپ نے بائیں ہاتھ سے جھنڈا سنبھالا جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو آپ علم کو سینے سے لگا کر سنبھالے رہے۔ اور اسی حالت میں شہید ہو گئے اس کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ سردار لشکر بنے اور وہ بھی شہید ہوئے اس کے بعد باتفاق لشکر اسلام حضرت خالد بن الولید سردار لشکر بنے اور اپنی مختلف تدابیر سے شام کے وقت تک رومیوں کے لشکر کو منتشر و پسپا کر دیا۔ بقول شبلی نعمانی مرحوم ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجوں کو دشمنوں کی زد سے بچا لائے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت جعفرؓ کی لاش دیکھی تھی تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے پشت نے یہ داغ نہیں اٹھائے (سیرۃ النبی) الغرض شہداء اسلام میں حضرت جعفرؓ طیار کا مرتبہ عظیم سب کو تسلیم ہے اور آپ کے مدارج عالیہ و محامد جلیلہ میں تمام کتب تذکرہ ناطق ہیں۔

آپ کی اولاد امجاد میں سے چند خاندان امروہہ میں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور خاندان حضرت شاہ محمد فیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ جو اپنے وقت میں مشاہیر صوفیہ صافیہ سے تھے ۱۱۰۷ھ میں آگرہ میں وصال ہوا اور

وہیں دفن ہوئے (رحمۃ اللہ علیہ) ان کے برادر زادے حضرت شاہ عضد الدین صاحب مصنف مقاصد العارفین کی نسل سے شاہ معز الدین عرف میاں موج کا خاندان ہے میاں موج رحمۃ اللہ علیہ شاہ عضد الدین مذکور کے فرزند ارجمند اور اپنے وقت کے مشہور سالک مجذوب تھے۔ آپ کے خاندان والاشان میں صوفیہ کرام کی ممتاز ہستیاں ہوی ہیں۔ میاں موج کے دو فرزند باقی رہے جن کے نام مسیح الدین و بدر الدین ہیں۔ ثانی الذکر اپنے علم و فضل کے باعث خاص طور پر مشہور ہیں مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن رہے ان کے دو فرزند شاہ مجد الدین و شاہ قیام الدین ہوئے متاخرین میں شاہ قیام الدین صاحب کی ذات والا صفات کا شمار امروہہ کے اولیا کاملین میں ہے۔ ابھی کثیر تعداد ان اشخاص کی زندہ موجود ہے جو آپ کے دیدار فیض آثار سے مسرور و فیضیاب ہوئے ہیں (رحمۃ اللہ علیہ) آپ کے دو فرزند سعید الدین و نظام الدین ہوئے۔ اول الذکر لاولد ہوئے ثانی الذکر کے فرزند ارجمند شاہ علاء الدین صاحب اپنے آبا کرام کی نشانی موجود ہیں (سلمہ اللہ تعالیٰ) خاندان نقوی شوملہ امروہہ سے چند قرابتیں اس خاندان میں ہوی ہیں۔ جعافرہ کی ایک دوسری شاخ امروہہ میں وہ ہے جس میں مولوی علی زینبی صاحب پروفیسر لکھنو یونیورسٹی عہد حاضر کے مشہور عالم و ادیب و شاعر ہیں یہ خاندان مولوی محمد حسین صاحب جعفری کا ہے جو محلہ چاہ شور میں آباد ہے۔ تیسرا خاندان چودھری صاحبان کا ہے۔ جس میں منشی سبط علی صاحب آنریری مجسٹریٹ وغیرہ کے خاندان ہیں۔ ان کی سکونت چاہ شور میں ہے۔ یہ دونوں خاندان سکیٹ سے منتقل ہو کر امروہہ میں آباد ہوئے ہیں ان تین جعفری خاندانوں کے علاوہ امروہہ میں اور کسی خاندان کا علم

ہیں نہیں ہے۔

شیوخ عقیلی | حضرت عقیل ابن ابی طالب جناب علیؑ کے منجھلے بھائی ہیں۔ یہ بنی ہاشم میں ماہر انساب تھے۔ امروہہ میں صرف ایک ہی خاندان عقیلی ہے مشہور ہے جس کی سکونت قریباً ایک صدی سے محلہ شفاعت پورہ میں ہے۔ ان کا شجرہ مسلم بن عقیل سے متصل ہوتا ہے۔ نبوشاہ صاحب جن کا مزار درگاہ اعزالدین میں ہے اسی خاندان کے فرد ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ حکیم رکن الدین اس خاندان کے مورث امروہہ میں آگرہ سے آن کر سکونت پذیر ہوئے۔ اس خاندان کے جملہ افراد اپنے نام کے ساتھ حاذق لکھا کرتے تھے۔ ان میں سے دو صاحبان فیاض رسول اور فیض رسول اب سے کچھ دنوں قبل نمایاں تھے۔ مگر اب کوئی شخص نمودار نہیں ہے۔ معدودے چند اشخاص اس خاندان میں باقی رہ گئے ہیں۔ اس نصف صدی میں چند قرابتیں خاندان سید شرف الدین شاہ ولایت سے بھی اس خاندان کے افراد سے ہوئی ہیں صاحب واسطیہ نے ان کا شجرہ نسب بھی شائع کیا ہے۔ ان کے علاوہ امروہہ میں اور کسی خاندان عقیلی کا ہمیں علم نہیں ہے۔

شیوخ عباسی | بنی عباس کے جد امجد جناب عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جو حضرت عبدالمطلب کے فرزند اور جناب رسول کریم کے عم نامدار ہیں۔ ابوالفضل آنجناب کی کنیت ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام نتیلہ بنت جناب ہے ولادت آپ کی عام الفیل سے تین سال قبل ہوئی۔ آنحضرت صلعم کو آپ سے خاص محبت تھی۔ جنگ بدر میں آپ لشکر اسلام کے مقابل ہوئے۔ اور گرفتار ہوئے لشکریان اسلام نے آپ کی مشکیں تنگ کسی تھیں۔ جس کے باعث آپ زور سے کراہتے تھے۔ جس سے سرور کائنات بے قرار تھے اور آپ کو نیند نہ آتی تھی۔ دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم

کی بے قراری کا سبب حضرت عباسؓ کی آہ و زاری ہے۔ پس یہ معلوم ہونے پر کسی نے بند ڈھیلے کر دئے۔ روایت ہے کہ اسی طرح دیگر قیدیوں کے بعد بھی حضرت عباس کے بلغیل میں ڈھیلے کر دئے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباس بطیب خاطر جنگ بدر میں لشکر اسلام کے مقابل نہیں آئے تھے بلکہ جبراً انھیں لایا گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص حضرت عباسؓ کے مقابل آئے انھیں قتل نہ کرے بعض روایات میں ہے کہ آپ جنگ بدر کے بعد ہی مشرف باسلام ہوئے اور بعض روایات میں ہے کہ جنگ خیبر کے قبل ایمان لائے۔ آپ نے عام الفتح میں ہجرت فرمائی آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ عباس میرے چچا اور میرے باپ کی جگہ ہیں جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ سقایت حجاج بھی آپ سے متعلق تھی۔ اور روایت ہے کہ قحط سالی کے زمانے میں حضرت خلیفہ دوم نے آپ کو وسیلہ گردان کر دعاء استسقا کی تھی اور باران رحمت کا نزول ہوا تھا۔ جنگ حنین میں آپ لشکر اسلام کے ساتھ تھے جس وقت لشکر اسلام میں انتشار و انہزام کی کیفیت پیدا ہوئی آپ کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی۔ اور آخر تک جناب رسول کریمؐ کی رفاقت میں ثابت قدم رہے سنہ ۳۲ھ میں آپ نے ۸۸ یا ۹۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے فرزند نامدار حضرت عبداللہؓ جو ابن عباسؓ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ عالم و فاضل تھے علمار امت نے آپ کو فقیہ امت و حبر امت و ترجمان قرآن لکھا ہے۔ اور کثیر تعداد احادیث کی آپ سے روایت کی گئی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا بنی عباس کو خلافت راشدہ میں سے تو کوئی حصہ نہیں ملا اور نہ عشرہ مبشرہؓ میں آنجنابؓ کا شمول ہے۔ البتہ آپ کی اولاد میں

صدہا سال تک حکومت وسلطنت نہایت شان وشوکت سے رہی۔ بڑے بڑے شاہان ذی اقتدار مثلاً ہارون الرشید و مامون الرشید وغیرہ ان میں ہوئے ہیں۔ جن کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔

بنو ہاشم میں صرف دو ہی خاندان ایسے ہیں جن کو تاریخ اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ ان میں سے بنی عباس باعتبار اپنے دنیاوی جاہ وجلال وحکومت کے جملہ بنی ہاشم پر سبقت لیے ہوئے ہیں۔ بنی فاطمہؑ باعتبار اپنی دینی حکومت اور نسبی سیادت کے دیگر بنی ہاشم سے امتیاز رکھتے ہیں۔

حال میں حضرت عباس کے نسب شریف پر بھی کچھ اعتراضات سننے میں آئے اور سنا کہ اس پر اچھی طرح بحث مباحثہ کا بازار گرم رہا۔ بالآخر متواترات سے انکار کرنے کا جو حشر ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے وہی اس بحث کا بھی ہوا۔ مرزا حیرت دہلوی نے جناب سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور آپ کے دیگر مسلمہ فضائل سے انکار کیا تو اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ ہمیشہ یہی نتیجہ متواترات پر معترض ہونے کا برآمد ہوا کرتا ہے۔ حضرت عباس کے متعلق بیان کیا گیا کہ آپ جناب عبدالمطلب کے حقیقی فرزند نہ تھے۔ بلکہ ربیب تھے۔ یہ ایک ایسا بیان ہے جو متواترات وسلمات عالم کے خلاف ہے۔ اور کسی طرح بھی قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اکابر کے انساب پر ہمیشہ سے اس قسم کی بحثیں ہوتی آئی ہیں۔ سنا ہے کہ کسی شریر بد باطن ناصبی نے حضرت امام زین العابدین علیہ وعلی آبائہ الکرام واولادہ العظام الف الف صلوٰۃ وسلام کے نسب شریف پر حملہ کیا تھا جس کی پاداش میں حاکم مدینہ نے اسے قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ اور یہ جو ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں درج کر دیا ہے کہ حضرت عباس کی والدہ محترمہ

کے داد اکلیب سفاح جاہلیت (یعنی زنا) کی پیدائش تھے ہمارے نزدیک پایہ ثبوت کو نہیں پہونچتا ہے۔ سفاح جاہلیت کی مختلف اشکال بیان کی جاتی ہیں از انجملہ جاہلیت میں ماں اور بیٹے کے باہمی ازدواجی تعلق کو بھی سفاح کہا جاتا تھا۔ بعض اوقات بیٹا اپنی ماں کو اپنی مدخولہ و منکوحہ کر لیتا تھا۔ ایسے ناجائز اور شرمناک تعلق کو بھی اصطلاح میں سفاح کہا جاتا ہے۔

و در روایت انس ؓ کہ خواند آنحضرت ؐ "لقد جاءکم رسول من انفسکم" بفتح فا و فرمود من نفیس ترین شما ام از روئے نسب و صہر حسب و نسب و نیست در پدران من از گاہ آدم سفاح و ہمہ نکاح است۔ مدارج النبوۃ)۔

ہم تمامی احترام مورخ ابن خلکان یہ بیان کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ روایت۔ (قال اھل العلم بالانساب) لکھکر ایسی درج کر دیگئی ہے۔ جس کی تائید میں کسی دوسرے مورخ یا نساب کا بیان ہماری نظر سے نہیں گذرا ہمارے نزدیک یہ روایت ہی غلط ہے۔ حضرت عباس کے نسب شریف اور دیگر فضائل و مناقب میں چون و چرا کرنے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے آپ کا نسب وہی ہے جو خود سرور کائنات فخر عالم و عالمیان جناب رسول کریم صلعم کا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر دنیا میں کونسا نسب ہو سکتا ہے جس کی اصالت و کرامت پر آج بھی دنیائے اسلام میں ہر جمعہ کو مساجد میں گواہی دی جاتی ہے۔ ابن خلکان کی وہ عبارت یہ ہے۔

والقریہ بکسر القاف وتشدید الراء وتشدید الیاء المثناۃ من تحتھا وبعدھا ھاء وھی ام حشم بن مالک بن عمرو وکان عمرو المذکور قد تزوجھا فلما مات تزوجھا

ابنه مالك فاولد ماجشم بن مالك المذكور والقرية
في اللغة الحوصله وبها سميت المراءة قال اهل العلم بالانثا
لما نزوج مالك بن عم المذكور القرية واسمها جاعه كما تقدم
في اول الترجمه اولد هاجشم جدا يوب بن القرية المذكور
وكليبا وهو جدا العباس بن عبد المطلب عم رسول صلعم بن
جهة امه نتيله بضم النون وقيل نتله بفتحها بنت جاب بن
كليب بن مالك المذكور فالعباس من اولاد القرية بهذا
الاعتبار (جزاول وفيات الاعيان صـ۸۳ مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر)۔

امروہہ میں اس وقت تین گروہ حضرت عباس کی اولاد مشہور رہیں۔ ازانجملہ ایک گروہ وہ ہے جو شیخ نظام کی اولاد مشہور رہے۔ یہ لوگ مزار سید شرف الدین شاہ ولایت کے مجاور رہیں۔ اس خاندان کے ذکر سے قدیم کتب تذکرہ مطلقاً خالی ہیں ان کا ذکر غالباً سب سے پہلے صاحب نخبہ نے "می گویند" کے تحت کیا ہے۔ اور اسی کے حوالہ سے صاحب واسطیہ نے بھی نقل کر دیا ہے اس خاندان میں اب صرف معدودے چند افراد باقی ہیں۔ ان سے نہ ہمیں ملنے کا اتفاق ہوا نہ ہم نے کوئی تجسس ان کے حالات کا باغراض کتاب ہذا ضروری سمجھا۔ نہ ان کے حالات کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم ہو سکے۔ مولوی محمود احمد صاحب نے اپنی تاریخ میں چند اوراق پر ان کے نسب سے متعلق بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ شیخ نظام الدین عباسی خلیفہ حضرت شاہ ولایت رح سے جن کا ذکر مقاصد العارفین میں ہے۔ اس خاندان کا کوئی تعلق نہیں ہے اس سے زیادہ ہمیں بالفعل اس خاندان کے حالات کا علم نہیں ہے

دوسرا خاندان امروہہ میں چڑیا عباسیوں کا مشہور ہے۔ صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں (بالفعل اس گروہ میں ننانوے آدمی ہیں باقی عباسی اس خاندان سے علیحدہ ہیں کہ از انجملہ ایک شیخ عنایت اللہ ہیں)۔ اس گروہ میں حکیم مظہر الہادی صاحب و محمد اسمٰعیل صاحب وغیرہ ہیں۔ چڑیا کے نام سے قیاس پیدا ہوتا ہے کہ شائد اس خاندان کے کوئی بزرگ چڑیا کوٹ ضلع اعظم گڑھ سے جہاں ایک مشہور خاندان عباسیوں کا آباد ہے امروہہ میں چلے آئے ہوں۔ اور مستقل سکونت اختیار کر لی ہو۔ ان کے جد امجد محمد اکبر صاحب تک کا شجرہ نسب مولوی محمود احمد صاحب نے تحقیق الانساب کے صفحہ ۲۲۹ پر درج فرمایا ہے۔ مولوی صاحب موصوف اسی کتاب کے صفحہ ۹۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

(چڑیا عباسی کی وجہ تسمیہ بھی محقق نہ ہوی۔ اگرفی الواقع یہ خاندان نسباً عباسی ہے جیسا کہ خاکسار مؤلف کو بعض قرائن سے معلوم ہوا ہے تو بہت ممکن ہے کہ ان کے کوئی بزرگ کسی زمانہ میں جس کا حال تحقیق نہ ہو سکا قصبہ چڑیا کوٹ (ضلع اعظم گڈھ) سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے امروہہ آئے ہوں۔ اور نسبت مکانی سے "چڑیا عباسی" کہلائے ہوں۔ واللہ اعلم۔

اس سے زیادہ ہمیں اس خاندان کے حالات کا بالفعل علم نہیں ہے البتہ ایک خاندان عباسی کے حالات صاحب آئینہ عباسی و صاحب تاریخ امروہہ کے بیانات سے بتفصیل معلوم ہوئے ہیں۔ ان پر بحث آگے آتی ہے۔

ان تین خاندانوں میں جو امروہہ میں عباسی مشہور ہیں مشہور ترین خاندان وہ ہے جس میں مولوی محب علی خان صاحب مرحوم مؤلف آئینۂ عباسی و مولوی محمود احمد صاحب

مؤلف تاریخ امروہہ میں صاحب نخبۃ التواریخ تحریر فرماتے ہیں۔ (اینان اشہر ترین عباسیان و در ہم
دروا جح مستند ترین جملہ شیوخ گویا اہل الحل والعقداند) ۔اس خاندان کا ذکر اب سے قریباً
۵۰ سال قبل تک کی بعض کتب تذکرہ میں ملتا ہے۔ایک صدی سے قبل کی کسی کتاب
میں کوئی ذکر اس خاندان یا اہل خاندان کا نہیں ہے۔صاحب تاریخ امروہہ و صاحب
آئینۂ عباسی نے تاریخ فرشتہ کی بعض عبارات کا ذکر کیا ہے۔مگر اس میں کوئی نام اس
خاندان کے کسی فرد کا درج نہیں ہے۔اس ایک صدی کے اندر جو کتب تذکرہ امروہہ
سے متعلق لکھی گئی ہیں۔ان کے مطالعہ سے البتہ اس خاندان کے حسب و نسب کے متعلق
رائے قائم کی جاسکتی ہے۔امروہہ کے تذکرہ نویسوں میں سب سے اول مولوی محب
علی خاں صاحب نے جو اس خاندان کے ایک عالم اور ذی عزت شخص تھے شجرۂ نسب
شائع کیا جس کا سلسلہ مولنا میٹھے و مولنا بین برادران حقیقی سے اوپر اس طرح آئینہ عباسی
مورخہ ۱۲۹۲ھ میں درج فرمایا ہے۔

مولنا رکن الدین[1] بن شمس الدین[2] بن شرف الدین[3] بن معین الدین[4] بن
تاج الدین[5] بن محمد یوسف[6] بن محمد حمزہ[7] بن محمد اسحاق[8] بن محمد باقر[9] بن علاء الدین[10]
بن قطب الدین[11] بن محمد تقی[12] بن موسیٰ[13] بن امین الرشید[14] (از نقل آئینہ عباسی)۔

صاحب آئینہ عباسی کا بیان یہاں نقل کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:۔

پھر سلطنت تغلقیہ خراب ہوی۔دہلی تباہ ہوئی۔امیر منتشر ہوے۔ہمارے
بزرگ بھی پنجاب و سندھ پھرتے رہے۔چنانچہ دادا لال محمد پیدائش پنجاب
ہیں۔ہندی نام ہے اور ان کے والد مولنا میٹھے اور ان کے چچا بین
و مولنا لال محمد زمانہ اکبر میں آگرہ میں موذن مسجد جامع اکبری تھے.....

اسی عرصہ میں اس مقام امروہہ میں کہ یہاں کے سکنا سے ملاقات ہوئی مگن
سادات وشرفا بجھ دونوں بھائی یہاں آئے اور سکونت اختیار کی (از
نقل آئینہ عباسی)۔

صاحب آئینۂ عباسی کی تائید میں تاریخ صغری و صاحب نخبۃ التواریخ کے بیانات بھی ہیں۔ اور مولوی محمود احمد صاحب نے بھی اپنی تاریخ امروہہ کی جلد چہارم تحقیق الانساب کے صفحہ ۱۸۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ:-

"مولنا بابن کے پدر بزرگوار مولانا رکن الدین عباسی کی امروہہ میں موجودگی زمانہ ہمایوں و اکبر دیرینہ تحریرات سے ثابت و محقق ہے۔

ان چاروں تذکرہ نویسوں کے بیانات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مولنا رکن الدین اور ان کے تین فرزندین ویٹھے وانیٹھن جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے ہم عصر ہیں۔ اکبر بادشاہ کی سلطنت کا آغاز ۹۶۳ھ میں ہوا ہے۔ پس یہ باور کر لینا قطعاً جائز ہے کہ مولنا رکن الدین کی پیدائش قریباً ۹۱۰ھ میں ہوی۔ موسی بن امین کے اوپر شجرہ بالکل صاف ہے۔ اور ہزار ہا تاریخی شہادتیں اس کی تائید میں مل سکتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مولنا رکن الدین اور موسی بن امین کے درمیانی اسما کی تعداد بلحاظ بعد زمانی اتصال نسب کے لئے حسب قاعدہ مقبولہ نسابین کافی ہے یا نہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا مولنا رکن الدین کی پیدائش قریباً ۹۱۰ ہجری میں ہوی اور موسیٰ بن امین کی وفات ۲۰۸ھ میں ہوی۔ پس ان دونوں کا درمیانی زمانہ (۹۱۰ - ۲۰۸) قریب قریب سات سو سال برآمد ہوتا ہے۔ سات صدیوں میں حسب قاعدہ مقبولہ نسابین تین فی صدی ۲۱ پشتوں کی ضرورت اتصال نسب کے لیے ہوتی ہے۔ ایک دو تین کی کمی بیشی بھی ہو تو

چنداں مضایقہ نہیں مگر جب شجرہ مندرجہ آئینۂ عباسی متذکرہ بالا پر نظر ڈالی جاتی ہے تو مولنا رکن الدین اور موسیٰ کے درمیان صرف ۱۱ نام شمار میں آتے ہیں اور ۱۰ پشتوں کی کمی واقع ہوتی ہے پشتوں کی کمی تعداد اس قدر کثیر ہے (یعنی ۱۰) کہ اس سلسلہ نسب کو صحیح اور متصل نہیں کہا جا سکتا ہے اس کے بعد صاحب تاریخ اصغری کا بیان بھی توجہ طلب ہے بیان فرماتے ہیں۔

"جب امیر تیمور نے دہلی کو فتح کیا تو یہ لوگ وہاں سے بھی جلاوطن ہو کر پنجاب میں جا رہے اور وہیں مولوی میاں میٹھے جن کو طوطی پنجاب کہنا لائق ہے پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ گیارہ واسطوں سے سلطان محمد امین تک پہنچتا ہے۔

اس بیان سے بھی سلسلہ نسب کے واسطوں کی حد تک قریب قریب وہی نتیجہ نکلتا ہے جو صاحب آئینۂ عباسی کے بیان سے برآمد ہوا اور جس کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا مزید وضاحت اب غیر ضروری ہے۔

آئینۂ عباسی کی تاریخ اشاعت ۱۲۹۲ھ ہے نصف صدی کی مدت گذر لینے کے بعد مولوی محمود احمد صاحب نے تاریخ امروہہ شائع کی اس کی دوسری جلد تذکرۃ الکرام کے صفحہ ۲۳۸ پر مولنا رکن الدین صاحب مذکور کا شجرہ نسب اس طرح درج کیا گیا ہے۔

"مولنا رکن الدین[1] بن نظام الدین[2] بن شمس الدین[3] بن شرف الدین[4] بن معین الدین[5] بن تاج الدین[6] بن محمد یوسف[7] بن محمد حمزہ[8] بن محمد اسحاق[9] بن محمد اسمٰعیل[10] بن محمد باقر[11] بن علاء الدین[12] بن قطب الدین[13] بن محمد تقی[14] بن محمد تقی[15] بن موسیٰ[16] بن امین الرشید۔

آئینۂ عباسی میں جو شجرہ اس خاندان کا درج کیا گیا ہے۔ وہ اوپر نقل ہو چکا ہے۔

اب اس شجرہ سے اس کا مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تین نام (محمد تقی و محمد اسمٰعیل و نظام الدین) زاید ہیں۔ تعجب ہے کہ صرف نصف صدی کی مدت میں ان دو شجروں میں جو اہل خاندان کے مرتب کردہ ہیں تین ناموں کی کمی بیشی نظر آتی ہے۔ اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ ہمیں یقین ہے کہ اب سے نصف صدی قبل مولوی محب علی خاں صاحب مرحوم نے کامل احتیاط سے شجرہ مرتب فرما کر نام تحریر فرمائے تھے۔ اور اب تک اہل خاندان کا معمولہ و مقبولہ شجرہ نسب یہی تھا۔ اور اب بھی ہے۔ مولوی محب علی خاں صاحب ذی عزت اور باخبر عالم اور اپنے زمانہ میں مشاہیر امروہہ میں سے تھے۔ یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اپنا شجرہ نسب بلا کافی تحقیق کے غلط شائع کر دیا تھا بہرحال اس اختلاف کی وجہ کچھ بھی ہو دیکھنا یہ ہے کہ مولوی محمود احمد صاحب کے دیے ہوئے شجرہ میں ان تین ناموں کے اضافہ سے کیا شکل قائم ہوتی ہے۔ اور باوجود ان تین ناموں کے اضافہ ہو جانے کے مولنا رکن الدین اور موسیٰ کے درمیانی اسما کی تعداد بغرض اتصال نسب کافی ہے یا نہیں۔ جو نتیجہ آئینہ عباسی کے شجرہ سے نکلتا ہے وہی مولوی محمود احمد صاحب کے شجرہ سے بھی نکلتا ہے صرف تین کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ یعنی آئینہ عباسی کے شجرہ سے بغرض اتصال نسب دس واسطوں کی کمی واقع ہوتی ہے۔ اور تاریخ امروہہ کے اس شجرہ سے (۱۰-۳=۷) سات کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ باقی تمام حالات بدستور ہیں۔ یعنی اشخاص وہی ہیں بعد زمانی بھی وہی ہے جو اس صدی کے سب تذکرہ نویسوں کا مقبولہ ہے سات واسطوں کی کمی کی موجودگی میں بھی یہ سلسلہ نسب متصل اور صحیح نہیں ثابت ہوتا ہے۔ اگر اس میں جانبیں یعنی مولنا رکن الدین اور موسیٰ بن امین کے ناموں کا اضافہ کر لیا جائے۔

تب بھی پانچ واسطوں کی کمی قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے۔ تاریخ امروہہ جلد اول کے صفحہ ۱۹۱ سطر ۴ میں مولنا رکن الدین کو شمس الدین صاحب کا فرزند لکھا گیا ہے جس سے صاحب آئینہ عباسی کے شجرہ کی تائید ہوتی ہے۔ مگر اس کے بعد تذکرۃ الکرام صفحہ ۱۳۸ میں مولنا رکن الدین صاحب کی ولدیت نظام الدین ظاہر کی گئی ہے۔ اور اسی جلد دوم کے خلطنامہ میں جلد اول کے بیان کی اصلاح ہو کر مولنا رکن الدین کو شمس الدین کا پوتا لکھا گیا ہے۔ چونکہ فرزند اور پوتے کی کتابت میں مطبع کے کاپی نویس کی غلطی بظاہر نہیں معلوم ہوتی بعض اصحاب نے ذی علم مصنف کی بدنیتی پر اسے محمول کیا ہے۔ مگر ہم اس سے ہرگز متفق نہیں ہیں۔ البتہ یہ امر صراحت طلب ضرور ہے کہ آئینہ عباسی کے بیانات سے یہ اختلاف کیوں ہے۔

ایک شجرہ نسب قلمی اس خاندان کا راقم الحروف کے پاس پیش کیا گیا۔ جس کی تاریخ تحریر اب سے ۶۰ سال قبل کی ہے اس میں اسماء مندرجہ آئینہ عباسی سے بھی دو ناموں کی کمی پائی جاتی ہے۔ مگر یہ شجرہ بالفعل اس لئے قابل استدلال قرار نہیں دیا جا سکتا کہ کاتب کا نام تو ضرور درج ہے مگر ہنوز یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ کون صاحب ہیں دیگر یہ کہ شجرہ اشخاص غیر کے پاس سے پیش ہوا ہے کسی صاحب شجرہ کے پاس سے پیش نہیں ہوا۔

اس خاندان کی نسبی بحث کا دوسرا حصہ ابھی باقی ہے اور وہ یہ کہ سلطان امین الرشید سے بتوسط موسیٰ شجرہ نسب کا اتصال دکھایا گیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ موسیٰ بن امین کے کسی عقب کا کوئی ذکر کسی تذکرہ یا تاریخ یا انساب کی کتاب میں پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب نفی میں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عدم

ذکر عدم شئے کو مستلزم نہیں ہے۔ پھر بھی یہ ایک قباحت ہے۔ کیونکہ بقول مورخین موسیٰ بن امین کی وفات ۲۱۳ھ میں ہوئی ہے۔ (ثم دخلت سنة ثمان ومائتین ..... وفیها مات موسی بن الامین والفضل بن الربیع فی ذی القعدة (کامل ابن اثیر) اور ۱۹۵ھ میں جب کہ یہ بقول مورخین شیر خوار تھے ان کی ولی عہدی کا انعقاد ہوا ہے ثم دخلت سنة خمس وتسعین ومائة فیها ابطل الامین اسم المامون من الخطبة وکان ابوهما قد عهد الی الامین ثم الی المامون من بعده کما ذکرناه فخطب لهما الی هذه السنة فقطعها الامین وخطب لابنه موسی بن الامین ولقبه الناطق بالحق وکان موسی طفلاً صغیرًا۔ (ابوالفدا ..... بقول صاحب تاریخ الخلفا وغیرہم ۱۹۵ھ میں موسیٰ بن امین کی شیر خوارگی تسلیم شدہ امر ہے۔ علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں:۔

وبایع بولایة العهد لابنه موسی ولقبه الناطق بالحق وهو اذ ذاک طفل رضیع فقال بعض الشعراء فی ذالک شعرًا

اضاع الخلیفة عش الوزیر	وسنوا الامیر وجهل المشیر
ففضل وزیر وبکر مشیر	یریدان ما فیه حتف الامیر
لواط الخلیفة اعجوبة	واعجب منه خلاق الوزیر
فلو یستعفان هذا بذاک	لکان بعرضه امر یسیر
واعجب من ذا وذا اننا	نبایع لطفل فینا الصغیر
ومن لیس یحسن غسل استه	ولم یخل عن بوله حجر طیر

وماذاك الا بفضل وبكر يريدان طمس الكتاب المنير
وما ذاك لولا انقلاب الزمان في العير هذا ان امر في النفير

دیکھو محمد امین نے ظلم و تعدی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ اور دونوں بھائیوں۔ (مامون و موتمن) کو خلافت سے محروم کر کے اپنے ایک چھوٹے لڑکے کو جو دودھ پی رہا ہے۔ اپنا ولی عہد بنایا ہے اور اس کی بیعت لی ہے۔ اور خلیفہ ہارون کے لکھے ہوئے عہد نامہ کو خانہ کعبہ سے نکلوا کے ظلماً چاک و تلف کر ڈالا ہے۔ (ترجمہ ابن خلدون) ہم نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے جو عہد کیا ہے اس پر قائم رہنا چاہیئے اور موسیٰ کی جو ایک شیر خوار بچہ ہے ہرگز بیعت ولی عہدی نہیں کرنی چاہیے۔ ..... دوسرا نازیبا کام فضل بن ربیع نے امین سے یہ کرایا کہ مامون کو ولی عہدی سے معزول کرا کر امین کے شیر خوار بچے کو مامون کی جگہ ولی عہد بنوایا اور اس ملک میں سے جو ہارون کی وصیت اور تقسیم کے موافق مامون کا تھا کر لینا چاہا۔ (تاریخ اسلام اکبر خانی)۔

علامہ طبری وغیرہ بھی اس کی عمر بوقت اعلان ولی عہدی یہی ظاہر کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۵ھ میں موسیٰ بن امین نے (حولین کاملین) کی مدت معینہ رضاعت کو ختم نہیں کیا تھا اور ولایت عہد کے انعقاد کے وقت ان کی عمر ۱۹۵ھ میں کامل دو سال نہیں ہوئی تھی اس طرح امکان پایا جاتا ہے کہ ۱۹۵ھ میں ان کی ولادت ہوئی یا بصورت دیگر ۱۹۴ھ میں دونوں صورتوں میں ان کی عمر تیرہ یا چودہ سال ۲۰۸ھ میں بوقت وفات قرار پاتی ہے۔ اس عمر میں صاحب اولاد ہو جانے کا امکان تو ضرور ہے۔ مگر یہ کہ یہ امر کس قدر قریب الامکان ہے۔ یا بعید الامکان ہے۔ اس کا اندازہ ہر

عاقل و بالغ شخص بجائے خود بھی اور عام مشاہدہ کی بنا پر کر سکتا ہے۔ تائیدی شہادت ان بیانات کے لیے جب تک موجود نہ ہو ان حالات میں مشکل باور کیا جا سکتا ہے کہ موسیٰ بن امین کے اس کم سنی میں کوئی عقب باقی رہا ان کے صاحب اولاد ہونے کے ذکر سے تمام کتب تذکرہ یکسر خالی ہیں بخلاف اس کے ان کی نسل موجود نہونے کی شہادت موجود ہے مورخ غلام صاحب تاریخ اسلام مولنا اکبر شاہ خانصاحب اپنی مشہور تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:-

> معتصم پڑھا لکھا نہ تھا۔ اس لیے ولی عہدی کے قابل اس کو ہارون نے نہیں سمجھا۔ مگر وہ خلیفہ ہوا اسی کی اولاد سے بہت سے عباسی خلیفہ ہوئے اور اسی سے ہارون الرشید کی نسل چلی۔ (تاریخ اسلام اکبر خانی جلد دوم صفحہ ۲۴۲)

اس عبارت میں یہ جملہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ اسی سے ہارون کی نسل چلی لفظ اسی حصر کے لیے ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہارون الرشید کی نسل بجز معتصم باللہ کے اور کسی سے نہیں چلی۔ امروہہ کے اس خاندان کا سلسلہ معتصم باللہ کے ذریعہ سے ہارون تک نہیں بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ موسیٰ بن امین کے ذریعہ سے۔ اس کا اتصال دکھایا گیا ہے۔ جو معتصم کی شاخ سے قطعاً علیحدہ ہے۔ الغرض زمانہ حال کے تذکرہ نویسوں کے بیان و اتفاق پر کہ مولنا رکن الدین کا زمانہ اکبر بادشاہ کا زمانہ ہے۔ مولنا رکن الدین کے شجرہ میں موسیٰ بن امین تک حسب صراحت تاریخ اصغری و آئینہ عباسی دس وجب صراحت تاریخ امروہہ سات واسطوں کی کمی اتصال نسب کے لیے ثابت ہوتی ہے۔ موسیٰ بن امین کے عقب کا پتہ تحریری شہادت سے نہیں چلتا نہ ان کی اتنی کم سنی میں بغیر کسی مخصوص شہادت کے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ صاحب اولاد ہوئے اور ان کی

اُن کی نسل موجود نہ ہونے کی تاریخی شہادت بھی موجود ہے۔ پس ایسا سلسلہ نسب صحیح اور متصل نہیں ہے۔ اور نہ ایسے خاندان کو صحیح النسب ہی کہا جا سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مشہور النسب کہہ سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قریباً ایک صدی سے اس خاندان کو علی وجہ الشہرت کتب تذکرہ میں عباسی لکھا گیا ہے۔ ایک صدی سے قبل اس خاندان کا کوئی ذکر کسی تذکرہ یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ البتہ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ یہ خاندان ذی عزت ہے اور اس میں عالم و فاضل ہوتے آئے ہیں۔ اور نہ اس خاندان کے شریف النسب ہونے میں کلام کرنے کی گنجائش ہے۔ ان میں مولوی محب علی خان صاحب مرحوم ساکن محلہ کوٹ اور مولوی محمود احمد صاحب مصنف تاریخ امروہہ ساکن محلۂ ملا تہ کے گھرانے خاص طور پر اپنے خاندان میں ممتاز ہیں۔ مولوی محمود احمد صاحب کے ایک بھائی محمد داؤد صاحب امروہہ میں دورِ اول کے گریجویٹ اور شاعر شیریں بیان تھے جو لاولد فوت ہوئے۔ دوسرے بھائی مولوی فرید احمد صاحب طبیہ کالج میں پروفیسر ہیں جن کی مصنفہ کتاب سیرۃ العباسؓ کافی شہرت حاصل کر چکی ہے تیسرے بھائی مسعود احمد صاحب انجینیر دہلی میں ہیں جو درحقیقت اس خاندان کے گل سرسبد ہیں۔ نہایت درجہ علم دوست اور ہر دل عزیز شخص ہیں۔ خود مولوی محمود احمد صاحب نے سرزمین امروہہ پر جو شہرت تاریخ امروہہ لکھنے سے حاصل کی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ امروہہ میں شاذ ہی کوئی شخص ایسا نکلے جو ذی علم مورخ ممدوح سے واقف نہ ہوگا۔ ماشاء اللہ نہایت کثیر المطالعہ شخص ہیں۔ تاریخ امروہہ لکھنے میں جو کوشش اور جانفشانی آپ نے فرمائی ہے اور مختلف خاندانوں کے کاغذات دیرینہ فراہم کرنے اور حالات بہم پہونچانے میں جو محنت شاقہ آپ نے برداشت کی ہے وہ

یقیناً قابل داد ہے۔ اس تاریخ کی جلد چہارم و دوم میں جن کے نام علی الترتیب تحقیق الانساب و تذکرۃ الکرام ہیں بعض غیر ضروری مباحث ایسے درج ہو گئے جن کے وجود سے ان کا عدم ہی بہتر تھا نسبی تحقیق کی حد تک اگر بحث رہتی تو مضائقہ نہ تھا غضب یہ ہوا کہ بعض غیر ضروری مباحث ایسے چھڑ گئے جن سے ناگوار مذہبی مباحث کا فتنہ خوابیدہ بیدار ہو گیا کاش کہ ان دونوں جلدوں میں یہ مباحث اور بعض دیگر غیر ضروری مباحث نسلی مفاخرت وغیرہ کے درج نہ کئے جاتے تو یہ تاریخ اہل امروہہ کی حد تک ایک بے مثل تاریخ ہوتی اس تاریخ کی جلد اول شائع ہونے پر جو توقعات باوجود اس کی متعدد خامیوں کے وابستہ ہوئی تھیں افسوس اور ہزار افسوس ہے کہ ان مذہبی مباحث وغیرہ کے درمیان آنے سے دور ہو گئیں بہرحال ہم جناب ممدوح کے شکر گزار ہیں کہ اپنی صریر قلم سے انہوں نے خفتگان خواب غفلت کو بیدار کر دیا۔ اور ایک عام لاپرواہی اور بے حسی کی جو کیفیت حفاظت حالات نسب کی طرف سے پیدا ہو گئی تھی دور ہو کر ہر طرف سے تحقیق نسب و جستجوئے آثار صنادید کے مظاہرے ہونے لگے ہم نے اپنی اس ناچیز تالیف میں حسب دستور جناب ممدوح کے افادات سے جابجا تائیداً و تردیداً استفادہ کیا ہے جس کے لیے ہم ممنون ہیں۔ اور بدل شکریہ ادا کرتے ہیں۔ شجرہ نسب آنجناب کا آپ ہی کی تاریخ امروہہ سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہٰذا۔

(محمود[1] احمد مولف تاریخ امروہہ بن مولوی علی[2] محمد بن حضرت شاہ احمد علی[3] بن مولوی سعادت[4] علی بن مولانا عبدالحی[5] بن مولانا عبدالرحیم[6] بن مولانا عنایت اللہ بن ملا نذر محمد[7] بن حاجی محمد صالح[8] بن مولانا محمد[9] بن مولانا بابن[10] بن مولانا رکن الدین[11] بن مولانا نظام الدین[12] بن مولانا شمس الدین[13] بن شرف الدین بن معین الدین بن تاج الدین بن محمد یوسف[14] بن محمد حمزہ[15] بن محمد اسحاق[16] بن محمد اسمٰعیل[17] بن محمد باقر[18] بن علاء الدین[19] بن قطب الدین[20] بن محمد تقی[21] بن

محمد تقی بن موسیٰ[۲۶] بن محمد امین[۲۸] بن سلطان ہارون الرشید[۲۹] بن محمد مہدی[۳۰] بن عبداللہ المنصور[۳۱] بن محمد بن عبداللہ[۳۲] بن حضرت عباس[۳۳] ؓ)

خاندان [illegible] امروہہ میں اس خاندان سے کسی قرابت کے قائم ہونے کا علم نہیں ہے۔

ختم جلد اوّل

الحمد للہ والمنہ کہ تاریخ سادات امروہہ کی جلد اول ختم ہوتی ہے۔ آغاز کتاب میں بھی وضاحت اس امر کی کر دی گئی ہے۔ کہ یہ کتاب تاریخ امروہہ یا تاریخ جمیع سادات امروہہ نہیں ہے۔ اور اب مکرر ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ براہ کرم اس کتاب کو تاریخ امروہہ یا تاریخ جمیع سادات امروہہ کے خیال سے ملاحظہ نہ فرمایا جائے اور خاص طور پر یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ تذکرہ خاندان مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت تقوی الواسطی الامروہوی کے ذکر کی حد تک محدود ہے۔ بعض ان خاندانوں کا ذکر بھی مختصر طور پر اس میں کر دیا گیا ہے جن سے تعلقات مصاہرت جناب شاہ ولایت مذکور کے خاندان سے قدیم سے قائم ہوتے چلے آ رہے ہیں اور اسی ضمن میں کہیں کہیں دیگر خاندانوں اور بعض دیگر مشاہیر کا ذکر بھی ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دیگر مباحث بھی۔ جو بڑی حد تک تاریخی نہیں ہیں مثلاً بحث سیادت وغیرہ اس میں تحریر ہوئے ہیں۔ بعض الفاظ و اصطلاحات کے معانی و مفہوم پر تاریخی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور حتی المقدور اس کی کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ و اصطلاحات کی بحث تاریخی حدود سے گذر کر مذہبی بحث کا پہلو نہ اختیار کرلے۔ سادات و شرفا کے بعض دیگر خاندان بھی امروہہ میں آباد ہیں جن کا ذکر ضمناً بھی اس کتاب میں نہیں ہو سکا ہے اور یہ امر اچھی طرح واضح ہے کہ سرزمین

امروہہ پر بسنے والے تمام خانوادہائے سادات کے ذکر کی یہ کتاب جامع نہیں ہے۔

جلد دوم بھی مرتب ہو چکی ہے اور امید ہے کہ بہت جلد طبع ہو کر منظر عام پر آئے گی۔ بعض وہ مضامین جو جلد دوم کے لیے مخصوص تھے بوجہ عدم گنجایش جلد دوم اس جلد میں شریک کر دئے گیے اور وہ سلسلۂ بیانات جو ابتدا میں قائم کیا گیا تھا شکست ہو گیا جس کا افسوس ہیں ہے لیکن بدرجہ مجبوری ایسا کرنا پڑا کیونکہ جلد دوم کی ضخامت اندازہ سے بہت زیادہ ہو چکی ہے اور ابھی سلسلۂ مضامین میں اضافہ جاری ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ شائد جلد سوم علحدہ مرتب کرنی پڑے۔ جلد اول کے بعض مضامین مثلاً ذکر سادات حسنی محلۂ کوٹ و ذکر سادات محلہ لکڑہ و ذکر دیگر قبائل بنی ہاشم وغیرہ در اصل جلد دوم ہی کے مضامین ہیں جن کو بدرجہ مجبوری جلد اول میں جگہ دی گئی ہے۔

جلد اول مرتب ہو کر ایک مطبع میں بغرض طباعت دی گئی تھیں افسوس ہے کہ مالک مطبع کے بدمعاملگی کے باعث اس کی طباعت میں ناواجبی تاخیر ہوی ہے اور ایک سال تک طباعت ملتوی رہی۔ بالاخر دوسرے مطبع میں طباعت کا اہتمام کیا گیا۔ راقم الحروف کی دیگر مصروفیتوں کے باعث پروف کی تصحیح کا انتظام جیسا کہ چاہیے نہ ہو سکا زیادہ تر یہ کام ایک دوسرے صاحب کے سپرد رہا جا بجا کتابت کی غلطیاں خصوصاً عربی و فارسی عبارات میں رہ گئیں اور تاریخ اشاعت تک بھی ان کی جامع فہرست بباعث دیگر مصروفیتوں کے مرتب نہ ہو سکی امید ہے کہ جلد دوم میں جلد اول کا جامع غلطنامہ طبع ہوگا۔

جلد اول میں رجال سادات نقوی متوطنہ امروہہ کا ذکر اجمالاً شجرات نسب کی وضاحت اور مختصر طور پر تعارف کے لیئے کر دیا گیا ہے جلد دوم میں ماضی قریب و

حال کے ارباب کمال واکابر علما وصوفیا وشعرا وحکما ورؤسا ومشاہیر سادات کا ذکر تفصیل ہوگا اور ان کی تصنیفات اور دیگر آثار پر گفتگو ہوگی جلد اول میں سید العزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح کی اولاد کے حالات بیان ہوئے ہیں جلد دوم میں سید امیر علی بن شاہ ولایت رح کی اولاد امجاد کے حالات بتفصیل بیان ہونگے سادات دانشمندان وسادات نوگیان وغیرہ کا ذکر اور ان سب کے شجرات نسب بھی جلد دوم میں ہیں ان کے علاوہ بعض دیگر مضامین مثلاً علم نسب وتحفظ نسب وفخر نسب وغیرہ پر تاریخی روشنی میں بحث فرہنگ اسمار رجال اور بعض قدیم دستاویزات کے چربے اور اسی قسم کے دیگر مضامین جلد دوم میں دئے گئے ہیں۔ علم الانساب پر اصولی بحث نہایت تفصیل سے کی گئی ہے اور مشاہیر علماء علم الانساب کے بیان کردہ مختلف اصول اور نظریوں سے تاریخی حدود کے اندر استفادہ کیا گیا ہے۔

فخر نسب کے متعلق بھی اجمالاً یہاں بیان ہوجانا ضروری ہے اس کی تفصیلی بحث جلد دوم میں درج ہے یہاں ہم اس مسئلہ خاص پر اپنے مسلک واعتقاد کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام نے جات پات کے تمام امتیازات کا سدباب کیا اور نسلی وقومی ووطنی الغرض ایسی تمام خود ساختہ حد بندیوں کو دور فرما کر ایک عالمگیر اسلامی برادری کی بنا ڈال دی ہے جس میں من وتو کا کوئی سوال باقی نہیں رہا اور تمام بنی نوع انسان کو از روئے مذہب ایک ہی سطح مستوی پر لے آیا گیا۔ خدا کے نزدیک بنی آدم میں اکرم وہی ہے جو اتقیٰ ہے ارشاد نبوی ہے۔ الناس کلھم بنو آدم وآدم من تراب (خطبہ فتح) اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ ہمارے اعتقاد میں نسب کو مذہب میں کیا

دخل ہے تو ہمارا وہی جواب ہے جو اپنی غایت مقبولیت کے باعث ضرب المثل بن چکا ہے (کہ درین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست الفضلہ تعالیٰ ہم اس نبی آمی کی امت میں ہیں جس نے اہل دنیا کو مساوات کا درس فطرۃً دیا اور بے شمار بندگان خدا کو ان کی چھنی ہوئی آزادی واپس دلا کر غلامی و محکومی کے صنم اکبر کو پاش پاش کر دیا۔ ولنعم ما قیل۔

غلامی سے چھڑایا تو نے اکر نسل انسان کو جہاں میں بج گیا ڈنکا ترے انعام احسان کا

اب رہا خاص فخر نسب کا مسئلہ۔ یہ بھی مثل دیگر معاملات کے نسبتی ہے۔ یعنی یہ کہ اس میں سوال نیت اور برمحل ہونے کا نہایت اہم ہے۔ اگر نیت بخیر اور فخر برمحل ہو تو عین صواب اور خیر محض ورنہ اگر نیت میں فتور ہو اور بے محل فخر کیا جائے تو یہی عین خطا اور بزرگوں کی استخواں فروشی اور (پدرم سلطان بود) کی رٹ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مثال کے لیے خود آنحضرت صلعم کا عمل شریف ہمارے سامنے ہے۔ حضور نے اپنے نسب شریف پر بار بار مختلف عنوان سے مختلف مقامات پر فخر فرمایا ہے حتیٰ کہ ہنگامہ جنگ کی گرما گرمی میں بھی آپ نے اپنے نسب شریف کی اصالت و عظمت کی سپر سے برمحل کام لیا ہے۔ مسلمان یوم حنین کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ پہلی ہی ٹکر میں بارہ ہزار مسلمانوں کے پاؤں (جن کو ان کو اس روز بڑا ناز تھا) اکھڑ گئے اور وہ سراسیمگی اور ابتری لشکر اسلام میں نمایاں ہوئی کہ اگر اس شکست کی تکمیل ہو جاتی تو شاید شرک و کفر کو توحید و اسلام پر کامل غلبہ حاصل ہو جاتا مگر وہی ایک صدائے رعد آسائے کفر سوز و ایمان نواز تھی جو ایک طرف لشکر کفار پر صاعقہ شرربار کی طرح گری اور دوسری طرف اس نے

لشکر اسلام کے انتشار و انہزام کو جمعیت و قوت سے بدل دیا اور نسیم فتح علم اسلام کو لہرانے لگی وہ یہی صدا تھی (انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب) کیا کوئی ذی عقل اس برمحل فخر پر معترض ہو سکتا ہے اس سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ اگر فخر بر عمل اور نیت بخیر ہو تو فخر نسب خیر محض ہے اور کیوں نہ ہو کہ آبا، صالحین کے اعمال و افعال حسنہ اخلاف کے لیے بہترین رہنما ہو سکتے اور ہوتے ہیں۔ اگر فخر نسب کا بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ خود کو یا دوسروں کو اس سے اعمال نیک کی ترغیب و تشویق ہو تو یہ عمل بلاشبہ ایک پیغمبرانہ عمل ہے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو آبا، صالحین کے قصص مطالعہ کرنے کے بعد اعمال نیک کی توفیق ملے۔ خاص اسی نیت سے اس کتاب کو تحریر کیا گیا ہے۔ بزرگان سادات کے ان حالات کو پڑھ لینے کے بعد منجملہ ان ہزارہا اشخاص کے جن کے مطالعہ سے یہ کتاب گزرے گی اگر کسی ایک فرد واحد کی رگ حمیت میں حرکت پیدا ہو کر جذبہ اسلامی اور ولولہ عمل پیدا ہو جائے تو ہم بے اختیار کہیں گے (ناز م از زندگی خویش کہ کارے کردم) وما توفیقی الا باللہ۔ بزرگوں کے حالات بیان کرنے سے ہمارا مقصود تفاخر بجا و تعلی ہرگز نہیں ہے بلکہ موجودہ انحطاط و پستی میں بقول مولانا نظامی رح (بلندی نمودن در افگندگی + فراہم شدن در پراگندگی) عمل پیدا ہوتا ہے۔ اور نسل سادات کو یہ دکھانا ہے کہ تم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو۔ ہم نے بعض تذکرہ نویسوں کی طرح اس کتاب میں تحصیلداروں اور حکام پرگنہ کی خوشنودی کی چٹھیوں کے نقول درج نہیں کی ہیں۔ بلکہ اکابر سادات کے قصص کو متاخرین سادات کی عبرت و موعظت کے لیے درج کیا ہے اور بس۔ اسی ضمن میں بمصداق افسانہ از افسانہ می خیزد بعض دیگر امور بھی تحریر ہو گئے ہیں

(بے محل اور بر محل فخر نسب اور اُن کے بُرے بھلے نتائج کی تفصیلی بحث اور متعلقہ مسائل کے لیے ملاحظہ ہو جلد دوم) ہم نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ اپنے بزرگوں کے کارنامے وغیرہ ایسے مصنفین کے عبارات میں بیان ہوں جن کو کوئی تعلق ہمارے خاندان سے نہیں ہے۔

راقم الحروف پر اہل خاندان و دیگر احباب کی ایک ضیافت واجب الادا چلی آتی تھی اور قریب میں کوئی شکل اس قرضہ کے ادا ہونے کی باعث ترک سکونت و دیگر امور لاحقہ نظر نہ آتی تھی۔ اس سے سبکدوش ہونے کے لیے یہ تجویز قرار پائی کہ بجائے دعوت طعام کے یہ معنوی ضیافت جملہ احباب کرام کی کر دی جائے۔ پس ایک ہزار جلدیں اس کتاب کی بلا معاوضہ ہدیتہً پیش کی جاتی ہیں اہل نظر سے امید ہے کہ اس ہدیہ کو شرف قبول سے مشرف اور خلعت پسند سے مخلع فرمایا جائیگا

من قصۂ لا دنی خواندم و رفتم در یاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

سیادت بنی ہاشم پر مفتیان شرع متین کے فتوے

سید و مرزا و سادات و خان و میر وغیرہ یہ سب نسبی و لقبی اصطلاحات ہیں جن کے متعلق علماء دین و مفتیان شرع متین سے بحیثیت علماء دین و مفتیان شرع متین فتویٰ طلب کرنا اور ان اصطلاحات و محاورات کے معانی و مطالب اور عرف عام کی حد تک ان کا محل استعمال دریافت کرنا قطعاً بے محل ہے۔ البتہ علماء لغت و نسب و واقفان حالات سے بشرط ضرورت ان کے متعلق دریافت کیا جا سکتا

اس کی بحث جلد ہذا کے ایک مستقل باب میں لکھی جا چکی ہے جس میں کافی وضاحت اس امر کی کر دی گئی ہے کہ سید و سادات کا استعمال اظہار نسب کی غرض سے محض عرفی و اصطلاحی ہے مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور عرف و اصطلاح کے قائم ہونے کی وجہ بھی ظاہر کر دی گئی ہے کہ سادات کے مورثوں کے حصہ میں جس قدر سیادتیں حسب ارشادات نبوی آئی ہیں وہ کسی دوسرے سلسلۂ نسب میں موجود نہیں ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۶۰ جلد ہذا) سادات ہی کے مورثوں کے حصہ میں سیادۃ مطلقہ آئی (ملاحظہ ہو صفحہ جلد ہذا) سیادت مطلقہ یعنی ہر طرف کی سرداری میں سیادت نسبی بھی داخل ہے۔ ان تمام سیادتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اظہار نسب کے لیے عرفاً و اصطلاحاً آل فاطمہؑ کو اولاد نبی صلعم ہونے کی بے مثل شرافت کے لحاظ سے جمہور اہل اسلام نے اپنے متفقہ عمل سے سید و سادات سے موسوم و مخاطب کیا ہے۔ اور اقصائے عالم میں سوائے بنی فاطمہ کے کوئی گروہ ان الفاظ سے بغرض اظہار نسب عرف و اصطلاح کی حد تک موسوم و مخاطب نہیں ہوا ہے۔ سرزمین ہند کی حد تک ہم میں سے ہر شخص ان الفاظ متعارف کا محل استعمال اچھی طرح جانتا ہے جس کی زیادہ تفصیل و توضیح کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ لغت اردو کی مستند ترین و مبسوط ترین کتاب جو اس وقت تک اپنا ثانی اور نظیر نہیں رکھتی ہے اور جو سلطنت آصفیہ کے خاص شاہانہ امداد و سرپرستی سے معرض طبع میں آئی ہے اور جسے دہلی کے ایک نامور ادیب و مستند زبان دان نے مرتب کیا ہے **فرہنگ آصفیہ** ہے۔ اس میں ان الفاظ کے یہ معانی تحریر ہیں **سادات** قوم سید وہ قوم جو حضرت علی کی اولاد اور حضرت فاطمہ کے بطن سے ہے۔ **سید** اسم مذکر۔ امام۔ پیشوا۔ رہنما۔ سردار۔ سردار قوم۔ حضرت

فاطمہؓ کی اولاد جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے حسنین کی اولاد سبط رسول۔ اہل بیت آل پیغمبر علیہ السلام۔ **سید زادہ**۔ اسم مذکر اولاد حسنین۔ سید کی اولاد۔ از نسل سادات۔ **سیدانی**۔ قوم سادات کی عورت۔ سید کی بیوی جو اپنی ہی قوم سے ہو۔

ممالک اسلامیہ کی حد تک ہم نے ایک زندہ اور معتبر شہادت حضرت علامہ سید محمد بغدادی مدظلہ العالی کی کتاب ہذا کے صفحہ ۶ پر درج کر دی ہے جو ہمارے عرف و اصطلاح کی وضاحت کے لیے کافی و وافی اور بہمہ جہت لائق اعتماد ہے اور جس کی صحت میں کسی چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے کہ عیاں راچہ بیاں۔ دعوے کے ساتھ اور غایت وثوق سے بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ سید و سادات کا استعمال بغرض اظہار نسب نبی فاطمہ ہی سے مخصوص رہا ہے۔ علامہ شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی لفظ سید پر بحث لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں (فمتی اطلق لا ینصرف لسواھم (الشرف المؤبد لآل محمد مطبوعہ مصر) یعنے جب لفظ سید باظہار نسب) کہا جاتا ہے تو بجز اولاد حسنین کے اور کوئی مراد نہیں ہوتا ہے۔ علامہ موصوف کا یہ بیان سراسر درست اور بجا ہے تمام عالم اس کا گواہ ہے۔

لفظ شریف کی حد تک اس کتاب میں ہم نے اپنی بحث کو وسعت نہیں دی ہے۔ اور جو کچھ بھی بحث ہے وہ صرف سید و سادات کی حد تک ہے۔ اور ہم نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ جن اصحاب کو لفظ شریف بغرض اظہار نسب لکھنے کی خواہش ہے وہ بتائید بیان مندرجۂ رسالہ زنبیہ اپنے ناموں کے ساتھ شریف کا اضافہ کر دیکھیں اور اس کے جواز کے لیے زمانہ کی قبولیت عام کے منتظر رہیں۔ اگر رسالۂ زنبیہ کے اس بیان میں کوئی حقیقت اور اصلیت ہے کہ لفظ شریف کا استعمال کسی زمانہ بعید میں تمام

ہاشمی افراد کے لیے ہوتا تھا (ملاحظہ ہو صفحہ ۶۳ کتاب ہذا) تو اب یہ امر مدرجۂ یقین ثابت ہے کہ لقب شریف سے ملقب ہونے کے لئے اہل عالم کے نزدیک سوائے بنی فاطمہ کے دیگر بنو ہاشم اب مستحق نہیں ہیں کیونکہ تمام عالم کے متفقہ و مقبولہ عمل کی بنا پر لفظ شریف کا اختصاص بھی بنی فاطمہ کے ساتھ قرار پاچکا ہے اور عرف و اصطلاح کا قیام بغیر قبول عام و دوام کے ممکن ہی نہیں ہے۔ جس سے بر تقدیر تسلیم صراحت مندرجۂ رسالہ زینبیہ ثابت ہوتا ہے کہ جمہور مسلمین کے قبول عام و دوام کے معیار پر غیر بنی فاطمہؑ کامل العیار ثابت نہ ہوسے اور لفظ شریف کا استعمال ان کے لیے متروک و خارج از اصطلاح ہوگیا۔ اہل حجاز کی اصطلاح میں حسنی و حسینی سادات میں سے شریف مخصوص حسنی سادات کے لیے بولا جاتا ہے (للتفرقة بينهما) علامہ شیخ یوسف رح مذکور الصدر تحریر فرماتے ہیں (قال ابن حجر المكى ولا يدخل غير ذرية الحسن والحسين فى الوقف على الاشراف والوصية لهم لان الوقف والوصية منوطان بعرف البلد وعرف مصر ونحوها اختصاصهم بذرية الحسن والحسين (الشرف المؤبد لآل محمد مطبوعہ مصر)۔ یعنی علامہ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اشراف کے نام سے وقف و وصیت کی ہو تو اس وقف و وصیت میں سوائے اولاد حسنینؑ کے اور کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ وقف و وصیت عرف بلد پر منحصر ہے اور مصر وغیرہ کے عرف میں لفظ شریف حسنینؑ کی اولاد سے مخصوص ہے) ان تمام تحریری شہادتوں پر زیادہ غور و فکر کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ شہادت تمام اہل عالم کی اس وقت بھی موجود ہے۔ ہر وقت اور ہر مقام پر اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے

ہر وہ شخص جو مدعی سیادت ہو سب سے اول اسے اہل عالم کی مروجہ و مسلمہ و مقبولہ اصطلاح پر کاربند ہونے کی ضرورت ہے ورنہ خلاف عرف و رواج اور بلا لحاظ اصطلاح ان مخصوص نسبی و نسبی الفاظ کا بے محل استعمال ہر نہج لائق اعتراض اور انتساب الی غیر الآبا کا باعث ہے جو عرفاً ممنوع عقلاً مکروہ اور شرعاً بھی درست نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جو جماعت بنی فاطمہ میں اپنا شمول نہ بیان کرے اور مدعی سیادت نسبی ہو اچھی طرح غور کرے کہ اقصاء عالم میں کسی مقام پر بھی اس کی جماعت کو سید و سادات سے مخاطب کرنے کا دستور و رواج ہے یا نہیں اور اظہار نسب کے محل پر تمام عالم میں سید و سادات سے کونسی جماعت کے افراد موسوم و مخاطب ہوئے اور ہوتے ہیں

ہمارا ارادہ نہ تھا کہ سید و سادات کی اصطلاح کی حد تک علماء دین کو جواب لکھنے کی تکلیف دی جائے۔ جلد ہذا کی طباعت ختم ہو رہی تھی کہ اتفاقاً ایک مدعی سیادت بنی ہاشم کی ایک تحریر نظر سے گذری جس میں بنی ہاشم کی عرفی و اصطلاحی سیادت زیر بحث کا دعویٰ بایں الفاظ کیا گیا ہے کہ (بنی ہاشم پر بوجہ اس فوقیت نسبی کے جو رسول صلعم کی قرابت قریب کی وجہ سے دیگر قریشی خاندانوں پر ان کو حاصل تھی صدقہ و زکوٰۃ حرام ہوئے اور یہ مستحق خمس قرار پائے اور اسی بنا پر بنی ہاشم بغرض اظہار نسب سید و سادات سے موسوم و ملقب ہوئے) اس دعوے کے متعلق بھی چند مقامات پر جلد ہذا میں ہم نے اظہار کر دیا ہے کہ حرمت صدقات و استحقاق خمس خالص شرعی مسائل ہیں اور وضع اصطلاح سید و سادات سے اظہار نسب کی حد تک ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ چونکہ حرمت صدقات و استحقاق خمس

کی بحث درمیان آجانے سے سوال کا مذہبی پہلو نمایاں ہو جاتا ہے اور بقول مدعیان سیادت بنی ہاشم ہی بنا، خاص عرفی و نسبی سیادت بنی ہاشم کی ہے اور ممکن ہے کہ ہماری اس کتاب کے بعض ناظرین کے خیال میں بھی اس مذہبی مسئلہ کے تعلق سے اس سوال کا حل ہونا ضروری ہو ہم نے مناسب خیال کیا کہ سوال زیر بحث کی مذہبی حیثیت اور صرف مذہبی حیثیت کی حد تک علمار کرام سے کر لیا جائے جس سے اچھی طرح اندازہ ہو سکے گا کہ ہم نے جو کچھ اظہار خیال کیا ہے علمار دین کے عقیدہ میں احکام شریعت سے مغائر ہے یا نہیں۔ سوال کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے یہی ایک عبارت بغرض تحریر جواب مشہور و معروف علمار دین کے پاس روانہ کی گئی اور ان سب جوابات میں مفتیان شرع متین بلا استثنا متفق اللفظ و متحد اللسان ہیں کہ حرمت صدقات و استحقاق خمس سے اس عرفی و نسبی سیادت کا کوئی تعلق شرع شریف میں نہیں ہے۔ ان سب جوابات کی نقل ہونے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور ہمارا مصمم ارادہ ہے کہ ایک مستقل کتاب جس کا نام **تحقیق سیادت نسب** تجویز ہوا ہے۔ خاص اس مبحث پر لکھ کر شائع کریں گے جس میں تمام عالم کے مشاہیر علمار دین کے فتوی بھی بحث کے مذہبی پہلو کی حد تک درج ہوں گے اور سیادت نسب کے تاریخی و مذہبی و رواجی و اصطلاحی غرض ہر پہلو پر تفصیل سے بحث درج کی جائے گی۔ سب سے اول سوال کی عبارت ملاحظہ ہو اور وہ یہ ہے۔

سوال کیا فرماتے ہیں علمار دین و مفتیان شرع متین اس سوال کے جواب میں۔ کیا مذہب اسلام کا یہ حکم ہے کہ جن افراد پر از روے شرع شریف صدقہ حرام ہے اور وہ مستحق خمس ہیں۔ ان سب کو بغرض اظہار نسب سید و

سادات سے موسوم و مخاطب کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

اسی ایک سوال کے چند جوابات بلحاظ گنجائش کتاب ہذا یہاں نقل کئے جاتے ہیں دیگر تمام جوابات کے نقول اور اس مبحث پر تفصیلی بحث کے ملاحظہ کے لیے ناظرین ہماری موعودہ کتاب "تحقیق سیادت نسب" کی اشاعت کے منتظر رہیں۔

نقل جواب عالیجناب مولٰنا محمد عمر صاحب جانشین مولٰنا احمد حسن صاحب محدث کانپوری رح و تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رح و صدر دار العلوم عربیہ کرنول هو الموفق للصواب سید کے لغوی معنی سردار اور بزرگ کے ہیں جب کوئی شخص کسی قوم کا سردار ہوتا ہے تو اس کو سید کہتے ہیں یقال ساد قومه فهو سيد اور کبھی سید کا اطلاق مربی آقا خاوند..... اور کبھی پیشواوں اور رہبروں پر سادات کا اطلاق ہوتا ہے بفحواءِ قوله تعالیٰ قالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وكبراءنا فاضلونا السبيلا۔ ظاہر ہوا کہ سید کا لفظ متعدد معنوں میں مستعمل ہوتا ہے بناءً علیہ وہ افراد جن پر صدقہ حرام ہے اور مستحق خمس ہیں اور جن کا سلسلہ نسب علی رضی اللہ عنہ اور فاطمۃ الزہراء اور حسنین علیہما السلام سے جا ملتا ہے جن کی شان میں انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس الخ وارد ہے اور جن کی فضیلت میں سرور کائنات نے مثل اهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح الخ اور (انا تارك فيكم الثقلين فرمایا اور (ان فاطمة سيدة النساء المومنين وان الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة) ارشاد فرما کر صاف الفاظ میں سیدہ سے موصوف فرمایا پس اہل بیت کا مذکورہ آیات و احادیث سے بلحاظ نسبی شرافت فضیلت اور عظمت میں فائق ہونا ثابت ہوا اس لیے بغرض

اظہار نسب بطور اصطلاح سید کہنا قرار پایا اور عرفاً سید و سادات کے لفظوں سے موسوم کئے جانے لگے مذہب اسلام یہ تو حکم نہیں دیتا ہے کہ ان کو سید و سادات کہہ کر پکارا کرو لیکن اصطلاحاً سید و سادات کہنا درست و جائز ہے اور شرعاً بھی سید و سادات سے انھیں مخاطب کرنا جائز و نادرست نہیں ہے اور عرفاً بھی سید و سادات کا اطلاق بنی فاطمہؓ کے واسطے مخصوص ہے (خادم الطلبہ محمد عمر عفی عنہ)۔

نقل جواب علامہ سید سلیمان ندوی مؤلف سیرۃ النبی و جانشین حجۃ الملۃ و الدین علامہ شبلی نعمانی مرحوم و مغفور و رکن اعظم دار المصنفین اعظم گڈھ۔ سید اور سادات شرعی اصطلاحیں نہیں ہیں بلکہ عرفی ہیں جن سے صرف آل فاطمہ مراد لئے جاتے ہیں۔ اور صدقہ بنی ہاشم یعنی آل عباس آل جعفر آل عقیل اور آل حارث بن عبد المطلب پر حرام ہے (دیکھو فتاوی عالمگیری مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۱۸۹) چونکہ سید و سادات سے صرف آل فاطمہؓ مراد لئے جاتے ہیں اس لیے اُن کے علاوہ یہ القاب پورے خاندان بنی ہاشم کے لیے نہیں استعمال کرنا چاہئے کیونکہ اس سے نسب کے خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ ہے اور قرآن مجید اور احادیث نبی کریم صلعم میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے کہ ایک کا نسب دوسرے کی طرف منسوب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ یعنی ان کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے بلایا کرو یہی بات خدا کے نزدیک زیادہ تر قرین انصاف ہے۔ نبی کریم صلعم نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو اپنے کو غیر حقیقی باپوں کی طرف منسوب کرتے ہیں چنانچہ ابو داؤد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ من ادعی لغیر ابیہ او انتمی الی غیر مولیہ فعلیہ لعنۃ اللہ

المتابعہ الی یوم القیامۃ یعنی جو شخص کسی حقیقی باپ کو اپنا باپ بنائے یا اپنے کو اپنے غیر آقا کی طرف منسوب کرے اس پر پے در پے قیامت کے دن تک خدا کی لعنت ہے (علامہ سید سلیمان ندوی۔

۱۸ نقل جواب عالی جناب مولٰنا مولوی مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت علماء ہند (دہلی)۔ صدقہ بنی ہاشم پر حرام ہے ان سب کے لیے لفظ ہاشمی ایسا لفظ ہے جو اظہار نسب کے ساتھ اظہار حرمت صدقہ کے لیے کافی ہے۔ سید کا لفظ اس معنی میں محاورات عرب میں مستعمل نہ تھا ہندوستان میں بھی اتنے عام معنی میں متعارف نہیں ہے بلکہ حضرت علیؓ کی تمام اولاد پر بھی حاوی نہیں ہے صرف اولاد فاطمہ زہرا رضؓ پر عرفاً بولا جاتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ شریعت میں کسی ایسے حکم کا وجود نہیں ہے کہ لفظ سید اپنے نام کے ساتھ حرمت صدقہ کے اظہار کی غرض سے لکھنا یا کہنا ضروری ہے (مولٰنا) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

نقل جواب جناب علامہ و مولٰنا مفتی عبد القدیر صاحب بدایونی مفتی عدالت العالیہ عثمانیہ ممالک محروسہ آصفیہ:۔ ہر دو جوابات سلکہ (یعنی جواب علامہ سید سلیمان ندوی و جواب عالی جناب مفتی کفایت اللہ صاحب جن کی نقل ہوئی بہترین جواب ہیں شرعی بات صرف اس قدر ہے کہ تمام آل ہاشم پر صدقہ حرام ہے اگرچہ بعض متاخرین نے اس میں بھی کلام کیا ہے کہ جب بیت المال موجود نہیں اور دیگر ذرائع امداد بھی مفقود ہیں تب یہ حکم باعث تکلیف آل ہاشم ہوگا لیکن قول جمہور وہی ہے جو مذکور ہوا۔ رہا لفظ سید کا استعمال یہ ایک عرفی چیز ہے اہل حجاز تو سادات بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا میں بھی تفریق کرتے اور بعض کو اشراف اور بعض کو

سادات کہتے ہیں اس پر کسی فریق کو اصرار نہ چاہیے کہ اصل مسئلہ عرفی ہے جہاں جیسا عرف ہو وہی رکھا جائے فقط

فقیر محمد عبدالقدیر القادری بدایونی۔

نقل جواب عالی جناب فقیہ دکن مولٰنا شاہ محمد مخدوم صاحب قادری مفتی مدرسہ عربیہ نظامیہ بلدہ حیدرآباد دکن:۔

(جناب مفتی صاحب ممدوح الشان نے نہایت تفصیل سے سید و سادات کے مطالب و معانی و محل استعمال پر عالمانہ تبصرہ فرما کر جواب تحریر فرمایا ہے جس کی کامل نقل کے لیے کتاب ہذا کے تین چالیس صفحات درکار ہوں گے پس بوجہ عدم گنجایش اس کا ضروری اقتباس شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے اس جواب کی کامل نقل ہماری موعودہ کتاب "تحقیق سیادت نسب" میں کی جائے گی۔ درحقیقت یہ جواب اس مبحث پر برہان قاطع ہے)۔ اقول مستمدا ومستعینا باللہ الذی ھو ملھم الحق والصدق والصواب وعندہ ام الکتاب واضح ہو کہ مذہب اسلام نے کسی کو بھی بغرض اظہار نسب سید و سادات سے موسوم و مخاطب کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیا ہے یہ تو صرف عرف و اصطلاح پر موقوف ہے ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے ہم عقیدہ اشخاص نے تو حدیث (انما السید اللہ) سے استدلال کر کے سید کا معنی اللہ قرار دیا ہے اس لئے غیر اللہ کو سید کہنا کفر و شرک بتلایا ہے حتی کہ سید المرسلین ..... ان عبارات سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ پر بھی لفظ سید کا اطلاق جائز ہے ..... نیز الکواکب الزاہرہ صفحہ ۲۶۴ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو السید موسیٰ کہا گیا ہے اس سے بھی تعریف و توصیف مقصود ہے اظہار نسب مقصود نہیں ہے۔

اور عرفی اصطلاحی اظہار نسب کی غرض سے اپنے نام کے ساتھ لفظ سید لکھنا صرف
بنی فاطمہ کے ساتھ خاص ہے غیر بنی فاطمہ خواہ اولاد علی از غیر فاطمہؓ ہو یا اولاد عباسؓ
وجعفرؓ وعقیلؓ ہو ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے نام کے ساتھ لفظ سید لکھنا
عرف معروف کے خلاف ہے کیونکہ صرف بنی فاطمہ ہی کو سید وسادات کہنے کا عرف
ہو گیا ہے۔ سید کہتے ہی صرف بنی فاطمہ کی طرف ذہن کا تبادر ہوتا ہے ان کے
سوائے کسی دوسرے بنی ہاشم کی طرف خیال نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے غیر بنی فاطمہ کو سید
کہنا نسب میں اختلاط کا موجب ہے ..... اس لیے غیر حسنین کی اولاد کو سید کہنا
خلاف عرف مسلمین ہے جس سے بنی فاطمہ میں عرفاً فرق و امتیاز باقی نہیں رہتا ہے۔
اور اپنے آباؤ اجداد کے غیر کی طرف انتساب ہو جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے من ادعیٰ
الیٰ غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام متفق علیہ یعنی جو
شخص اپنی ولدیت اپنے والد کے غیر کی طرف منسوب کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ منسوب
الیہ اس کا والد نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے ..... اور تفسیر مدارک میں سورۂ
انعام کی تفسیر میں بیان ہوا ہے (جس کا مطلب یہ ہے) کہ ذکریا و یحییٰ کیساتھ عیسیٰؑ کو ذکر
کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ ماں کی طرف سے بھی نسب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اللہ
تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو نوح کی ذریت میں داخل کیا ہے حالانکہ عیسیٰؑ نوح کے
ساتھ اپنی والدہ مریمؑ کے نسب کے ذریعہ سے ملتے ہیں اور حجاج نے جب بنی فاطمہ کے
اولاد نبی ہونے سے انکار کیا تو اس کو یہی جواب دیا گیا (مدارک) .... واللہ اعلم بالصواب شرح دستخط۔
جناب مولانا شاہ محمد مخدوم صاحب فاضل نظامی مفتی مدرسہ عالیہ نظامیہ دار العلوم ظہیر پنجاب مولانا ابو الوفا ثناء اللہ تحریر
فرماتے ہیں شخصی تعظیم سے کسی کو سیدی کہنا جائز ہے۔ باقی مذکور الجواب صحیح ہیں (مولانا)
ابو الوفا ثناء اللہ کفاہ اللہ امرتسری

بعض امور وضاحت طلب

یہاں بعض وہ اُمور درج کئے جاتے ہیں جن کا ذکر ضروری ہے مگر کسی نہ کسی وجہ سے ان کا اندراج جلد ہذا کی طباعت میں نہ ہو سکا۔

ف ۱۔ جلد ہذا کے صفحہ ۳۰۸ پر میر سید محمد میر عدل (امیر اکبری) کے فرزندان نامدار کا شجرہ تاریخ امروہہ کی جلد دوم تذکرۃ الکرام کی عبارات کے سلسلہ میں نقل ہوا ہے۔ اس میں ذی علم مصنف نے قلت مبالاۃ و عدم تجسس کی بنا پر نہیں بلکہ سہواً یہ تحریر فرمادیا ہے کہ سید عبدالخالق بن شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کی اولاد میں سادات محلۂ گذری و شفاعت پوتہ و مجاپوتہ ہیں۔ ان تینوں محلوں کے سادات دراصل میر سید محمد میر عدل کے برادر عالی قدر میر سید مبارک کی اولاد میں ہیں۔ دیگر مقامات پر تاریخ امروہہ میں جا بجا ان کا ذکر صحیح طور پر ہوا ہے۔

ف ۲۔ دیگر مصنفین کی کتابوں کی جو عبارات کتاب ہذا میں نقل ہوئی ہیں راقم الحروف نے ان سب کی اصل سے ان کا مقابلہ کر لیا ہے۔ کتب تذکرہ مقامی میں سے صرف ایک ہی کتاب ایسی ہے جس کی اصل راقم الحروف کی نظر سے باوجود کوشش و تلاش نہیں گذر سکی اور اس کی نقل نقل جا بجا کتاب ہذا میں ہوئی ہے۔ یہ آئینۂ عباسی ہے اور اس کا اشارہ آغاز کتاب میں بھی کر دیا گیا ہے۔ پس اگر اتفاقاً کسی مقام پر اصل سے کوئی اختلاف رونما ہو تو وہ نقل اول پر مبنی ہوگا۔

ف ۳۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ مصنف اپنی ایک رائے کا اظہار یا کوئی بیان کرتا ہے اور اس کے بعد اپنی تائید یا تردید میں دیگر مشاہیر کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ ہم نے بھی اس

کتاب میں یہی طریقہ رکھا ہے۔ البتہ بعض مقامات پر غیر معمولی طوالت سے بچنے کے لیے اسے ترک کر دیا گیا ہے مثلاً غزوات وغیرہ کے بیان میں ہم نے بجائے اس کے کہ اپنے الفاظ میں ان کو بیان کرتے مشہور و مقبول و مستند مصنفین کی عبارات کی نقل پر ہی اکتفا کیا ہے اسی طرح بعض مقامات پر عربی و فارسی کی اصل عبارات مع ترجمہ کے لکھی گئی ہیں اور بعض مقامات پر ترجمہ ہی طوالت سے بچنے کے لیے لکھدیا گیا ہے بعض مقامات پر اس کے برعکس بھی عمل ہوا ہے جو عمل جس مقام پر مناسب معلوم ہوا راقم الحروف نے اپنی ذاتی صواب دید پر وہی عمل کیا ہے۔ اور اس کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ اصل و ترجمہ کے اندراج کی طوالت سے بچنے کے لیے بجائے متقدمین کی عبارات کے زمانہ حال کے مشہور و مستند علماء و مشاہیر کی عام فہم عبارات حتی الامکان نقل کی جائیں۔ مولف نے اپنے خاندانی حالات کے بیان میں بھی خاص طور پر اس کا لحاظ رکھا ہے کہ بجائے اپنی عبارات کے حتی الامکان دیگر مصنفین کی عبارات میں یہ سب حالات بیان ہو جائیں

ف ۴ کتب تذکرہ میں شجرات نسب کی طباعت ایک اہم مسئلہ ہے۔ ہر کتاب میں ایک نیا انداز اس کا نظر آتا ہے۔ صاحب تاریخ واسطیہ نے محلہ واری ذکر لکھ کر ہر محلہ کا شجرہ ساتھ ہی ساتھ دیدیا ہے۔ یہ طریقہ چنداں لائق اعتراض تو نہیں ہے مگر مختلف فروع کی اصل دریافت کرنے کے وقت متجسس کو بعض اوقات سخت دشواری کا سامنا اس میں ہوتا ہے اور مختلف شاخوں کی تطبیق و ترتیب میں جب تک کہ متجسس کو کافی علم انساب کا نہ ہو چند در چند مشکلات درپیش ہو جاتی ہیں۔ البتہ تاریخ واسطیہ میں شجروں کی طباعت و کتابت صاف اور واضح ہے اور باپ بیٹے اور بھائی وغیرہ کا فرق صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے مولوی محمود احمد صاحب کی تاریخ

امروہہ میں جو شجرات طبع ہوے ہیں ان میں علاوہ دیگر داخلی اغلاط کے بعض مقامات پر ایک سخت عیب کتابت کا یہ نمایاں ہے کہ دوائر کے بے محل اتصال اور خطوط اتصال کے جابجا غلط وصل سے باپ بیٹے بھائی کی تمیز جابجا مشکل ہوگئی ہے کوئی شک نہیں کہ یہ ایک بدنما عیب کتابت شجرات کا ہے کہ دیکھنے والے کو کسی سلسلہ کی تلاش میں غیر ضروری الجھن پیدا ہو جائے۔ صاحب تاریخ امروہہ نے جو محنت شجرات کی ترتیب میں برداشت کی ہے وہ بے شک قابل داد ہے مگر کتابت کی خرابی کے باعث بعض مقامات پر شجرات کی ترتیب کی محنت شاقہ بار آور نہ ہوسکی اور صاحبان شجرہ کو بجائے شکریہ کے شکایت کا موقع ملا۔ ہماری اس کتاب کی طباعت کے دوران میں بھی یہی صورت درپیش ہوی۔ تمام شجرات کی کتابت منسوخ کر دی گئی۔ دوبارہ کتابت ہوی اس میں بھی یہی عیب جابجا باقی رہا بالآخر یہ دوسری کتابت بھی منسوخ کر دی گئی اور مؤلف نے بحالت سفر اپنی ذاتی نگرانی میں ان شجروں کی کتابت بدرجہ مجبوری ایک ایسے شخص سے کرائی جس نے تمام عمر میں کبھی کاپی نویسی نہیں کی اس میں شک نہیں کہ شجرات کی موجودہ کتابت میں حسن صورت موجود نہیں ہے مگر حسن سیرت سے خالی بھی نہیں ہے۔ ہر سلسلہ علیحدہ علیحدہ نمایاں ہے اور باپ بیٹے اور بھائی وغیرہ کا فرق صاف طور پر نمایاں ہے جس مقام سے کوئی شاخ شجرہ نسب کی علیحدہ ہوتی ہے وہیں شجرہ نسب کا نشان لکھدیا گیا ہے۔ جس سے بآسانی مورث اعلیٰ تک نسب کا اتصال واضح ہوسکتا ہے۔ اور بآسانی معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ ایک اصل کی فروع کون کون اور کس کس صفحہ پر ہیں۔ اگر کتاب کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کا احتمال نہوتا اور مؤلف کو سفر درپیش نہوتا تو کتابت کی بدنمائی کا یہ ظاہری عیب بھی باقی نہ رہتا۔ بدرجہ

مجبوری یہ کتابت باقی رکھی گئی ہے۔ شجرات کی بار بار کتابت اور اس رد و بدل میں تین مہینے تک طباعت ملتوی رہی اور اگر موجودہ کتابت باقی نہ رکھی جاتی تو مزید تاخیر کا امکان موجود تھا۔ امید ہے کہ جلد دوم میں اس تجربہ سے استفادہ ہو کر یہ عیب باقی نہ رہے گا۔

ف ۵۔ ہم حیران ہیں کہ دوران طباعت کی مختلف قسم کی اغلاط کے متعلق کن الفاظ میں معذرت کریں۔ ہمارا خیال ہے کہ ناممکنات کی اگر کوئی فہرست مرتب کی جائے تو شاید صحت کتابت کو بھی اس میں نمایاں جگہ دینی پڑے گی۔ ہماری یہ کتاب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ بعض وہ اغلاط جن کی دو دو بار اصلاح بھی ہوئی بدستور موجود ہیں۔ اور یہ صورت عربی و فارسی عبارات میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ اسکی ایک بدترین مثال کتاب ہذا کے صفحہ (۲۹۲) پر موجود ہے کہ باوجود مکرر ہدایات کے غلط اعراب کے ساتھ عربی نظم درج ہو گئی ہے اسی طرح بعض دیگر مقامات پر عبارات کے درمیان سے عبارت گم ہو گئی ہے۔ اور خطوط فاصلہ اور نقاط وغیرہ کی اغلاط بکثرت باقی رہ گئی ہیں۔ جا بجا (د) اور (ذ) میں فرق باقی نہیں رکھا گیا ہے۔ مثلاً بعض مقامات پر بجائے ابی طالب کے ابو طالب غلط طور پر تحریر ہو گیا ہے وہمنیں دیگر اغلاط کہیں (من) کو (عن) لکھدیا گیا ہے۔ کہیں (ان) کو (عن) تحریر کر دیا ہے اور (نجیب) کو (غبب) لکھدینا تو ایک معمولی بات ہے۔ راقم الحروف کو افسوس ہے کہ کتاب کے بعض حصوں کا پروف بذات خود نہ دیکھا جا سکا صحت نامہ کی ترتیب سے ان اغلاط کی طولانی فہرست معلوم ہو سکے گی جو جلد دوم میں طبع ہو گا۔

ف ۶۔ اس کتاب کا تاریخی نام (تاریخ سادات امروہہ) قرار پایا ہے جس سے

سال تحریر ۱۹۲۴ء برآمد ہوتا ہے ختم طباعت پر بعض احباب کے لکھے ہوئے قطعات تاریخ وصول ہوئے جن میں براہ نوازی راقم الحروف کی ہمت افزائی فرمائی گئی ہے۔ ان سب کا شکریہ عرض کرتے ہوئے التماس ہے کہ ان کی طباعت جلد دوم میں ممکن ہوگی جلد ہذا میں اب گنجایش باقی نہیں رہی مختلف تاریخی مادے جو منظوم ہو کر وصول ہوئے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(تاریخ محب آل نبی) (گلدستۂ اخبار) (گنجینۂ تواریخ) (باغ عارف)۔ (گلدستۂ خرد) (نغمۂ انوار) (تذکرۂ اخلاص) وغیرہ وغیرہ۔ ابھی کتاب کی اشاعت نہیں ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ ابھی ان منظومات میں اضافہ ہو۔ جلد اول اب تمام ہوتی ہے۔ ابھی بہت کچھ عرض کرنا باقی ہے۔ اور بیاض آمد این دفتر حکایت ہمچناں باقی، کا مضمون بہمہ جہت صادق ہے۔ ناظرین جلد دوم کے منتظر رہیں۔

از جلوہ بیارام دے کایں ہمہ سامان
در حوصلۂ دیدۂ بیک بار نگنجد

تمام شد

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا

Post Graduate Library
College of Arts & Commerce, O.

اسوار دوش احمدان نقش همال احمد

می نافت از جبینش نور جمال احمد

در پیشگاه دیش شد کشف حال احمد

گر پیشگاه دیش شد کشف حال احمد

۱۲

۱۲

۱۲

Post Graduate Library
College of Arts & Commerce, O.

اعلان

تاریخ سادات امروہہ کی جلد اول طبع ہو کر سادات عظام و دیگر احباب کی خدمات میں پیش کیجاتی ہے۔ اس کتاب کی قیمت مع جلد (۵) فی عدد قرار پائی ہے مگر جیسا کہ مؤلف کتاب نے اظہار کر دیا ہے اس مکمل کتاب کی ایک ہزار جلدیں بلا قیمت ہدیۃً نذر کی جائینگی۔

جلد دوم بھی زیر ترتیب ہے جس میں رجال سادات نقوی متوطنہ امروہہ کے مشاہیر علما و فضلا و شعرا و حکما و امرا کا مفصل تذکرہ اور دیگر مضامین متعلقہ اور فرہنگ اسماء رجال و شجرات انساب وغیرہ درج کیے گئے ہیں

المعلن

مؤلف کتاب ہذا